فلولا نفر من كل فرقة منهم طائفة ليتفقهوا في الدين
سو ایسا کیوں نہ کیا جائے کہ ان کی ہر ہر بڑی جماعت میں سے ایک ایک چھوٹی جماعت (جہاد میں) جایا کرے تاکہ (یہ) باقی ماندہ لوگ دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرتے رہیں۔ (القرآن)
احکامِ فقہیہ
قرآنِ کریم کی روشنی میں
toobaa-elibrary.blogspot.com
تحقیق
حضرت مولانا ڈاکٹر ابو طارق عبد السلام قریشی صاحب دامت برکاتہم
استاذ الحدیث و نائب مہتمم جامعہ عربیہ مفتاح العلوم حیدر آباد (سندھ)
ترتیبِ جدید مولانا محمد طارق
ناشر
مکتبۃ الولی
بالمقابل ہوم اسٹیڈ ہال ۰ فاطمہ جناح روڈ ۰ پکا قلعہ ۰ حیدر آباد (سندھ)
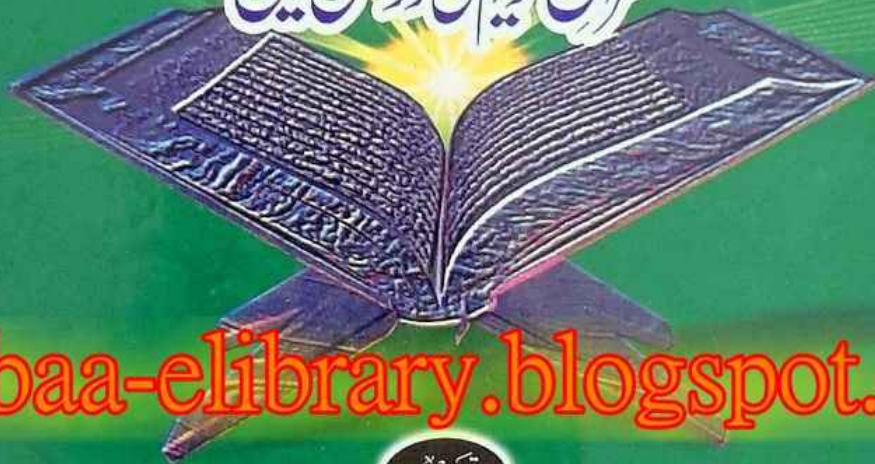
نام کتاب ------------------- احکامِ فقہیہ ، قرآنِ کریم کی روشنی میں

تحقیق ------------------- حضرت مولانا ڈاکٹر ابوطارق عبدالسلام قریشی صاحب

طبع اوّل ------------------- رجب المرجب ۱۴۲۴ھ مطابق ستمبر ۲۰۰۳ء

تعداد ------------------- ایک ہزار

مطبع ------------------- مقصود پرنٹنگ پریس، کراچی

صفحات ------------------- ۴۱۹

قیمت -------------------

ملنے کے پتے :

جامعہ عربیہ مفتاح العلوم، بیل خانہ روڈ، مارکیٹ حیدرآباد

مکتبہ الاولیٰ بالمقابل ہوم اسٹیڈ ہال، فاطمہ جناح روڈ، پکا قلعہ حیدرآباد

جامعہ عربیہ مفتاح العلوم سائٹ ایریا حیدرآباد

مکتبہ اصلاح وتبلیغ ٹاور مارکیٹ حیدرآباد

حاجی امداد اللہ اکیڈمی ٹاور مارکیٹ حیدرآباد

خطاط : محمد اقبال یوسفی (ملتان) (ادارۃ الخطاط)

فہرست

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
۱	افتتاحی کلمات وتشکر	۲۶
۲	تقریظ، حضرت مولانا علاّمہ منظور احمد صاحب نعمانی مرحوم	۳۱
۳	〃 حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب کراچی	۳۲
۴	〃 حضرت مولانا مفتی شمس الدین صاحب حیدرآباد	۳۳
۵	〃 حضرت مولانا قاری اللہ بخش صاحب، طاہروالی	۳۴
۶	〃 حضرت مولانا جان محمد صاحب 〃 〃	۳۵
۷	〃 حضرت مولانا محمد ابراھیم صاحب ٹھٹھہ	۳۷
۸	〃 حضرت مولانا زاھد الراشدی صاحب گوجرانوالہ	۳۸
۹	〃 حضرت مولانا ڈاکٹر سیف الرحمٰن صاحب	۳۹
۱۰	**کتابُ الطہارۃ**	۴۱
۱۱	طہارت کے احکام	۴۲
۱۲	وضو کے مسائل	۴۲
۱۳	لفظ وضو کی تحقیق ، فضائلِ وضو۔	۴۲
۱۴	وضو نماز کیلئے شرط ہے۔	۴۳
۱۵	وضو کے فرائض ، چہرے کا دھونا۔	۴۳
۱۶	ہاتھوں کا دھونا، سر کا مسح کرنا۔	۴۴
۱۷	پاؤں کا دھونا	۴۴
۱۸	استنجاء ، پانی سے استنجاء کرنے کی فضیلت	۴۶
۱۹	جنابت کا مفہوم ۔ غسل کے فرائض	۴۵
۲۰	حالتِ جنابت میں نماز کی ممانعت	

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
۲۱	حالتِ جنابت میں مسجد سے گذرنے کا مسئلہ	۴۸
۲۲	پانی نہ ہونے کی صورت میں مُسافر کیلئے فرضیتِ غسل سے استثناء	۴۸
۲۳	تیمّم کی مشروعیت	۴۹
۲۴	مریض کے لئے تیمّم کا ثبوت	۵۰
۲۵	مُسافر کے لئے بھی تیمّم کرنا جائز ہے۔	۵۰
۲۶	مُسافر اور مریض کیلئے پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمّم کا وجوب . فائدہ۔	۵۱ ، ۵۱
۲۷	تیمّم، وضو کا قائم مقام ہے۔	۵۱
۲۸	تیمّم میں احناف وشوافع کا اِختلاف	۵۱
۲۹	تیمّم، غسل کا بھی قائم مقام ہے۔	۵۲
۳۰	جنسِ زمین سے تیمّم کا جواز	۵۲
۳۱	تیمّم کا طریقہ	۵۲
۳۲	بارش کا پانی بالذّات پاک کرنیوالا ہے۔	۵۳
۳۳	لفظ تطہیر میں دو اِحتمال	۵۳
۳۴		
۳۵	حالتِ حیض میں بیوی سے جماع کرنا حرام ہے	۵۴
۳۶	حالتِ حیض میں عدم استمتاع کی حد میں اختلاف	۵۵
۳۷	حائضہ عورت سے جماع کے حرام ہونے کی مدت	۵۵

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
۳۷	دونوں قراءتوں میں تطبیق	۵۲
۳۸	جماع کے جائز ہونے کی شرط	۵۲
۳۹	محلِ جماع	۵۲
۴۰	کیفیتِ جماع	۵۷
۴۱	لفظ اَنّٰی کی تحقیق	۵۷
۴۲	اَنّٰی بمعنی کیف ہونے کی دلیل	۵۸
۴۳	لواطت کرنا حرام ہے	۵۸
۴۴	**کتاب الصلوٰۃ**	۵۹
۴۵	لفظ صلوٰۃ کی تحقیق	۶۰
۴۶	نماز کی فرضیّت اور اس کے احکام میں تدریج	۶۱
۴۷	نماز گناہوں کا کفّارہ ہے	۶۳
۴۸	نماز بےحیائی اور بُرائی سے روکتی ہے	۶۴
۴۹	اپنے اھل وعیال کو نماز کی تاکید	۶۴
۵۰	نماز باجماعت کا حُکم	۶۵
۵۱	پانچ نمازوں کا ثبوت	۶۵
۵۲	صلوٰۃ وسطیٰ سے مُراد صلوٰۃ العصر ہے	۶۶
۵۳	پنجگانہ نمازوں کے اوقات کا ثبوت	۶۶
۵۴	پانچوں نمازوں کے ناموں کی تصریح	۶۸
۵۵	نمازوں کے اوقات کی ابتداء وانتہاء	۶۹
۵۶	نماز فجر کا انتہائی وقت	۶۹
۵۷	نماز ظہر وعشاء کا ابتدائی وقت	۶۹

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
۵۸	عصر کا ابتدائی اور ظہر کا انتہائی وقت	۷۰
۵۹	عصر کا انتہائی وقت	۷۰
۶۰	مغرب کا ابتدائی وقت	۷۰
۶۱	مغرب کا انتہائی اور عشاء کا ابتدائی وقت	۷۰
۶۲	نماز کو اپنے وقت میں پڑھنا ضروری ہے	۷۱
۶۳	نماز میں نیت شرط ہے	۷۱
۶۴	تکبیر تحریمہ کی فرضیّت	۷۲
۶۵	آیا تکبیر تحریمہ نماز سے خارج ہے یا نماز میں داخل ہے؟	۷۲
۶۶	نماز میں قیام کی فرضیّت	۷۳
۶۷	نماز میں کلام کی حُرمت	۷۳
۶۸	بوقتِ خوف قیام کی فرضیّت کا سُقوط	۷۳
۶۹	نماز میں سَتر کو ڈھانکنا فرض ہے	۷۴
۷۰	نماز کے لئے کپڑوں کا پاک ہونا	۷۵
۷۱	رکوع میں تسبیح پڑھنا	۷۵
۷۲	سجدہ میں تسبیح پڑھنا	۷۶
۷۳	نماز میں رکوع کی فرضیّت	۷۶
۷۴	نماز میں بیتُ اللہ کی طرف رُخ کرنا فرض ہے	۷۶
۷۵	تحویل قبلہ کا واقعہ	۷۷
۷۶	تمام روئے زمین کے مسلمانوں کا قبلہ خانہ کعبہ ہے	۷۸
۷۷	سفر اور حضر دونوں حالتوں میں قبلہ کی طرف رُخ کرنا ضروری ہے۔	۷۸
۷۸	خوف کے وقت قبلہ رُخ ہونا ضروری نہیں۔	۷۹

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
۷۹	جس مسجد میں نماز کا وقت ہو جائے وہیں نماز پڑھ لینا	۷۹
۸۰	مقتدی کو امام کی قرأت سننے اور خاموش رہنے کا حکم	۸۰
۸۱	سِرّی و جہری نمازوں میں قرأت کا ادب	۸۰
۸۲	فارسی زبان میں قرأت کا مسئلہ	۸۱
۸۳	سجدۂ تلاوت کی نیت سے رکوع کیا جائے تو سجدۂ تلاوت ادا ہو جاتا ہے۔	۸۲
۸۴	سجدۂ تلاوت کا وجوب	۸۲
۸۵	چوتھائی رات میں قیام کا ثبوت	۸۲
۸۶	نمازِ تہجد کی تاکید۔	۸۳
۸۷	نماز تہجد فرض ہے یا نفل ؟	۸۴
۸۸	تہجد کے لئے اُٹھنا۔ نماز جمعہ کی فرضیت ۸۵	۸۴
۸۹	اِستسقاء۔	۸۶
۹۰	نماز استسقاء کی مشروعیت	۸۷
۹۱	حالتِ مرض میں نماز پڑھنے کا بیان	۸۸
۹۲	مُسافر کے لئے نماز قصر کرنے کی رُخصت	۸۹
۹۳	نماز میں قصر کے لئے سفر شرط ہے	۸۹
۹۴	سفر میں قصر کیلئے خوف کی قید اتفاقی ہے	۹۰
۹۵	بوقتِ خوف نماز پڑھنے کا طریقہ	۹۱
۹۶	نمازِ خوف میں اسلحہ کا ساتھ رکھنا	۹۲
۹۷	نشہ کی حالت میں نماز پڑھنے کی ممانعت	۹۳
۹۸	نماز پورے ہوش میں پڑھنی چاہیے۔	۹۳
۹۹	عملِ قلیل سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔	۹۳

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
۱۰۰	حالتِ امن میں نماز	۹۴
۱۰۱	اجلّہ صحابۂ کرامؓ امام کے پیچھے ترکِ قراءت کے قائل تھے	۹۶
۱۰۲	کِتابُ الزّکوٰۃ	۹۷
۱۰۳	زکوٰۃ و عُشر کا وجُوب ، زکوٰۃ ۹۸	۹۹
۱۰۴	زکوٰۃ میں عُمدہ مال دینا ضروری ہے	۹۹
۱۰۵	سونے چاندی کی زکوٰۃ	۱۰۰
۱۰۶	سونے اور چاندی میں زکوٰۃ واجب ہے	۱۰۰
۱۰۷	عورتوں کے زیورات میں بھی زکوٰۃ واجب ہے	۱۰۱
۱۰۸	سونے چاندی کی زکوٰۃ نہ دینے پر پورے جسم کو عذاب ہو گا	۱۰۲
۱۰۹	کھیتی اور پھلوں کا عُشر	۱۰۳
۱۱۰	پھل کا عُشر ادا کرنے سے پہلے اس کا کھانا جائز ہے	۱۰۴
۱۱۱	کھیتی اور پھلوں کے پکنے پر عُشر واجب ہوتا ہے	۱۰۴
۱۱۲	زکوٰۃ کے مستحق	۱۰۴
۱۱۳	مصارفِ زکوٰۃ کے متعلق صاحبِ ہدایہ کی تحقیق	۱۰۵
۱۱۴	عامل کو مُعاوضہ دینا	۱۰۶
۱۱۵	مکاتب کو بدل کتابت ادا کرنے کیلئے زکوٰۃ دینا جائز ہے	۱۰۷
۱۱۶	قرضدار کو قرض کی ادائیگی کیلئے زکوٰۃ دینا جائز ہے	۱۰۷
۱۱۷	مجاہدین کی امداد کیلئے مال زکوٰۃ دینا جائز ہے	۱۰۷
۱۱۸	مُسافر کو زکوٰۃ دینا جائز ہے	۱۰۸
۱۱۹	حرف فی کے استعمال کی حکمت	۱۰۸

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
۱۲۰	لفظِ فی کے اعادہ کی حکمت	۱۰۹
۱۲۱	احناف و شوافع کا مشہور اختلاف	۱۰۹
۱۲۲	مؤمنین سے زکوٰۃ لینا	۱۱۰
۱۲۳	زکوٰۃ حکومت کا ٹیکس نہیں عبادت ہے	۱۱۱
۱۲۴	صدقہ لینے والا صدقہ دینے والے کیلئے دُعا کرے	۱۱۱
۱۲۵	کتاب الصوم	۱۱۳
۱۲۶	صوم کی قسمیں	۱۱۴
۱۲۷	روزے کی فضیلت	۱۱۵
۱۲۸	روزہ کی فرضیت	۱۱۶
۱۲۹	روزہ پچھلی اُمتوں پر بھی فرض تھا	۱۱۷
۱۳۰	مریض کیلئے روزہ نہ رکھنے کی اجازت	۱۱۷
۱۳۱	مُسافر کیلئے روزہ نہ رکھنے کی اجازت	۱۱۷
۱۳۲	روزہ نہ رکھنے کے لئے سفر ضروری ہے	۱۱۸
۱۳۳	فرضیتِ روزہ کی ترتیب	۱۱۹
۱۳۴	روزہ کی قضا	۱۱۹
۱۳۵	شیخ فانی روزہ کے بدلے فدیہ دیدے	۱۲۰
۱۳۶	روزہ کا فدیہ	۱۲۱
۱۳۷	رُخصتِ افطار	۱۲۱
۱۳۸	پُورے ماہِ رمضان کے روزے ضروری ہیں	۱۲۲
۱۳۹	رمضان کے روزوں کی قضا فی الفور واجب نہیں	۱۲۲
۱۴۰	رمضان کے روزوں کی قضا میں تسلسل واجب نہیں	۱۲۲
۱۴۱	رمضان کے روزوں کی قضا میں تاخیر سے فدیہ لازم نہیں ہوتا	۱۲۳
۱۴۲	شک کے دن روزہ رکھنا منع ہے	۱۲۳
۱۴۳	شوال کا چاند دیکھ کر تکبیر کہنے کا حکم	۱۲۳
۱۴۴	روزے کے مسائل	۱۲۴
۱۴۵	آیت کا شانِ نزول	۱۲۴
۱۴۶	رمضان کی راتوں میں بیوی کیساتھ جماع کی حلت	۱۲۵
۱۴۷	جماع سے مقصود توالد و تناسل ہو محض شہوت پُوری کرنا نہ ہو	۱۲۵
۱۴۸	روزہ کی حالت میں جان بُوجھ کر کھانے سے کفّارہ لازم ہوتا ہے	۱۲۶
۱۴۹	روزہ کا شروع کرنے کے بعد پُورا کرنا ضروری ہے	۱۲۶
۱۵۰	لفظ الیٰ کا استعمال	۱۲۶
۱۵۱	محلِ وطی فرج ہے	۱۲۷
۱۵۲	رمضان المبارک کی راتوں میں کھانا پینا حرام ہے	۱۲۸
۱۵۳	سحری کا آخری وقت	۱۲۸
۱۵۴	روزہ کا آخری وقت	۱۲۹
۱۵۵	اعتکاف مسجد میں ضروری ہے	۱۲۹
۱۵۶	اعتکاف میں مباشرت منع ہے	۱۲۹

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
۱۵۸	اعتکاف کے لئے روزہ شرط ہے	۱۳۰
۱۵۹	روزہ کی حالت میں جائز باتوں سے بھی احتیاط کرنی چاہیئے	۱۳۰
۱۶۰	ماہِ رمضان سے متعلق احکام	۱۳۰
۱۶۱	روزہ رکھنے اور افطار کرنے میں چاند کے نظر آنے کا اعتبار ہے۔	۱۳۱
۱۶۲	قرآن مجید ماہِ رمضان میں نازل ہُوا۔	۱۳۱
۱۶۳	شبِ قدر رمضان المبارک میں ہے	۱۳۱
۱۶۴	جو شخص رمضان کا مہینہ پائے اُس پر روزہ رکھنا فرض ہے۔	۱۳۲
۱۶۵	روزہ کی فرضیّت کا سبب مطلق ماہِ رمضان ہے	۱۳۲
۱۶۶	کتابُ الحجّ	۱۳۳
۱۶۷	افراد ، قران ، تمتّع	۱۳۴
۱۶۸	حج کی فضیلت	۱۳۵
۱۶۹	احکامِ حج	۱۳۵
۱۷۰	حج کی فرضیّت	۱۳۶
۱۷۱	حج کی فرضیّت کیلئے استطاعت شرط ہے	۱۳۶
۱۷۲	حج کی فرضیّت پچھلی اُمتوں پر۔	۱۳۶
۱۷۳	بیتُ اللہ کے احکام اور اس کا مامون ہونا	۱۳۷
۱۷۴	بیتُ اللہ مرجع خلائق ہے۔	۱۳۷
۱۷۵	بیتُ اللہ اَمن کی جگہ ہے۔	۱۳۸
۱۷۶	مقامِ ابراہیمؑ پر نماز پڑھنے کا حکم	۱۳۹
۱۷۷	بیتُ اللہ کو پاک رکھنے کا حکم	۱۴۰
۱۷۸	بیتُ اللہ کی تعظیم۔ وجوبِ حج، مذبوحہ جانوروں کا کھانا، الفا حلق، نذر اور طواف زیارت کا بیان	۱۴۰
۱۷۹	اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا منع ہے۔	۱۴۱
۱۸۰	بیتُ اللہ کو پاک رکھنے کا حکم	۱۴۱
۱۸۱	صَفا اور مَروہ کے درمیان دَوڑنا	۱۴۲
۱۸۲	شانِ نزول	۱۴۲
۱۸۳	صَفا و مَروہ کے درمیان سَعی واجب ہے	۱۴۲
۱۸۴	حج کے ایّام و شرائط عرفات و مزدلفہ میں ٹھیرنے کے احکام۔	۱۴۳
۱۸۵	آیت کا شانِ نزول	۱۴۴
۱۸۶	ایّامِ حج	۱۴۴
۱۸۷	ممنوعاتِ حج	۱۴۵
۱۸۸	رفث کی ممانعت	۱۴۵
۱۸۹	فسوق کی ممانعت	۱۴۵
۱۹۰	وہ چیزیں جو حالتِ احرام میں منع ہیں	۱۴۶
۱۹۱	حالتِ احرام یا حج میں نیکی کی ترغیب	۱۴۶
۱۹۲	سفرِ حج میں ضروریاتِ سفر کا ساتھ لینا ضروری ہے	۱۴۶
۱۹۳	سفرِ حج میں تجارت یا مزدوری کرنا جائز ہے	۱۴۷

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
۱۹۴	عرفات اور مزدلفہ میں ٹھہرنا	۱۴۷
۱۹۵	وقوفِ عرفہ فرض ہے	۱۴۷
۱۹۶	عرفات کی وجہ تسمیہ اور مشعرِ حرام اور مزدلفہ کی علمی تحقیق	۱۴۷
۱۹۷	حجِ تمتّع کے احکام	۱۴۸
۱۹۸	اقسامِ حجّ	۱۴۸
۱۹۹	حجِّ قِران	۱۴۹
۲۰۰	حجِّ تمتّع	۱۴۹
۲۰۱	تمتّع کی قربانی	۱۴۹
۲۰۲	قربانی کا جانور میسّر نہ ہونے کی صورت میں دس روزے رکھے۔	۱۵۰
۲۰۳	حجِ تمتّع حدودِ مکّہ سے باہر رہنے والوں کیلئے جائز ہے	۱۵۰
۲۰۴	احکامِ حج و عمرہ میں خلاف ورزی اور کوتاہی باعثِ عذاب ہے	۱۵۰
۲۰۵	حالتِ احرام میں شکار کی حرمت اور چوپایوں کی حلّت، شعائر اللہ کی حرمت اور ھدی و قلائد وغیرہ کا بیان	۱۵۱
۲۰۶	چوپائے حلال ہیں۔	۱۵۱
۲۰۷	حالتِ احرام میں شکار منع ہے۔	۱۵۲
۲۰۸	حالتِ احرام میں شکار کی حرمت اور اس کا کفارہ	۱۵۲
۲۰۹	حالتِ احرام میں شکار کرنیوالے پر کفّارہ واجب ہے	۱۵۳
۲۱۰	شکار کی مثل کا فیصلہ دو معتبر شخص کریں۔	۱۵۴
۲۱۱	شکار کی جزاء کو کعبہ تک پہنچانا۔	۱۵۴
۲۱۲	مساکین کو بطور کفّارہ طعام دینا	۱۵۴
۲۱۳	طعام کے بدلے روزے رکھنا جائز ہے	۱۵۴
۲۱۴	شکار کے احکام	۱۵۴
۲۱۵	پاکیزہ اور ستھری چیزیں حلال ہیں	۱۵۵
۲۱۶	سکھلائے ہوئے شکاری جانوروں کے شکار کی حلّت۔	۱۵۵
۲۱۷	شکار کے حلال ہونے کیلئے زخمی ہونا شرط ہے	۱۵۶
۲۱۸	سکھلائے ہوئے ہونے کی شناخت۔	۱۵۶
۲۱۹	اپنے ارادہ سے کتّے یا باز کو شکار کے پیچھے چھوڑنا	۱۵۶
۲۲۰	شکار کو بسم اللہ پڑھ کر چھوڑنا شرط ہے۔	۱۵۷
۲۲۱	محرم کیلئے خشکی کا شکار حرام اور بحری شکار حلال ہے	۱۵۷
۲۲۲	بحری شکار جائز ہے۔	۱۵۷
۲۲۳	حالتِ احرام میں برّی جانوروں کا شکار حرام ہے	۱۵۷
۲۲۴	حج وعمرہ کا پورا کرنا اور اُن کی ادائیگی سے مانع کا موجود ہونا	۱۵۸
۲۲۵	عمرہ کا رکن اس کی شرط، وجوب حج اور سنیّت عمرہ کی توجیہہ	۱۵۸

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
۲۲۶	حج کے موانع کا بیان	۱۵۹
۲۲۷	احصار کے سبب میں فقہاء کرام کا اختلاف	۱۵۹
۲۲۸	محصر کی ھدی کا مذبح حرم ہے	۱۵۹
۲۲۹	محصر کیلئے احرام کھولنا اُس وقت تک جائز نہیں جبتک کہ اسکی قربانی اپنے موقع پر پہنچ کر ذبح نہ ہو جائے	۱۶۰
۲۳۰	حالتِ احرام میں کوئی بال منڈوانے پر مجبور ہو جائے تو فدیہ دے	۱۶۰
۲۳۱	دُوسری آیت کا شانِ نزول	۱۶۰
۲۳۲	شعائر اللہ کی حُرمت اور ھدی و قلائد وغیرہ کے احکام —	۱۶۱
۲۳۳	شعائر اللہ کی حُرمت	۱۶۱
۲۳۴	حُرمت والے مہینوں کا احترام	۱۶۲
۲۳۵	قربانی کے جانوروں سے تعرض کی ممانعت	۱۶۲
۲۳۶	قلادہ پہنے ہُوئے قربانی کے جانوروں سے تعرض کی ممانعت	۱۶۲
۲۳۷	بیتُ اللہ کی زیارت کے ارادہ سے جانے والوں سے مزاحمت کی ممانعت	۱۶۲
۲۳۸	تجارت کیلئے کعبہ جانے والوں کے قتل کی ممانعت	۱۶۳
۲۳۹	احرام سے فراغت کے بعد شکار کرنا حلال ہے	۱۶۳
۲۴۰	ھدی اور قلائد کی مشروعیت	۱۶۳
۲۴۱	ہدی کا عیب سے سالم ہونا واجب ہے	۱۶۴
۲۴۲	حرمات اللہ کی تعظیم	۱۶۴
۲۴۳	بُت پرستی سے اجتناب	۱۶۵
۲۴۴	جھُوٹ سے اجتناب	۱۶۵
۲۴۵	شعائر اللہ کی تعظیم دل کے تقویٰ کی علامت ہے	۱۶۵
۲۴۶	قربانی کے جانوروں سے نفع حاصل کرنے کی مدت	۱۶۶
۲۴۷	بحالتِ مجبوری ھدی پر سوار ہونا جائز ہے۔	۱۶۶
۲۴۸	محلِ ذبح حرم ہے	۱۶۶
۲۴۹	احکامِ قربانی	۱۶۶
۲۵۰	〃 〃 اُونٹ کی قربانی کا طریقہ	۱۶۷
۲۵۱	اُونٹ کے سوا باقی جانوروں کی قربانی کا طریقہ	۱۶۸
۲۵۲	قربانی کے گوشت کا خود کھانا اور صدقہ کرنا	۱۶۸
۲۵۳	عبادات میں اللہ کو اخلاص مطلوب ہے	۱۶۸
۲۵۴	حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کو بیتُ اللہ کے حج کی فرضیت کے اعلان کا حُکم	۱۶۸
۲۵۵	حج کی فرضیّت کا اعلان	۱۶۹
۲۵۶	حج کے دُنیاوی و اُخروی فوائد	۱۶۹
۲۵۷	قربانی کے وقت اللہ کو یاد کرنا	۱۷۰
۲۵۸	قربانی کا گوشت کھانا حلال ہے	۱۷۰
۲۵۹	قربانی کے بعد ممنوعات احرام کی حلت اور حلق کا بیان	۱۷۱
۲۶۰	نذر یا منّت کا پُورا کرنا واجب ہے۔	۱۷۱
۲۶۱	طوافِ زیارت فرض ہے۔	۱۷۱

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
۲۶۲	عمرہ میں حلق شرط ہے	۱۷۲
۲۶۳	عیدالاضحیٰ کی نماز سے پہلے قربانی منع ہے	۱۷۲
۲۶۴	تکبیراتِ تشریق و رمی الجمار	۱۷۲
۲۶۵	حج اور عمرہ کیلئے کافر کا مسجد حرام میں داخل ہونا ناجائز ہے	۱۷۳
۲۶۶	مشرکین نجس ہیں۔	۱۷۳
۲۶۷	حج و عمرہ کے لئے مشرکین کا بیت اللہ	۱۷۴
۲۶۸	میں داخلہ منع ہے	
۲۶۹	امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ کے قول کی تائیدِ اوّل	۱۷۴
۲۷۰	" " " " تائیدِ ثانی	۱۷۴
۲۷۱	**کتاب النکاح**	۱۷۵
۲۷۲	نکاح	۱۷۶
۲۷۳	محرمات کا بیان	۱۷۷
۲۷۴	خلاصہ	۱۷۹
۲۷۵	باپ کی منکوحہ سے نکاح حرام ہے	۱۷۹
۲۷۶	نکتہ	۱۷۹
۲۷۷	ماں سے نکاح کی حرمت	۱۸۰
۲۷۸	بیٹی سے نکاح کی حرمت	۱۸۰
۲۷۹	حقیقی بہن سے نکاح کی حرمت	۱۸۰
۲۸۰	پھوپھی سے نکاح کی حرمت	۱۸۰
۲۸۱	خالہ سے نکاح کی حرمت	۱۸۰
۲۸۲	بھتیجیوں سے نکاح کی حرمت	۱۸۱
۲۸۳	بھانجیوں سے نکاح کی حرمت	۱۸۱
۲۸۴	رضاعی ماں سے نکاح کی حرمت	۱۸۱
۲۸۵	رضاعی بہن سے نکاح کی حرمت	۱۸۱
۲۸۶	ساسوں سے نکاح کی حرمت	۱۸۲
۲۸۷	مدخول بہا بیویوں کی بیٹیوں سے نکاح کی حرمت	۱۸۲
۲۸۸	بیٹے کی بیوی سے نکاح کی حرمت	۱۸۲
۲۸۹	دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنے کی حرمت	۱۸۳
۲۹۰	سابقہ شریعتوں میں دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنا جائز تھا۔	۱۸۳
۲۹۱	دوسرے کی منکوحہ سے نکاح کی حرمت	۱۸۳
۲۹۲	ایک تا چار عورتوں سے نکاح کرنا اور ان کے درمیان عدل قائم رکھنا۔	۱۸۴
۲۹۳	یتیم لڑکیوں کی حق تلفی کی روک تھام	۱۸۴
۲۹۴	آیت کا شانِ نزول	۱۸۴
۲۹۵	نکاح نابالغ کا مسئلہ	۱۸۵
۲۹۶	اسلام نے تعدد ازدواج پر ضروری پابندی لگائی اور عدل و مساوات کا قانون جاری کیا	۱۸۵
۲۹۷	متعدد بیویوں میں عدل و مساوات پر قدرت نہ ہونے کی صورت میں صرف ایک بیوی پر اکتفا کرنا	۱۸۶
۲۹۸	نکاح میں بعض رسوماتِ جاہلیت کا منسوخ ہونا۔	۱۸۶

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
۲۹۹	خلاصۂ تفسیر	۱۸۷
۳۰۰	مردوں کے لئے جبراً عورتوں کا مالک بننا حلال نہیں	۱۸۸
۳۰۱	عورتوں کو اپنی مرضی کے نکاح کرنے سے روکنے کی ممانعت	۱۸۸
۳۰۲	نافرمان عورت سے دیا ہوا مال واپس لینا جائز ہے	۱۸۹
۳۰۳	بیوی کے ساتھ خوش گوار زندگی گذارنے کا حکم	۱۸۹
۳۰۴	غیر منکوحہ عورتوں کے نکاح کا اُن کے اولیاء کو حکم	۱۹۰
۳۰۵	نیک غلام اور کنیز کے آقاؤں کو اُن کے نکاح کرانے کا حکم	
۳۰۶	عدّت ختم ہونے کے بعد نکاح کا بیان	۱۹۰
۳۰۷	شانِ نزول	۱۹۱
۳۰۸	مطلقہ عورتوں کو اپنی مرضی کی شادی کرنے سے بلا عذر شرعی روکنا حرام ہے	۱۹۱
۳۰۹	جوازِ نکاح کی شرط	۱۹۲
۳۱۰	عاقلہ، بالغہ عورت کا نکاح اس کی اجازت	۱۹۲
۳۱۱	کے بغیر درست نہیں ——	
۳۱۲	احکاماتِ خداوندی کی حکمتیں	۱۹۲
۳۱۳	مہر تقدیرِ شرعی ہے۔	۱۹۳
۳۱۴	مہر کی ادنیٰ مقدار شرع کی متعیّن کردہ ہے	۱۹۴
۳۱۵	مہر کا وجوب اور اسمیں زیادتی کا بیان	۱۹۴
۳۱۶	مہر کی نقد ادائیگی مسنون ہے	۱۹۵
۳۱۷	متعہ حرام ہے	۱۹۵
۳۱۸	مہر کے احکام	۱۹۶
۳۱۹	لفظ مَس کی تحقیق	۱۹۷
۳۲۰	خلوۃِ صحیحہ وطی کے حکم میں ہے	۱۹۷
۳۲۱	متعہ کا وجوب	۱۹۷
۳۲۲	متعہ خاوند کے حال کے مطابق ہوگا۔	۱۹۸
۳۲۳	نصف مہر کا وجوب	۱۹۸
۳۲۴	مہر کی معافی کا اختیار	۱۹۸
۳۲۵	مہر میں معافی تقویٰ کے زیادہ قریب ہے	۱۹۸
۳۲۶	زوجین میں سے ہر ایک کو دوسرے کے	۱۹۹
۳۲۷	ساتھ مہربانی کرنے کا حکم۔	
۳۲۸	شوہر کی طرف سے مہر کی ادائیگی اور عورت کا معاف کرنا۔	۱۹۹
۳۲۹	شوہر کو مہر کی ادائیگی کا حکم۔	۱۹۹
۳۳۰	عورتوں کی طرف سے مہر کی معافی	۲۰۰
۳۳۱	لفظ صدقات کی تحقیق	۲۰۰
۳۳۲	بکریوں کے ریوڑہ کی چرواہی مہر بن سکتی ہے۔	۲۰۰
۳۳۳	لڑکی کے نکاح کی خود پیشکش کرنا انبیاء کی سنت ہے	۲۰۱
۳۳۴	بکریوں کا چرانا مہر بن سکتا ہے۔	۲۰۱
۳۳۵	مہر دے کر واپس لینا منع ہے۔	۲۰۱
۳۳۶	زیادہ مہر مقرر کرنا جائز ہے	۲۰۲

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
۳۳۷	کتابیہ کیساتھ نکاح جائز ہے خواہ کنیز ہو یا آزاد —	۲۰۲
۳۳۸	نکاح کے معنی میں معتزلہ کا استدلال اور اس کا جواب	۲۰۳
۳۳۹	نکاح کا لغوی معنی	۲۰۳
۳۴۰	آزاد عورت سے نکاح کی طاقت نہ ہو تو کنیز کیساتھ مولیٰ کی اجازت سے نکاح کر سکتا ہے	۲۰۴
۳۴۱	آزاد عورت سے نکاح پر عدمِ قدرت کے وقت باندی سے نکاح کرنا جائز ہے۔	۲۰۴
۳۴۲	مملوکہ باندیوں سے نکاح حلال ہے	۲۰۴
۳۴۳	جن عورتوں سے نکاح کرنا جائز ہے	۲۰۵
۳۴۴	باندیوں سے جوازِ نکاح کے لئے اُن کے مالکوں کی اجازت ضروری ہے	۲۰۵
۳۴۵	نکاح کے لئے پاکدامن باندیاں تلاش کرنا۔	۲۰۵
۳۴۶	لفظ ھبہ سے نکاح کا انعقاد	۲۰۶
۳۴۷	نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے چار سے زیادہ بیویوں کی حلت	۲۰۶
۳۴۸	خلاصہ	۲۰۷
۳۴۹	دخول سے قبل طلاق دینے میں مہر واجب نہیں	۲۰۷
۳۵۰	مملوکہ کنیزوں کا حلال ہونا	۲۰۸
۳۵۱	چچا، پھوپھی، ماموں اور خالہ کی لڑکیوں سے نکاح حلال ہے۔	۲۰۸

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
۳۵۲	لفظ ھبہ سے نکاح کا انعقاد	۲۰۹
۳۵۳	کتابیات سے نکاح کا حکم	۲۰۹
۳۵۴	کتابیات سے نکاح کا ثبوت	۲۰۹
۳۵۵	مؤمنین و مؤمنات کا مشرکین و مشرکات کے ساتھ نکاح کرنا حرام ہے۔	۲۱۰
۳۵۶	زانی مرد کا پاکدامن عورت سے اور زانیہ عورت کا پاک مرد سے نکاح حرام ہے۔	۲۱۰
۳۵۷	شانِ نزول	۲۱۱
۳۵۸	بدکار مرد بدکار عورت یا مشرکہ سے نکاح کرتا ہے	۲۱۱
۳۵۹	مردوں کی عورتوں پر فضیلت۔	۲۱۱
۳۶۰	شانِ نزول	۲۱۳
۳۶۱	صالح بیوی	۲۱۳
۳۶۲	نافرمان بیوی اور اُس کی اصلاح کا طریقہ	۲۱۳
۳۶۳	عورتوں کے اطاعت اختیار کرنے پر اُن سے درگذر کا معاملہ	۲۱۴
۳۶۴	خاوند و بیوی کے درمیان مصالحت کا طریقہ	۲۱۴
۳۶۵	عزل کا حکم	۲۱۵
۳۶۶	**کتاب الرضاعت**	۲۱۵
۳۶۷	رضاعت کے احکام	۲۱۵
۳۶۸	خلاصہ	۲۱۶

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
۳۶۹	دودھ پلانے کی مدت	۲۱۶
۳۷۰	دلیل امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ	۲۱۷
۳۷۱	صاحبین کی دلیل کا جواب	۲۱۷
۳۷۲	مرضعہ کا نان نفقہ و دیگر ضروریات باپ کے ذمہ ہیں۔	۲۱۸
۳۷۳	زوجہ کا نفقہ شوہر کی حیثیت کے مناسب واجب ہے	۲۱۸
۳۷۴	ماں کو دودھ پلانے اور نہ پلانے پر مجبور کرنے کی تفصیل	۲۱۹
۳۷۵	یتیم بچے کو دودھ پلانے کی ذمہ داری کس پر ہے۔	۲۱۹
۳۷۶	دودھ چھڑانے کے احکام	۲۱۹
۳۷۷	ماں کے علاوہ کسی اور عورت سے دودھ پلوانا بھی جائز ہے	۲۲۰
۳۷۸	بچے کے معاملہ میں اللہ سے ڈرنا چاہیئے۔	۲۲۰
۳۷۹	دودھ پلانے کی مدت	۲۲۰
۳۸۰	دودھ پلانے کی مدت ڈھائی سال ہے	۲۲۱
۳۸۱	اجرت پر دودھ پلانا	۲۲۱
۳۸۲	مطلقہ کیلئے اپنے بچے کو دودھ پلانے کا معاوضہ لینا جائز ہے۔	۲۲۲
۳۸۳	منکوحہ عورت کیلئے اپنے بچے کو دودھ پلانے کی اجرت لینا جائز نہیں	۲۲۲
۳۸۴	دودھ پلانے کی اجرت باہمی مشورہ سے طے کرنا چاہیئے۔	۲۲۲
۳۸۵	اجنبیہ عورت سے دودھ پلوانے کا حکم	۲۲۳
۳۸۶	**کتاب الطلاق**	۲۲۴
۳۸۷	طلاق رجعی کا بیان	۲۲۵
۳۸۸	خلاصۂ تفسیر	۲۲۶
۳۸۹	طلاق کے متعلق مذاہب کی تفصیل اور اس کے احکام	۲۲۶
۳۹۰	طلاقِ مغلظہ کا بیان	۲۲۸
۳۹۱	طلاق رجعی میں رجوع کرنے کا بیان	۲۲۸
۳۹۲	بار بار رجوع کرکے عدت کو لمبا کرنے کی ممانعت	۲۲۹
۳۹۳	اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ استہزاء کی ممانعت	۲۲۹
۳۹۴	طلاق کے احکام	۲۳۰
۳۹۵	طلاق رجعی اور مطلقہ کی عدت	۲۳۰
۳۹۶	لفظ قروء کی تحقیق	۲۳۱
۳۹۷	رجعت کا بیان	۲۳۲
۳۹۸	رجوع کرنے میں خاوند زیادہ حقدار ہے	۲۳۲
۳۹۹	رجوع کرنا اصلاح کے لئے ہو۔	۲۳۲
۴۰۰	خاوند اور بیوی کے حقوق	۲۳۳
۴۰۱	ایلاء کے احکام	۲۳۴
۴۰۲	آیت کا شانِ نزول	۲۳۴
۴۰۳	ایلاء کے الفاظ	۲۳۴
۴۰۴	ایلاء کی مدت	۲۳۵
۴۰۵	اجنبیہ عورت سے ایلاء جائز نہیں	۲۳۵
۴۰۶	ایلاء و ظہار کا حکم	۲۳۵

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
۴۰۷	ایلاء کا حکم	۲۲۵
۴۰۸	خُلع کا بیان	۲۲۶
۴۰۹	ظہار کے احکام	۲۲۸
۴۱۰	آیات کا سببِ نزول	۲۲۸
۴۱۱	ظہار کی تعریف اور اس کا شرعی حکم	۲۴۰
۴۱۲	ظہار سے بیوی، ماں نہیں بنتی	۲۴۰
۴۱۳	بیوی سے ظہار کرنا ناجائز اور گناہ ہے	۲۴۰
۴۱۴	ظہار کے بعد بیوی کی حلت کیلئے کفارہ ضروری ہے	۲۴۱
۴۱۵	کفّارۂ ظہار	۲۴۱
۴۱۶	ظہار اور مُتبنیٰ کا حکم	۲۴۲
۴۱۷	شانِ نزول	۲۴۲
۴۱۸	بیوی کو ماں کہہ کر ظہار کرنے سے وہ حقیقی ماں نہیں بنتی	۲۴۳
۴۱۹	مُنہ بولا بیٹا، حقیقی بیٹا نہیں بنتا۔	۲۴۳
۴۲۰	لعان کا بیان	۲۴۴
۴۲۱	لعان کا لغوی معنی	۲۴۴
۴۲۲	لعان کا شرعی معنی	۲۴۴
۴۲۳	مُتعہ کا حکم	۲۴۶
۴۲۴	مُتعہ حرام ہے	۲۴۶
۴۲۵	عدّت کے احکام	۲۴۷
۴۲۶	مطلقہ غیر مدخولہ بہا پر عدّت واجب نہیں	۲۴۷
۴۲۷	لفظ مَس کی مُراد	۲۴۷

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
۴۲۸	بیوہ کی عدت کا بیان	۲۴۸
۴۲۹	جس عورت کا خاوند انتقال کر جائے اس کی عدت	۲۴۸
۴۳۰	دو آیتوں میں تطبیق	۲۴۸
۴۳۱	معتدہ کے خرچہ اور اس کی رہائش کا بیان	۲۴۹
۴۳۲	بیویوں کیلئے وصیت کا حکم	۲۵۰
۴۳۳	مطلقہ رجعیہ و بائنہ کا دورانِ عدت کا خرچہ شوہر پر لازم ہے	۲۵۱
۴۳۴	دورانِ عدت مطلقہ عورتوں کی رہائش کا انتظام اور اُن کا خرچہ خاوند پر لازم ہے	۲۵۱
۴۳۵	مُطلقہ عورتوں کی رہائش کا انتظام خاوند پر لازم ہے	۲۵۲
۴۳۶	مُطلقہ عورتوں کو عدت میں پریشان کرنا منع ہے	۲۵۲
۴۳۷	حمل والی مُطلقہ عورتوں کا عدت کا خرچہ۔	۲۵۲
۴۳۸	غیر حائضہ عورت کی عدت کا بیان	۲۵۳
۴۳۹	آئسہ کی عدت تین ماہ ہے۔	۲۵۳
۴۴۰	صغیرہ کی عدت	۲۵۴
۴۴۱	حاملہ کی عدت وضع حمل ہے	۲۵۴
۴۴۲	مُعتدہ کو اشارۃً نکاح کا پیغام دینا اور عدّت ختم ہونے سے پہلے نکاح کا بیان	۲۵۴
۴۴۳	آیت کا مفہوم	۲۵۵
۴۴۴	لفظ خطبہ کی تحقیق	۲۵۵
۴۴۵	کنایہ اور تعریض میں فرق	۲۵۵
۴۴۶	معتدہ سے پیغام نکاح کی تعریض کرنا۔	۲۵۵

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
۴۴۷	دورانِ عدت نکاح کا پختہ عزم کرنا منع ہے	۲۵۶
۴۴۸	طلاقِ بدعی اور مطلقہ عورت کے شوہر کے گھر سے نہ نکلنے کا بیان	۲۵۶
۴۴۹	شانِ نزول	۲۵۷
۴۵۰	طلاق طُہر میں مشروع ہے	۲۵۸
۴۵۱	عِدّت کے متعلق ائمہ کے مذاہب	۲۵۸
۴۵۲	ایامِ عدت کے شمار کا اہتمام	۲۵۸
۴۵۳	معتدہ مُطلقہ کو خاوند کے گھر سے نکلنا جائز نہیں	۲۵۹
۴۵۴	معتدہ مطلقہ کو بےحیائی کی صورت میں خاوند کے گھر سے نکالنا جائز ہے	۲۵۹
۴۵۵	اچھے طریقہ سے رکھنا یا اچھے طریقہ سے چھوڑنا	۲۶۰
۴۵۶	طریقِ معروف کی وضاحت	۲۶۰
۴۵۷	گواہ بنانا	۲۶۱
۴۵۸	گواہ کا عادل ہونا	۲۶۱
۴۵۹	سچی گواہی دینا	۲۶۱
۴۶۰	جن عورتوں کو اپنے نفس کے اختیار کرنے کا حکم دیا جائے اور وہ اپنے شوہر کو اختیار کر لیں تو طلاق نہیں ہو گی۔	
۴۶۱	شانِ نزول	۲۶۲
۴۶۲	اُولاد کا نسب باپ کی طرف سے ہوتا ہے	۲۶۳
۴۶۳	غلامی کا بیان	۲۶۵
۴۶۴	خلاصہ	۲۶۵

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
۴۶۵	مملوک بے اختیار ہے۔	۲۶۵
۴۶۶	فوائد قیود	۲۶۶
۴۶۷	کتاب الایمان	۲۶۷
۴۶۸	قَسم کے احکام	۲۶۸
۴۶۹	گناہ پر اور کثرت سے قَسم نہ کھانے کا حکم	۲۶۸
۴۷۰	قَسم کے اقسام اور کفارہ کا بیان	۲۶۹
۴۷۱	قَسم کی تین قسمیں ہیں۔	۲۶۹
۴۷۲	یمینِ لغو	۲۶۹
۴۷۳	یمینِ غموس	۲۷۰
۴۷۴	یمینِ مُنعقدہ	۲۷۰
۴۷۵	کفارہ صرف یمینِ مُنعقدہ پر ہے	۲۷۰
۴۷۶	قَسم کا کفارہ	۲۷۰
۴۷۷	کفارہ کا کھانا درمیانہ قسم کا ہونا چاہیئے۔	۲۷۱
۴۷۸	خُلاصہ	۲۷۱
۴۷۹	حلال کو حرام کرنے کی مُمانعت	۲۷۱
۴۸۰	واقعۂ نزول	۲۷۱
۴۸۱	حلال کو حرام کرنا قَسم ہے	۲۷۲
۴۸۲	قَسم سے بَری ہونے کا طریقہ	۲۷۲
۴۸۳	کتاب الحدود	۲۷۳
۴۸۴	حدود کے احکام	۲۷۴

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
۴۸۵	قصاص کے لفظی معنی	۲۷۴
۴۸۶	قصاص کی مشروعیت	۲۷۵
۴۸۷	بدلے میں برابری	۲۷۵
۴۸۸	قصاص کی معافی	۲۷۵
۴۸۹	اُمت محمدیہ پر اللہ تعالیٰ کا احسان	۲۷۵
۴۹۰	حد سے تجاوز کرنے والے کیلئے دردناک عذاب ہے	۲۷۶
۴۹۱	قصاص، زندگی کا سبب ہے	۲۷۶
۴۹۲	گناہ کبیرہ کا مرتکب ایمان سے خارج نہیں ہوتا	۲۷۶
۴۹۳	احناف وشوافع کے مابین مشہور اختلاف	۲۷۷
۴۹۴	مؤمن کو عمداً قتل کرنے کی جزاء	۲۷۸
۴۹۵	قتلِ عمد کی جزاء	۲۷۸
۴۹۶	قیدِ خلود کی توضیح	۲۷۹
۴۹۷	قتلِ خطاء میں وجوبِ کفارہ اور اس کی دیت کا بیان	۲۷۹
۴۹۸	قتل کے اقسام اُن کی تفاصیل	۲۸۰
۴۹۹	شانِ نزول	۲۸۰
۵۰۰	وجوبِ کفارہ و دیت کا بیان	۲۸۱
۵۰۱	دیت، مقتول کے ورثاء کا حق ہے	۲۸۱
۵۰۲	رقبہ میں قید ایمان کا فائدہ	۲۸۱
۵۰۳	دیت کی تفصیل	۲۸۲
۵۰۴	مسلمان مقتول، دشمن قوم کا فرد ہو۔	۲۸۲
۵۰۵	حربی کی دیت۔	۲۸۲
۵۰۶	غیر مسلم ذمی کی دیت	۲۸۳
۵۰۷	اگر غلام آزاد نہ کرسکتا ہو تو دو ماہ کے روزے رکھے	۲۸۳
۵۰۸	دو ماہ کے روزے مسلسل رکھنا ضروری ہیں۔	۲۸۳
۵۰۹	وَلی کے لئے قصاص دیت کی مشروعیت	۲۸۳
۵۱۰	قتل کی حرمت	۲۸۴
۵۱۱	قصاص یا دیت، ولی کا حق ہے۔	۲۸۴
۵۱۲	قتل میں حد سے تجاوز کی ممانعت	۲۸۴
۵۱۳	زناء کی حد	۲۸۵
۵۱۴	زناء کی سزا	۲۸۵
۵۱۵	زانیہ اور زانی سے مراد غیر شادی شدہ ہیں	۲۸۵
۵۱۶	زانی کی سزا میں شفقت منع ہے۔	۲۸۶
۵۱۷	سزا دیتے وقت مؤمنین کی جماعت موجود ہو	۲۸۶
۵۱۸	زناء میں دُنیاوی سزا ہی کافی ہے۔	۲۸۶
۵۱۹	زناء کی حدودِ منسوخہ کا بیان	۲۸۶
۵۲۰	زناء کے ثبوت کے لئے چار گواہ شرط ہیں۔	۲۸۷
۵۲۱	توبہ کی صورت میں عدمِ تعرض کا حکم	۲۸۷
۵۲۲	کنیز کے ساتھ زنا کرنے کی حد	۲۸۸
۵۲۳	کنیز کی حد، آزاد عورت کی حد سے آدھی ہے۔	۲۸۹
۵۲۴	حدِ قذف، تہمتِ زنا کی سزا	۲۸۹
۵۲۵	حدِ قذف	۲۸۹
۵۲۶	تہمت لگانے والے کی گواہی قبول نہیں۔	۲۹۰
۵۲۷	چوری کی سزا	۲۹۰

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
۵۲۸	چوری کی تعریف	۲۹۰
۵۲۹	چوری کی سزا	۲۹۱
۵۳۰	ڈاکو کی سزا کے احکام	۲۹۱
۵۳۱	شرعی سزاؤں کی اقسام	۲۹۲
۵۳۲	آیت کا شانِ نزول	۲۹۳
۵۳۳	راہزنوں و ڈاکوؤں کی سزا	۲۹۳
۵۳۴	جلاوطنی کا مفہوم	۲۹۴
۵۳۵	اُخروی مُعافی کیلئے توبہ ضروری ہے	۲۹۴
۵۳۶	ڈاکو کی حد، گرفت سے پہلے توبہ کرنے سے ساقط ہوجائے گی۔	۲۹۵
۵۳۷	کِتابُ القِتال	۲۹۶
۵۳۸	جہاد وقتال کے احکام	۲۹۷
۵۳۹	شانِ نزول	۲۹۷
۵۴۰	قتال کا حُکم	۲۹۸
۵۴۱	معذوروں سے قتال منع ہے	۲۹۸
۵۴۲	کُفّار کو ہر جگہ مارنے اور گھروں سے نکالنے کا حُکم	۲۹۹
۵۴۳	شرک، قتل سے زیادہ سخت ہے	۲۹۹
۵۴۴	حرم میں قتال کے جواز کی صُورت	۲۹۹
۵۴۵	جہاد کے لئے نکلنا	۲۹۹
۵۴۶	دشمن سے بچاؤ کی تیاری کرنے کا حُکم	۳۰۰
۵۴۷	جنگ کی تیاری اور حتی الوسع سامانِ جنگ	۳۰۰
۵۴۸	جنگ کی تیاری اور حتی الوسع سامانِ جنگ تیار رکھنا اور مُعاہدۂ صُلح	۳۰۱
۵۴۹	جہاد کیلئے اسلحہ اور سامانِ حرب کی تیاری فرض ہے	۳۰۱
۵۵۰	جنگ کے سامان کا بیان	۳۰۱
۵۵۱	سامان جنگ میں گھوڑوں کی خصوصیت	۳۰۱
۵۵۲	سامانِ جنگ کی تیاری میں مال خرچ کرنے پر اَجر کا وعدہ	۳۰۲
۵۵۳	جنگ سے صُلح	۳۰۲
۵۵۴	اگر کُفّار مُسلمانوں سے دوچند ہوں تب بھی ان سے جنگ واجب ہے	۳۰۳
۵۵۵	جنگ کی ترغیب دینے کا حُکم۔	۳۰۳
۵۵۶	سابقہ حُکم میں تخفیف	۳۰۴
۵۵۷	لڑائی ختم ہونے کے بعد پہنچنے والا امدادی لشکر بھی لڑنے والے لشکر کے ساتھ مالِ غنیمت میں برابر کا شریک ہے	۳۰۴
۵۵۸	جنگ کے آخر میں پہنچنے والا بھی غنیمت میں برابر کا شریک ہے	۳۰۵
۵۵۹	مریضوں، معذوروں اور کمزوروں پر جنگ فرض نہیں۔	۳۰۵
۵۶۰	ضعیفوں پر جنگ فرض نہیں۔	۳۰۵
۵۶۱	معذوروں پر جنگ فرض نہیں۔	۳۰۶
۵۶۲	نابینا، لنگڑے اور بیمار پر جنگ کرنا واجب نہیں	۳۰۶

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
۵۶۳	قیدیوں کے احکام	۳۰۶
۵۶۴	شانِ نزول	۳۰۷
۵۶۵	دشمن کی قوت کو توڑنے کا حکم	〃
۵۶۶	مالِ غنیمت حلال ہے	〃
۵۶۷	مُشرکین کا پناہ طلب کرنا	۳۰۸
۵۶۸	مُستامن کو امن دینا	〃
۵۶۹	باغی کو قتل کرنا واجب ہے	〃
۵۷۰	باغیوں سے قتال کا حکم	۳۰۹
۵۷۱	تمام مُشرکین کو اُن کے توبہ کرنے تک قتل کرنا واجب ہے	〃
۵۷۲	تائب ہونے تک تمام مُشرکین کو قتل کرنے کا حکم	۳۱۰
۵۷۳	جہاد کے احکام	〃
۵۷۴	جہاد اور دینی تعلیم فرضِ کفایہ ہیں۔	〃
۵۷۵	تمام مسلمانوں پر قتال فرض ہے	۳۲۱
۵۷۶	قتال کے لئے اذنِ عام	〃
۵۷۷	اگر کوئی شخص کلمۂ شہادت پڑھ لے تو اُسے قتل کرنا حرام ہے	۳۱۱
۵۷۸	واقعہ کی تحقیق کے بغیر فیصلہ کرنا جائز نہیں	۳۱۲
۵۷۹	اسلام کا اظہار جان محفوظ ہونے کیلئے کافی ہے	〃
۵۸۰	میدانِ جنگ سے بھاگنا گناہ ہے۔ لڑائی میں دشمن کو دھوکہ دینا جائز ہے	۳۱۴
۵۸۱	میدانِ جہاد سے فرار کی ممانعت اور اس پر عذاب کی وعید۔	۳۱۴
۵۸۲	لڑائی میں دشمنوں کو دھوکہ دینا جائز ہے	۳۱۵
۵۸۳	غدر اور خدع میں فرق	۳۱۵
۵۸۴	قوت حاصل کرنے کے لئے میدان سے پھرنا جائز ہے۔	۳۱۵
۵۸۶	شُہداء زندہ ہیں اُن کو اُن کے رَب کے پاس رزق مِلتا ہے۔	۳۱۶
۵۸۷	شُہداء کی دُوسری فضیلت	〃
۵۸۸	شُہداء کی تیسری فضیلت	〃
۵۸۹	شُہداء کی چوتھی فضیلت	۳۱۷
۵۹۰	شُہداء کے فضائل اور قبر میں انعامات کا ثبوت	〃
۵۹۱	شُہداء زندہ ہیں۔	〃
۵۹۲	شُہداء اور انبیاء کی حیات برزخی اور اس کے درجات میں تفاضل	〃
۵۹۳	حضرت تھانوی نوّر اللہ مرقدہٗ کی تحقیق	۳۱۸
۵۹۴	**کِتابُ البیُوع**	۳۱۹
۵۹۶	خرید و فروخت کے احکام	۳۲۰
۵۹۷	بیع سَلم اور اس کی تحریر	۳۲۰
۵۹۸	بیع سَلم کی تعریف	۳۲۱
۵۹۹	دَین اور قرض میں فرق	۳۲۱

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
٥٦٣	اُدھار کے مُعاملہ میں وقت کی تعیین ضروری ہے	٣٢١
٥٦٤	لکھنے والا عادل ہو۔	٣٢٢
٥٦٥	کاتب لکھنے سے انکار نہ کرے۔	//
٥٦٦	دستاویز کا لکھوانا مدیون کے ذمّہ ہے	//
٥٦٧	دستاویز کے لکھوانے میں خوفِ خُدا	٣٢٣
٥٦٨	دستاویز ولی لکھے	//
٥٦٩	مُعاملات میں تحریر واجب ہے	٣٢٤
٥٧٠	کپڑوں میں بیع سلم جائز ہے	//
٥٧١	مُعاملہ کی تحریر قرینِ انصاف ہے	٣٢٥
٥٧٢	اگر سودا نقد ہو تو پھر نہ لکھنے میں کچھ حرج نہیں	٣٢٥
٥٧٣	مطلق بیع کے وقت گواہ بنانے کا حُکم	//
٥٧٤	آزاد شخص کو فروخت کرنا باطل ہے	٣٢٦
٥٧٥	یُوسف علیہ السّلام کی فروخت کا مختصر واقعہ	//
٥٧٦	آزاد آدمی کو بیچنا باطل ہے	//
٥٧٧	اشیائے خوردنی کا ماپ کرکے فروخت کرنا جائز ہے	٣٢٧
٥٧٨	اشیائے خوردنی کا سامان یا دراہم کے عوض بیچنا جائز ہے	
٥٧٩	اصل قیمت سے کم میں فروخت کرنا جائز ہے	//
٥٨٠	مکّہ کے مکانوں کی خرید و فروخت جائز نہیں	٣٢٨
٥٨١	مکّہ مکرمہ کی زمین کا کرایہ پر دینا یا بیچنا جائز ہے	//

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
٥٨٢	نمازِ جُمعہ کا اہتمام اور خرید و فروخت کی حرمت	٣٢٨
٥٨٣	نمازِ جُمعہ کے اہتمام کا حُکم	٣٢٩
٥٨٤	نمازِ جُمعہ کی اذان کے بعد خرید و فروخت حرام ہے	٣٣٠
٥٨٦	نمازِ جُمعہ سے فراغت کے بعد تجارت کرنا جائز ہے	//
٥٨٧	تجارتی اُمور میں مشغولیت کے وقت بھی یادِ الٰہی کا حکم	//
٥٨٨	نمازِ جُمعہ چھوڑ کر تجارت میں مشغول ہونے پر وعید	//
٥٨٩	**باب حُرمتہ الربوٰا**	٣٣٢
٥٩٠	سُود کی حُرمت اور اُس کا عذاب	٣٣٣
٥٩١	قیامت کے دن سُود خوروں کی بدحالی کا ذکر	//
٥٩٢	بیع حلال اور سُود حرام ہے	٣٣٤
٥٩٣	سُود خواری سے توبہ کا حُکم	//
٥٩٤	سُودی قرض میں تنگ دست کو معاف کرنا یا قرض کی ادائیگی میں مہلت دینا۔	٣٣٥
٥٩٥	شانِ نزول	//
٥٩٦	سُود کے بارے میں اللہ سے ڈرنے کا حکم	٣٣٦
٥٩٧	بقیہ سُود کو چھوڑنے کا حکم	//
٥٩٨	سُود کے نہ چھوڑنے پر شدید وعید	٣٣٧
٥٩٩	توبہ کی صورت میں راس المال ملنے کا حکم	//
٦٠٠	تنگدست مدیون کو فراخی تک مہلت دینے کا حکم	//
٦٠١	سُود حرام ہے، گُناہِ کبیرہ کا مرتکب ایمان سے خارج نہیں ہوتا، گناہ مومن کیلئے مُضر ہے	٣٣٨

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
۶۰۲	سود خواری کی ممانعت	۲۳۸
۶۰۳	رھن کا بیان	۲۳۸
۶۰۴	رہن کا حکم	۲۳۹
۶۰۵	رہن میں قبض شرط ہے	۲۳۹
۶۰۶	امانت کی ادائیگی کا حکم	۲۴۰
۶۰۷	شہادت کو چھپانا منع ہے	۲۴۰
۶۰۸	قاضی کا جھوٹی گواہی پر فیصلہ کرنا امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک ظاہراً و باطناً نافذ ہوگا دیگر ائمہ کے نزدیک ظاہراً تو نافذ ہوگا باطناً نہیں ہوگا	۲۴۱
۶۰۹	قاضی کا جھوٹی گواہی پر فیصلہ ظاہراً و باطناً نافذ ہوگا	۲۴۱
۶۱۰	کفالہ کے احکام	۲۴۲
۶۱۱	ضمانت کے لئے شرط لگانا جائز ہے	۲۴۲
۶۱۲	گواھی کے احکام	۲۴۲
۶۱۳	عقدِ دین کے وقت گواہ بنانا	۲۴۳
۶۱۴	گواہی کیلئے دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کا ہونا ضروری ہے	۲۴۳
۶۱۵	گواہوں کا عادل ہونا شرط ہے۔	۲۴۳
۶۱۶	گواہی کی شرط	۲۴۳
۶۱۷	گواہوں کیلئے گواہی کا یاد ہونا ضروری ہے	۲۴۴
۶۱۸	گواہی دینے سے بلا عذرِ شرعی انکار کرنا گناہ ہے	۲۴۴
۶۱۹	معاملہ خواہ چھوٹا ہو یا بڑا اس کا لکھنا ضروری ہے	۲۴۴
۶۲۰	لکھنے والے یا گواہی دینے والے کو نقصان پہنچانا منع ہے	۲۴۵
۶۲۱	گواہی کے لئے علم شرط ہے۔	۲۴۵
۶۲۲	گواہی کیلئے علم ضروری ہے۔	۲۴۵
۶۲۳	لفظ اشہد یمین کے الفاظ میں سے ہے	۲۴۶
۶۲۴	اشہد یمین کا لفظ ہے۔	۲۴۶
۶۲۵	گواہی ٹھیک ٹھیک دینا چاہیئے، ماں باپ اور دیگر رشتہ داروں کیخلاف گواہی دینا جائز ہے، گواہی چھپانا حرام ہے۔	۲۴۶
۶۲۶	ٹھیک ٹھیک گواہی دینے کا حکم	۲۴۷
۶۲۷	ماں باپ و دیگر رشتہ داروں کیخلاف گواہی دینا جائز ہے	۲۴۷
۶۲۸	گواہی دعویٰ گواہوں سے قسم لینا، مدعی مدعیٰ علیہ	۲۴۷
۶۲۹	امانت کے احکام	۲۵۰
۶۳۰	امانت میں خیانت کرنا منع ہے۔	۲۵۰
۶۳۱	شانِ نزول	۲۵۰
۶۳۲	غصب کے احکام	۲۵۱
۶۳۳	مثلی چیز کے غصب کرنے کے بعد ہلاک ہونے پر اس کی مثل کا واپس کرنا واجب ہے	۲۵۲
۶۳۴	ذبح کے احکام	۲۵۴
۶۳۵	ذبح کے وقت اللہ کا نام لینا ضروری ہے	۲۵۵
۶۳۶	مکرہ اور مضطر کیلئے حرام کھانا جائز ہے	۲۵۵

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
۶۳۷	شانِ نزول	۳۵۵
۶۳۸	مُردار جانور یا جس جانور پر بوقتِ ذبح غیرُ اللہ کا نام لیا گیا ہو حرام ہے۔	۳۵۶
۶۳۹	مُسلمان و اہلِ کتاب کے ذبیحہ کا حُکم	۳۵۶
۶۴۰	مفہومِ آیت	۳۵۷
۶۴۱	مُسلم و کتابی کا ذبیحہ حلال ہے۔	۳۵۷
۶۴۲	**کتابُ المحرّمات**	۳۵۸
۶۴۳	حرام چیزوں کے احکام	۳۵۹
۶۴۴	حلال و پاکیزہ چیزوں کے کھانے کا حُکم	۳۵۹
۶۴۵	مَیتہ حرام ہے۔	۳۶۰
۶۴۶	خُون حرام ہے	۳۶۰
۶۴۷	خنزیر حرام ہے	۳۶۰
۶۴۸	غیرُ اللہ کے نامزد کی گئی چیزیں حرام ہیں	۳۶۱
۶۴۹	حالتِ اضطرار میں مذکورہ چیزوں کی حلّت	۳۶۲
۶۵۰	مضطرِ شرعی کی تعریف	۳۶۲
۶۵۱	مُیتہ کی حُرمت	۳۶۳
۶۵۲	خُون کی حُرمت	۳۶۳
۶۵۳	خنزیر کا گوشت حرام ہے	۳۶۳
۶۵۴	غیرُ اللہ کے نامزد کردہ جانوروں کی حُرمت	۳۶۳
۶۵۵	مُنخنقہ کی حُرمت	۳۶۳
۶۵۶	موقوذہ کی حُرمت	۳۶۳
۶۵۷	متردیہ کی حُرمت	۳۶۴
۶۵۸	نطیحہ کی حُرمت	۳۶۴
۶۵۹	درندے کے کھائے ہُوئے جانور کی حُرمت	۳۶۴
۶۶۰	ذبح کیا ہُوا جانور حلال ہے	۳۶۴
۶۶۱	تھانوں پر ذبح کئے گئے جانوروں کی حُرمت	۳۶۴
۶۶۲	جُوئے کے تیروں سے فال نکالنے کی حُرمت	۳۶۵
۶۶۳	ماکولات میں بعض محللات اور بعض محرمات کا بیان	۳۶۵
۶۶۴	خُلاصہ	۳۶۶
۶۶۵	ماکول جانوروں کے کھانے کی اجازت	۳۶۶
۶۶۶	حرام جانوروں کے استعمال کا حُکم	۳۶۷
۶۶۷	ماکولات میں سے محرمات کی حُرمت	۳۶۷
۶۶۸	بعض اشیاء جو ہمارے لئے حلال ہیں وہ پہلے یہود پر حلال تھیں بعد میں حرام ہو گئیں	۳۶۷
۶۶۹	مفہومِ آیت	۳۶۸
۶۷۰	یہود پر حرام کردہ اشیاء کا بیان	۳۶۸
۶۷۱	یہود پر ناخن والے جانوروں کی حُرمت	۳۶۹
۶۷۲	یہود پر گائے و بکری کی چربی کی حُرمت	۳۶۹
۶۷۳	مُردہ جنین کی حُرمت	۳۶۹
۶۷۴	جانور کے پیٹ سے نکلا ہُوا مُردہ بچہ حرام ہے	۳۷۰
۶۷۵	پاکیزہ چیزوں کی حلّت اور ناپاک چیزوں کی حُرمت	۳۷۰
۶۷۶	اُمّتِ محمدیہ کے لئے پاکیزہ چیزیں حلال اور گندی چیزیں حرام ہیں۔	۳۷۱

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
۶۷۷	اُمتِ محمدیہ پر بعض احکام میں تخفیف	۳۷۱
۶۷۸	**قربانی کے احکام**	۳۷۲
۶۷۹	سببِ نزول	۳۷۲
۶۸۰	قربانی کا وجوب	۳۷۳
۶۸۱	نمازِ عید سے پہلے قربانی کرنا منع ہے	۳۷۳
۶۸۲	نمازِ عید سے پہلے قربانی کرنا ناجائز ہے۔	۳۷۳
۶۸۳	**کتابُ الفرائض**	۳۷۴
۶۸۴	میراث کے احکام	۳۷۵
۶۸۵	شانِ نزول	۳۷۵
۶۸۶	استحقاقِ میراث کا ضابطہ	۳۷۶
۶۸۷	متوفیٰ کی ملکیت میں جو کچھ ہو وہ سب ورثاء کا حق ہے	۳۷۶
۶۸۸	میراث کے مقررہ حصے اللہ تعالیٰ کی طرف سے طے شدہ ہیں	۳۷۷
۶۸۹	ترکہ میں غیر وارث یتامیٰ و مساکین کا حق	۳۷۷
۶۹۰	دُور کے رشتہ دار یتامیٰ اور مساکین کا حق	۳۷۸
۶۹۱	رشتہ داروں کو معقول طریقہ سے سمجھانے کا حکم	۳۷۸
۶۹۲	میراث میں مختلف رشتہ داروں کے حصے	۳۷۸
۶۹۳	والدین کے ترکہ میں اولاد کا حصہ	۳۷۹
۶۹۴	لڑکیوں کو میراث سے حصہ دینے کی اہمیت	۳۸۰
۶۹۵	لڑکیوں کے حصہ کی تشریح	۳۸۰

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
۶۹۶	میت کی صرف ایک لڑکی ہو تو میراث میں اس کا حصہ	۳۸۰
۶۹۷	میراث میں والد کا حصہ	۳۸۱
۶۹۸	میراث میں شوہر اور بیوی کا حصہ کلالہ اور بہن بھائی کی میراث	۳۸۲
۶۹۹	میاں بیوی کا حصہ	۳۸۳
۷۰۰	کلالہ کی تحقیق	۳۸۴
۷۰۱	کلالہ کی میراث	۳۸۴
۷۰۲	وصیت یا دَین کے ذریعہ وارثوں کو نقصان پہنچانا جائز نہیں	۳۸۵
۷۰۳	مقررہ حصوں کے مطابق تقسیم کی تاکید	۳۸۵
۷۰۴	اُولوالارحام میراث کے مستحق ہیں۔	۳۸۵
۷۰۵	میراث، رشتہ داروں کا حق ہے	۳۸۶
۷۰۶	**کتابُ الوصایا**	۳۸۷
۷۰۷	وصیت کا مفہوم	۳۸۸
۷۰۸	شانِ نزول	۳۸۸
۷۰۹	وصیت کرنے کا حکم	۳۸۹
۷۱۰	ورثاء غنی ہوں تو اجانب کیلئے ثلث مال سے کم وصیت مستحب ہے	۳۸۹
۷۱۱	وصیت کو بدلنے کا گناہ بدلنے والے پر ہے	۳۸۹
۷۱۲	غلط وصیت کی صورت میں اصلاح کا حکم	۳۹۰

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
۷۱۳	ذمی کیلئے وصیت جائز اور حربی کیلئے ناجائز ہے	۳۹۰
۷۱۴	ذمی کیساتھ احسان یعنی وصیت کرنا جائز ہے	۳۹۰
۷۱۵	حربی کے حق میں وصیت جائز نہیں.	۳۹۱
۷۱۶	حقوق کا بیان	۳۹۱
۷۱۷	والدین کے ساتھ حسن سلوک	۳۹۲
۷۱۸	قرابت داروں کیساتھ حسن سلوک کی تاکید	۳۹۲
۷۱۹	یتیم اور مسکین کا حق	۳۹۳
۷۲۰	پڑوسیوں کے حقوق	۳۹۳
۷۲۱	ہمنشین کا حق	۳۹۳
۷۲۲	مسافر کا حق	۳۹۴
۷۲۳	غلام اور کنیزوں کے حقوق	۳۹۴
۷۲۴	حقوق میں کوتاہی کرنے والوں کی مذمت	۳۹۴
۷۲۵	یتیموں کی اصلاح کے احکام	۳۹۴
۷۲۶	شان نزول	۳۹۵
۷۲۷	اولیاء پر یتیموں کے مال کی حفاظت لازم ہے	۳۹۵
۷۲۸	**لواطت کا حکم**	۳۹۶
۷۲۹	لواطت حرام ہے	۳۹۶
۷۳۰	وباء اور طاعون سے فرار منع ہے	۳۹۶
۷۳۱	جس بستی میں کوئی وبا طاعون وغیرہ ہو تو اس میں جانا، یا وہاں سے بھاگنا دونوں ناجائز ہیں	۳۹۷
۷۳۲	جس شہر میں طاعون پھیل جائے اس میں داخل ہونا مناسب نہیں.	۳۹۷
۷۳۴	**مساجد کے احکام**	۳۹۸
۷۳۵	مساجد میں یاد الٰہی سے روکنا منع ہے	۳۹۸
۷۳۶	مساجد گرانا حرام ہے	۳۹۸
۷۳۷	مسجد ضرار اور مسجد تقویٰ کا بیان	۳۹۹
۷۳۸	باطل اغراض کیلئے مسجد کی تعمیر ناجائز ہے	۳۹۹
۷۳۹	مسجد ضرار	۴۰۰
۷۴۰	مسلمانوں کے درمیان تفریق کی غرض سے مسجد تعمیر کرنا ناجائز ہے	۴۰۱
۷۴۱	اللہ اور رسول کے دشمنوں کو پناہ دینے کیلئے مسجد تعمیر کرنا ناجائز ہے۔	۴۰۱
۷۴۲	خلاصہ	۴۰۱
۷۴۳	تقویٰ کی بنیاد پر قائم ہونیوالی مسجد میں نماز پڑھنا صحیح ہے۔	۴۰۲
۷۴۴	گھر میں مسجد بنانا مستحب ہے۔	۴۰۲
۷۴۵	مسجد میں دنیاوی باتیں کرنے کا حکم۔	۴۰۲
۷۴۶	گھر میں مسجد بنانے کا حکم	۴۰۲
۷۴۷	مسجد میں دنیاوی باتیں کرنا جائز نہیں۔	۴۰۳
۷۴۸	ہجرت کی فرضیت و عدم فرضیت	۴۰۳
۷۴۹	ہجرت کی تعریف	۴۰۳
۷۵۰	ترک ہجرت پر وعید.	۴۰۴

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
۷۵۱	کمزوروں کے ترکِ ہجرت کا استثناء	۴۰۴
۷۵۲	ہجرت کے فضائل	۴۰۴
۷۵۳	ہجرت کی برکات	۴۰۵
۷۵۴	اَمر بالمعروف و نہی عن المنکر	۴۰۵
۷۵۵	اچھائی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا	۴۰۶
۷۵۶	اَمر بالمعروف و نہی عن المنکر فرضِ کفایہ ہے۔	۴۰۶
۷۵۷	اَمر بالمعروف کی فضیلت	۴۰۶
۷۵۸	اُمتِ محمدیہ کی فضیلت	۴۰۷
۷۵۹	حیوانات کی کھال، بال اور اُون سے نفع حاصل کرنا جائز ہے	۴۰۷
۷۶۰	خنزیر کے علاوہ باقی جانوروں کی کھال بال اور اُون پاک ہے۔	۴۰۷
۷۶۱	مویشیوں کے فائدے۔	۴۰۸
۷۶۲	چوپاؤں میں سردی سے بچاؤ کا سامان	۴۰۸
۷۶۳	چوپایوں میں کھانے کے منافع	۴۰۸
۷۶۴	چوپایوں کے عام فوائد	۴۰۸
۷۶۵	چوپائے، ان کی شان و شوکت کے مظاہر ہیں۔	۴۰۸
۷۶۶	گھوڑے، گدھے اور خچر حرام ہیں۔	۴۰۹
۷۶۷	قرآنِ کریم میں ریل موٹر اور ہوائی جہاز کا ذکر۔	۴۱۰
۷۶۸	شراب اور جُوا، حرام ہیں	۴۱۱

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
۷۶۹	خلاصۂ تفسیر	
۷۷۰	خمر کی تعریف	
۷۷۱	خمر کی لغوی تحقیق	
۷۷۲	شراب کے بارے میں فقہاء احناف کا اختلاف	
۷۷۳	شراب سے نفع حاصل کرنا منع ہے۔	
۷۷۴	شراب کی حرمت پر دس دلائل	
۷۷۵	شراب اور جوا، حرام ہیں	
۷۷۶	شراب بالتدریج حرام ہوئی	
۷۷۷	شراب اور جوا، کا ارتکاب گناہِ کبیرہ ہے	
۷۷۸	شراب کے فوائد	۴۱۴
۷۷۹	جاھلیت کے جوا، کا طریقہ	۴۱۴
۷۸۰	نرد اور شطرنج وغیرہ	۴۱۴
۷۸۱	دوسروں کا مال ہتھیانا اور کھانا حرام ہے	۴۱۵
۷۸۲	دوسروں کے اموال کو باطل طریقہ پر کھانا منع ہے۔	۴۱۵
۷۸۳	حکام کے پاس جھوٹے مقدمات لے جانا منع ہے۔	۴۱۵
۷۸۴	مراجعت و مصادر	۴۱۶

۱ — کتاب الطّہارۃ ---------- ازصفحہ ۴۱ تا صفحہ ۵۸
۲ — کتاب الصلوٰۃ ---------- ازصفحہ ۵۹ تا صفحہ ۹۶
۳ — کتاب الزکوٰۃ ---------- ازصفحہ ۹۷ تا صفحہ ۱۱۲
۴ — کتاب الصوم ---------- ازصفحہ ۱۱۳ تا صفحہ ۱۳۲
۵ — کتاب الحج ---------- ازصفحہ ۱۳۳ تا صفحہ ۱۷۴
۶ — کتاب النکاح ---------- ازصفحہ ۱۷۵ تا صفحہ ۱۲۳
۷ — کتاب الطلاق ---------- ازصفحہ ۲۲۴ تا صفحہ ۲۶۳
۸ — کتاب العتاق ---------- ازصفحہ ۲۶۴ تا صفحہ ۲۶۶
۹ — کتاب الأیمان ---------- ازصفحہ ۲۶۷ تا صفحہ ۲۷۲
۱۰ — کتاب الحدود ---------- ازصفحہ ۲۷۳ تا صفحہ ۲۹۵
۱۱ — کتاب القتال ---------- ازصفحہ ۲۹۶ تا صفحہ ۳۱۸
۱۲ — کتاب البیوع ---------- ازصفحہ ۳۱۹ تا صفحہ ۳۳۱
۱۳ — باب الربوا ---------- ازصفحہ ۳۳۲ تا صفحہ ۳۴۸
۱۴ — کتاب الأمانۃ ---------- ازصفحہ ۳۴۹ تا صفحہ ۳۵۷
۱۵ — کتاب المحرمات ---------- ازصفحہ ۳۵۸ تا صفحہ ۳۷۳
۱۶ — کتاب الفرائض ---------- ازصفحہ ۳۷۴ تا صفحہ ۳۸۶
۱۷ — کتاب الوصایا ---------- ازصفحہ ۳۸۷ تا صفحہ ۴۱۶

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

افتتاحی کلمات

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ

(پ ۱۱ سورۃ توبہ آیت ۱۲۲)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ وَبَیَّنَ الْاَحْکَامَ بِاَوْضَحِ الْبَیَانِ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ فَسَّرَهَا بِاَشْرَحِ الْکَلَامِ وَالْاِیْقَانِ وَعَلٰی مَنْ تَبِعَهٗ بِالْاِیْمَانِ وَالْاِتْقَانِ وَعَلٰی مَنْ حَذٰی حَذْوَهُمْ مِنَ الْاِنْسِ وَالْجَانِ۔

قرآن مجید اللہ تبارک تعالیٰ کی آخری کتاب ہے جس کو اللہ ربّ العزت نے اپنے آخری پیغمبر امام الانبیاء، امام الرسل، خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم پر تیئیس برس کے عرصہ میں نجماً نجماً بطور وحی بذریعہ روح القدس جبرئیل امین علیہ السلام نازل فرمایا۔

قرآن کریم اللہ عزّوجل کی ایسی جامع کتاب ہے کہ باوجود اپنے اختصار کے انسان کی زندگی کے ہر پہلو پر رہنمائی کرتی ہے گویا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر قیامت تک آنے والی پوری اُمّتِ مسلمہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم کے لیے ایک دستور، ایک لائحہ عمل اور ایک نظامِ زندگی ہے۔

قرآن مجید اصول وکلیات پر مشتمل ہے اس کے جزئیات کی تفسیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول و عمل سے فرمائی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کے تربیّت یافتہ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے قرآن کریم کے مقاصد، مطالب ومفاہیم کو واضح کر کے بیان فرمایا۔

اصحاب قرنِ اوّل کے بعد ہر دور میں علماء کرام نے قرآن مجید کی تفسیری خدمات انجام دیں اور بے شمار تفاسیر مختلف زبانوں میں لکھی جا چکی ہیں۔ قرآنِ کریم جہاں گذشتہ اقوام کے عروج و زوال کے قصص، امثلہ، احوال

آخرت، انداز و تبشیر، ثواب و عقاب و دیگر امور کو بیان کرتا ہے وہاں ساتھ ساتھ قرآن کریم کا ایک بڑا حصہ تقریباً پانچ صد آیات کی مقدار میں اعتقادات، عبادات و معاملات کے احکام پر مشتمل ہے اور ان آیاتِ احکام کو مفسرین کرام نے بڑے بسط و تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے مگر ایک چیز کہ جس میں اہلِ علم حضرات اب بھی تشنگی محسوس کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ ایک نوع کے احکام جن آیات سے ثابت ہوتے ہیں ان آیات کا احاطہ مشکل ہوتا ہے چونکہ جتنی بھی تفاسیر لکھی جا چکی ہیں ان میں اس بات کا اہتمام نہیں کیا گیا کہ ایک نوع کے مسائل کی آیات کو ایک جگہ جمع کیا جائے بلکہ قرآن مجید میں جو آیت جس مقام پر مذکور ہے وہیں اس کے متعلق تفسیر کی گئی ہے۔

لہٰذا اِن حالات کے پیشِ نظر ہمارے نگران ڈاکٹر ابوالفتح محمد صغیرالدین صاحب نے مجھے اس کام پر آمادہ کیا اور انہوں نے ہمت افزائی فرمائی تاکہ میں اس موضوع پر مقالہ لکھوں جس میں صرف ان مسائل کو فقہی کتابوں کے طرز پر یکجا کروں جو قرآن پاک سے ثابت ہوئے ہیں یعنی ان فقہی مسائل کا قرآنِ کریم سے اثبات کردں جس سے ہر شخص وہ مسائل کہ جن کا اثبات قرآنِ کریم سے ہے بآسانی معلوم کر سکے گا اور ہر قسم کے احکام کے متعلق آیات کا ڈھونڈنا اور ان سے ثابت شدہ مسائل معلوم کرنا ہر خاص و عام کے لئے ان شاء اللہ العزیز آسان ہو جائے گا۔

اللہ تبارک و تعالیٰ کے فضل و کرم سے اب یہ مقالہ بعنوان :

احکامِ فقہیہ قرآنِ کریم کی روشنی میں

پیشِ خدمت ہے۔ دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو شرفِ قبولیت عطا کرے۔ آمین ثم آمین۔

اس مقالہ کا نام تجویز کرنے میں ایک قدرتی امر عجیب پیش آیا کہ تجویزِ عنوان کے دَوران متعدد عنوانات ذہن میں آئے مگر کسی کے متعلق شرح صدر نہ ہو سکا بالآخر ایک مرتبہ حالتِ صلوٰۃ میں موصوف ڈاکٹر صاحب کے ذہن میں الہامی طور پر مذکورہ مضمون جا گزین ہو گیا اور جب اس عنوان کا تذکرہ مجھ سے کیا تو میرا بھی دل اس کام کے کرنے پر فوراً آمادہ ہو گیا اور ایک قسم کی فرحت محسوس ہوئی بعد ازاں متعدد مرتبہ موصوف ڈاکٹر صاحب نے اس کی عمدگی کا اظہار فرمایا اور جن احباب کے سامنے اس عنوان پر کام کرنے کا تذکرہ ہوا انہوں نے بھی اس کی تحسین فرمائی۔

اَب کچھ اس مقالے کی ترتیب کے متعلق عرض کر دوں کہ میں نے اس مقالہ کو احکامِ فقہیہ کے لحاظ سے کتب اور ابواب پر تقسیم کیا ہے اور ہر باب کے ضمن میں مسائل فقہیہ کو ذکر کرتے ہوئے ان آیات کو بیان کیا ہے جن سے وہ

فقہی مسائل ثابت ہوتے ہیں۔ ترتیب کچھ اس طرح ہے۔
(۱) کتاب الطہارۃ (۲) کتاب الصلوٰۃ (۳) کتاب الزکوٰۃ (۴) کتاب الصوم (۵) کتاب الحج
(۶) کتاب النکاح (۷) کتاب الطلاق (۸) کتاب العتاق (۹) کتاب الایمان (۱۰) کتاب الحدود
(۱۱) کتاب القتال (۱۲) کتاب البیوع (۱۳) باب الربوا (۱۴) کتاب الامانۃ (۱۵) کتاب المحرمات
(۱۶) کتاب الفرائض (۱۷) کتاب الوصایا (۱۸) مسائل متفرقات۔

بہرکیف باوجود اس بات کے کہ یہ ایک انتہائی اہم اور عظیم عنوان ہے جس پر مفسرین کرام نے سیر حاصل کلام کیا ہے مگر اس مقالہ میں جس طرز کو اختیار کیا گیا ہے وہ غالباً پہلی مثال ہے اگرچہ میں اپنی علمی بے بضاعتی کم مائیگی قلتِ فرصت اور مشاغلِ انسانی کی وجہ سے اس امرِ عظیم کا حق ادا نہ کرسکا بہرحال اس کی افادیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

قارئینِ کرام! میں نے اس مقالہ میں پیش کردہ آیاتِ استدلالیہ میں حضرت تھانوی نوّر اللہ مرقدہٗ کے ترجمہ کو اختیار کیا ہے جو کہ علماء کے نزدیک معتمد علیہ ہے۔ نیز اس مقالہ کی ترتیب اور اغلاطِ کتابت کی تصحیح میں میرے فرزند مولوی محمّد طارق سلّمہٗ نے سعیٔ جمیل فرمائی ہے اللہ تعالیٰ عزیز موصوف کے علم و عمل میں برکت عطا فرمائے۔

اور بذاتِ خود بھی میں نے اس مقالہ کو کئی مرتبہ پڑھ کر اغلاطِ کتابت کی تصحیح میں پوری کوشش کی ہے۔ اس اہتمام کے باوجود اگر کوئی صاحب اس مقالہ میں تحریر کردہ احکام و مسائل یا عبارت یا کتابت میں کسی غلطی سے واقف ہو تو براہِ کرم بندہ کو ضرور آگاہ فرمائیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کو درست کردیا جائے۔

(نوٹ) میرا تحریر کردہ یہ تحقیقی مقالہ دراصل وہ مقالہ ہے جس پر میں نے سندھ یونیورسٹی جامشورو سے پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری حاصل کی ہے۔ اصل مقصود محض ڈگری حاصل کرنا نہیں تھا بلکہ ایک علمی کام مقصود تھا کہ اس سے علماء، طلباء اور عوام الناس مستفید ہوں۔ اسی لئے اس کی طباعت کا فیصلہ کیا ہے۔ اور موجودہ زیرِ طباعت مقالہ میں اصل مقالہ سے کئی تبدیلیاں کی گئی ہیں مثلاً ترتیب عبارت میں تقدیم و تاخیر، مشکل الفاظ کو سہل الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے حتیٰ کہ عنوان میں بھی قدرے تبدیلی کی ہے وغیرہ وغیرہ۔

تشکّر

آخر میں اُن حضرات کا شکریہ اَدا کرتا ہوں جو کسی بھی لحاظ سے اس مقالہ کی تکمیل میں میرے مدد و معاون بنے ہیں اس امرِ عظیم کے سرانجام دینے میں میرا ذاتی کوئی کمال نہیں بلکہ یہ تو محض توفیق ایزدی کا ثمرہ ہے اور مشفق اساتذہ کی رہنمائی اور دوستوں کے تعاون کا نتیجہ ہے بالخصوص اس مقالہ کی تکمیل میں میرے نگران محترم و مکرّم ڈاکٹر ابوالفتح محمد صغیر الدین صاحب کا بڑا دخل ہے جنہوں نے قدم بہ قدم مجھے اپنے قیمتی مشوروں سے نوازنے کے ساتھ ساتھ، ایک مشفق و مربی استاذ کی حیثیت سے میری رہنمائی فرمائی۔ اس سلسلہ میں لبسا اوقات وقت بے وقت موصوف کی خدمت میں حاضری کا اتّفاق ہوا جو عام طور پر لوگوں کے لئے باعثِ زحمت و ناگواری ہوتا ہے مگر موصوف نے کبھی تُرش روئی یا دل شکنی کا اظہار نہیں فرمایا بلکہ ہمیشہ خندہ پیشانی کے ساتھ حسنِ سلوک کا معاملہ فرمایا۔

یوں تو موصوف کی نگرانی میں متعدد حضرات نے مقالے تحریر کیے ہیں مگر بندہ کے ساتھ ان کے لطف و کرم کا معاملہ جُداگانہ رہا جس پر میں موصوف کا انتہائی مشکور ہوں ان کے اس احسان کا بدلہ دُنیا میں نہیں دیا جاسکتا، بارگاہِ ایزدی میں دُعا گو ہوں کہ باری تعالیٰ موصوف کی ان محنتوں اور کاوشوں کو ذخیرۂ آخرۃ بنائے اور ان کو مراتبِ عالیہ پر فائز فرمائے۔ اٰمین ——— اسی طرح میں عظیم تعلیمی ادارہ "جامعہ سندھ" اور اس کے منتظمین کا مشکور ہوں کہ انہوں نے مجھے اس عنوان پر تحقیقی مقالہ تحریر کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی ——— بعد ازاں میں اپنے بزرگوں اور اساتذۂ کرام کا بھی مشکور ہوں جنہوں نے اس مقالہ کی تیاری میں میری امداد فرمائی مثلاً : —

حضرت مولانا محمد عبدالرؤف صاحب نوّر اللہ مرقدہٗ سابق مہتمم جامعہ عربیہ مفتاح العلوم حیدر آباد۔ حضرت مولانا شمس الدین صاحب اُستاذِ حدیث و مفتی جامعہ عربیہ مفتاح العلوم حیدر آباد۔ حضرت مولانا قاری اللہ بخش صاحب صدر المدرسین جامعہ عربیہ انوریہ حبیب آباد طاہر والی ضلع بہاولپور، حضرت مولانا قاضی عبداللہ جان صاحب (مرحوم) سابق استاذِ حدیث جامعہ عربیہ مفتاح العلوم حیدر آباد، جنہوں نے قرآنِ کریم کی آیات کے متعلق تفسیری مغلقات کے حل میں مفید امداد فرمائی۔ حضرت مولانا صالح محمد صاحب مدرس و ناظم مکتب جامعہ عربیہ مفتاح العلوم حیدر آباد نے مواد اور کُتب کی فراہمی میں بڑی امداد فرمائی۔

محترم مولانا سیف الرحمٰن صاحب جو اس مقالہ کی ابتدا سے انتہا تک میرے رفیقِ سفر و حضر رہے۔ محترم جناب شیخ محمد اسلم صاحب ایڈووکیٹ جنہوں نے ابتداءً پی۔ ایچ۔ ڈی کرنے کا مشورہ دیا اور موصوف ڈاکٹر صاحب سے رابطہ کا ذریعہ بنے۔ حضرت قبلہ والد محترم حاجی ولی محمد صاحب و والدہ محترمہ اور برادرانِ عزیز محترم جناب محمد ادریس صاحب محترم جناب محمد یوسف صاحب، محترم جناب حاجی محمد یونس صاحب جن کی دُعائیں اور تعاون میرے شاملِ حال رہیں۔

تقریظات اکابر علمائے کرام

شیخ المشائخ، جامع المنقول والمعقول، شیخ الحدیث، فاضل دارالعلوم دیوبند حضرت علامہ مولانا **منظور احمد نعمانی** نور اللہ مرقدہ
سابق مہتمم مدرسہ عربیہ انوریہ حبیب آباد، طاہر والی، ضلع بہاولپور (پنجاب)

مخدوم العلماء، جامع المنقول والمعقول، شیخ الحدیث، فاضل دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا **سلیم اللہ خان** صاحب مدظلہ العالی
(صدر، وفاق المدارس العربیہ پاکستان)

یادگارِ اسلاف، جامع المنقول والمعقول، شیخ التفسیر والفقہ، فاضل دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا مفتی **شمس الدین** صاحب مدظلہ العالی
مہتمم: جامعہ عربیہ مفتاح العلوم، حیدرآباد (سندھ)

اُستاذ العلماء، جامع المنقول والمعقول، شیخ الحدیث حضرت مولانا قاری **اللہ بخش** صاحب دامت برکاتہم
صدر المدرسین: مدرسہ عربیہ انوریہ حبیب آباد، طاہر والی ضلع بہاولپور

اُستاذ العلماء، جامع المنقول والمعقول، شیخ الحدیث، حضرت مولانا **جان محمد** صاحب دامت برکاتہم
جامعہ عربیہ مفتاح العلوم حیدرآباد (سندھ)

اُستاذ العلماء، شیخ الحدیث حضرت مولانا **محمد ابراہیم** صاحب مدظلہ العالی، مہتمم مدرسہ باب السلام، ٹھٹھہ (سندھ)

اُستاذ العلماء، محقق عالمِ دین، شیخ الحدیث حضرت مولانا ابوعمار **زاھد الراشدی** صاحب دامت برکاتہم
صدر المدرسین: جامعہ نصرۃ العلوم، گوجرانوالہ (پنجاب)

حضرت مولانا ڈاکٹر **سیف الرحمن** صاحب مدظلہ العالی مدرس ناظم تعلیمات جامعہ عربیہ مفتاح العلوم حیدرآباد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

(مولانا) أبو عبيد منظور احمد النعمانی

مدرس المدرسین بالجامعة العربية الانورية

حبیب آباد طاہروالی بہاولنگر پاکستان

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔

مولانا عبدالسلام صاحب قریشی مدرس جامعہ عربیہ مفتاح العلوم حیدرآباد ایک تحقیقی مقالہ بعنوان احکام فقہیہ قرآن کی روشنی میں تحریر فرمایا۔ مجھے اس کے تقریباً تمام مقامات کے دیکھنے کا موقع میسر ہوا یہ مقالہ مجموعی طور پر ایک علمی مقالہ ہے اور اس میں احکام فقہیہ کو قرآن مجید کی روشنی میں تحریر کیا گیا ہے اگرچہ احکام القرآن میں مختلف کتابیں موجود ہیں لیکن ان میں ترتیب مناسبہ کے تحت احکام کو قرآن مجید کی ترتیب کے مطابق تحریر کیا گیا ہے جس کی وجہ سے وہ منتشر ہوگئے ہیں مگر مولانا نے اس کی ترتیب ابواب فقہیہ کے مطابق رکھ کر علماء اور طلباء پر بہت مفید سعی فرمائی ہے جس کی وجہ سے ہر مسئلہ کی تلاش آسان ہوگئی ہے اور مسائل فقہیہ حنفیہ پر ہر مسئلہ کے دلائل قرآنی اور آیات قرآنی یکجا مل جاتی ہیں اس مقالہ کی ایک خصوصی فضیلت یہ بھی ہے کہ ایک مسئلہ کی آیات استدلالیہ ایک جگہ پر مل جاتی ہیں اور تحریر بھی آسان اور شگفتہ ہے ہر ایک استعداد کا آدمی اس سے مستفید ہو سکتا ہے اور جہاں تک میں نے دیکھا ہے وہ مسائل بالکل صحیح اور مدلل ہیں مولانا کی یہ سعی جمیل قابل تحسین ہے اور ان کا علمی جوہر کا شاہکار اور یادگار ہے اور اللہ تعالیٰ انہیں اس سعی جمیل پر جزائے خیر عطا فرمائے اور اپنے ہاں شرف قبولیت سے نوازے خیر الناس من ینفع الناس کے طور پر جو انہوں نے نوع انسانی کی نفع رسانی کی سعی فرمائی ہے اس کو مطابق للوعد وافضل، دنیا و آخرت میں نفع عظیم عنایت فرماوے اللہ تعالیٰ سے دعا ہے آپکی عمر اور علم دین کی خدمت کے مزید مواقع عطا فرمائے آمین آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین

[illegible]

JAMIA FAROOQIA

P.O.Box 11020, KARACHI 25, P.C. 75230 PAKISTAN
www.farooqia.com email: info@farooqia.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمده ونصلی علی رسوله الکریم.

زیرنظر کتاب ''احکام فقہیہ قرآن کی روشنی میں'' جامعہ عربیہ مفتاح العلوم حیدرآباد کے نائب مہتمم، عزیز القدر مولانا ڈاکٹر عبدالسلام قریشی سلمہٗ، کا پی۔ایچ۔ڈی کی ڈگری کے لیے لکھا جانے والا تحقیقی مقالہ ہے، جس کی اہمیت اور افادیت اس کے عنوان سے ہی عیاں ہے، میں نے کتاب پر اجمالی اور طائرانہ نظر ڈالی ہے۔ ماشاء اللہ بہت عمدہ اور قابل قدر علمی خدمت سرانجام دی گئی ہے، جو یقیناً اہل علم اور عامۃ الناس سب کے علمی استفادے کا سبب ہوگی، اللہ رب العزت موصوف کی اس محنت و کاوش کو قبول فرما کر اپنی رضا کا ذریعہ بنائے، اور علم و عمل کی مزید ترقیات سے نوازے۔ آمین۔

وصلی الله علی سیدنا محمد وعلی آله وصحبه وسلم

سلیم اللہ خان

سلیم اللہ خان

رئیس وفاق المدارس العربیہ پاکستان

و مہتمم جامعہ فاروقیہ کراچی

۱۰/ رجب ۱۴۲۴ھ ۸/ ستمبر ۲۰۰۳ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

JAMIA ARABIA
MIFTAHUL ULOOM
HYDERABAD
ISLAMIC REPUBLIC OF PAKISTAN

الجامعة العربية مفتاح العلوم
حیدرآباد
جمہوریة باکستان الإسلامية

No. الرقم
Date التاریخ
Ref. المرفقات

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم
مولانا عبدالسلام صاحب جو کہ جامعہ مفتاح العلوم حیدرآباد کے استاذ الحدیث و نائب
مہتمم ہیں نے مسائل دینیہ ضروریہ پر ایک مقالہ بنام [illegible] تحریر کیا ہے جو سلیس و سہل
اردو میں ہے تاکہ عام ناظرین کو پڑھنے میں دقت اور دشواری نہ ہو مسائل کو قرآنی آیات
سے ثابت کیا گیا ہے زمانے کے اعتبار سے بہت احسن طریقہ اختیار کیا گیا ہے
ابتداء سے اس مقالہ کا کچھ حصہ کا مطالعہ کیا ہے مسائل کو قرآن و حدیث کے
موافق پایا ہے اچھے کاموں سے زیادہ اچھا کام اشاعت دین ہے
کسی طور پر بھی ہو تدریس و تبلیغ کے طور پر ہو دینی خدمات کرنے والوں کی
اعانت کے طور پر ہو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حدیث خیرکم من تعلم القرآن
وعلمہ بہترین شخص تمہارے میں سے وہ ہے جو کہ دین سیکھے اور دوسروں کو
سکھائے اور فرمایا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے من یرد اللہ بہ خیرا یفقھہ
فی الدین۔ جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ خیر کا ارادہ کرتا ہے اس کو دین کی سمجھ عطا کرتا
ہے کیونکہ علم اور عمل آپس میں لازم اور ملزوم ہیں عمل وہ مقبول ہے جو کہ علم دین کے موافق
ہو علم دین وہ مفید اور مقبول ہے جس کے ساتھ عمل ہو مولانا عبدالسلام صاحب نے
اس مقالہ کی فہرست میں ہر مسئلہ کا عنوان اور صفحہ ذکر کر دیا ہے تاکہ تلاش کرنے میں آسانی ہو
میں دعا کرتا ہوں اللہ تعالیٰ مولانا موصوف کو اس مقالہ کے دوام [illegible] اور مقالہ کو مقبول
عام بنائے آمین شیخ الحدیث جامعہ مفتاح العلوم حیدرآباد
۵ ماہ شعبان المعظم ۱۴۲۲ھ عیسوی ۲۲ نومبر [illegible]

کھاس مارکت حیدرآباد پاکستان هاتف رقم ۶۱۲۶۰۹ فاکس ( )
Ghass Market Hydera Bad Pakistan Tel No. 612609 Fax ( )

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ الذی ھدانا لھذا وما کنا لنھتدی لولا ان ھدانا اللہ

والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ خیر خلقہ سیدنا محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

امابعد زیر نظر مقالہ احکام فقہیہ قرآن کی روشنی میں حضرت مولانا ڈاکٹر عبد السمیع صاحب قریشی نائب مہتمم مدرسہ عربیہ جامعہ دار العلوم حیدرآباد نے ترتیب دیا ہے جسکی اصلی قدر و قیمت تو مطالعہ سے ہی واضح ہو سکے گی۔ تاہم بطور تعارف چند سطور ہدیہ ناظرین ہیں۔

مؤلف مدظلہ العالی نے قرآن کریم کی تفاسیر کا بنظر غائر مطالعہ کرکے ہر آیت سے مسائل اور احکام فقہیہ کو یکجا جمع کر دیں۔ اور انکی ترتیب ابواب فقہیہ کے مطابق رکھکر علماء اور طلباء کیلئے بہت سہولت پیدا کر دی جسکی وجہ سے مدارس کے طلباء کی تدریس آسان ہو گئی۔

اور مسائل فقہ حنفیہ پر ہر ہر مسئلہ کے دلائل اور آیات قرآنیہ یکجا مل جاتی ہیں۔ اس سے قبل اگرچہ احکام القرآن کے عنوان سے مختلف کتابیں موجود ہیں لیکن ان میں احکام کو قرآن مجید کی ترتیب کے مطابق آیت مناسبہ کے تحت تحریر کیا گیا علاوہ ازیں یہ بھی آسانی رکھی گئی ہے ہر ایک [illegible] کا حامل اس سے مستفید ہو سکتا ہے مولانا کی یہ سعی بلیغ آپ کے علمی تبحر کا بیّن ثبوت ہے اور رہتی دنیا تک انکا ایک علمی کارنامہ ہے جو کہ خیر الناس من ینفع الناس کا مصداق ہے۔

اللہ تعالیٰ کا مؤلف پر ایک خاص احسان اور انعام ہے کہ انکو اپنی آخری کتاب کی خدمت کیلئے منتخب فرمایا ہے جو کہ آخرت کیلئے بہترین سرمایہ اور صدقہ جاریہ ہے۔

این سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ۔

اللہ تعالیٰ انکی زندگی میں برکت عطا فرمائے اور مزید خدمت دین کی ہمت و توفیق عطا فرمائے۔ یرحم اللہ من قال آمینا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ یہ سلسلہ خدمت دین انکی [illegible] آنے والی نسلوں میں بھی جاری و ساری رکھے آمین۔ ثم آمین۔ اللھم ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم وتب علینا انک انت التواب الرحیم آمین یا رب العالمین

وصلی اللہ تعالیٰ علی النبی الامی وآلہ واصحابہ اجمعین۔ کتبہ الاحقر حبیب اللہ غفرلہ [illegible]

مدرس مدرسہ عربیہ جامعہ دار العلوم حیدرآباد

علامہ محقق فاضل مدقق حضرت مولانا محمد اسلم صاحب دامت برکاتہم العالیہ نے ہدایت سے
پہلے اس مقام خاردار میں قدم رکھکر ایک رسالہ بعنوان احکام فقہیہ قرآنی کی روشنی میں
تحریر فرمایا ہے جس کو انہوں نے ترتیب وار لطیفانہ طور پر جمع کیا ہے
ان سے پہلے مصنفین کی مدونات میں احکام کو آیات قرآنی کی ترتیب پر جمع کیا گیا تھا
جس سے مسئلہ تلاش کرنے میں دقت پیش آ رہی تھی
مصنف علام نے ترتیب فقہی کے طور پر اسکو تحریر فرما کر مسئلہ کے تلاش کرنے میں آسانی
پیدا کر دی ہے عبارت سلیس اور کلام فہم ہے اللہ تعالی انکے اس قیمتی کام کو
قبول فرما کر اسے عمل و مطالعہ کے لئے قابل عطا فرمائے اور انکو دین متین کی خدمت
کی مزید توفیق عطا فرمائے اور انکے عمر و علم میں برکت عطا فرماتے رہیں
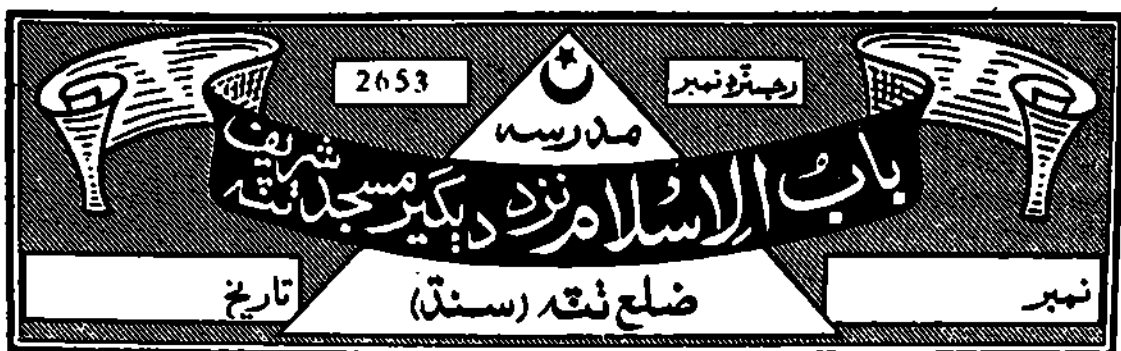
حررہ
خادم الحدیث
محمد ابراہیم
جامعہ مفتاح العلوم جلال آباد

بسم اللہ الرحمن الرحیم ٥

الحمد للہ الذی اکمل لنا بہ اصول الشریعۃ الغراء ورفع بحفاظہ فروع الحنیفیۃ السمحۃ البیضاء
والصلوٰۃ علی من ارسلہ لساطع الحجۃ عنوانًا ولطوالع المعرفۃ هدی للناس مبشرًا ونذیرًا وداعیًا
الی اللہ باذنہ وسراجًا منیرًا وعلی آلہ وصحبہ وبارک وسلم تسلیمًا کثیرًا کثیرًا ٥

اما بعد! اہل علم پر مخفی نہیں کہ اسلام کے اعتقادی مسائل ہوں یا فرعی ان کی اساس وبنیاد قرآن پاک ہے جو اصول وفروع سب کو متضمن ہے اس کی تفسیر سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے ہمارے فقہاء کرام کا یہ امت پر عظیم احسان ہے کہ قرآن وسنت کو سامنے رکھکر ہر قسم کے احکام ومسائل امت کے سامنے پیش فرمادیئے۔ اس سلسلہ میں اس وقت ہمارے سامنے حضرت مولانا عبدالسلام صاحب قریشی نائب مہتمم جامعہ مفتاح العلوم حیدرآباد کا ایک تحقیقی مقالہ بنام ((احکام فقہیہ قرآن کی روشنی میں)) ہے۔ اس مقالہ پر آپ سندھ یونیورسٹی حیدرآباد سے پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری بھی حاصل کرچکے ہیں۔ یہ مقالہ تقریبًا پورا ہماری نظر سے گذرا ہے۔ اس موضوع پر سلف میں بھی بہت ساری کتابیں لکھی گئی ہیں مگر اس مقالہ کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں مسائل کو ابواب فقہیہ پر مرتب کیا گیا ہے جبکہ سابقہ کتب قرآنی ترتیب کے اعتبار سے تھے جس کی وجہ سے مسائل منتشر ہوگئے تھے۔ مولانا کی سعی جمیل سے یہ مسائل مرتب ہوگئے اور ایک مسئلہ پر منتشر آیات قرآنی یکجا ہوگئیں جس سے ہر مستفید کو سہولت ہوگئی ہے۔ مسائل بھی بحمداللہ سب محقق ہیں۔ ہماری دعاء ہے کہ حضرت مولانا کی اس محنت کو اللہ تعالیٰ شرف قبولیت عطا فرمائے۔ اور ان کیلئے ذخیرۂ آخرت بنائے۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین وخاتم النبیین وآلہ وصحبہ اجمعین

محمد ابراہیم عفی اللہ عنہ

ابو عمار زاہد الراشدی

خطیب مرکزی جامع مسجد گوجرانوالہ پاکستان

صدر مدرس | مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ
سیکرٹری جنرل | پاکستان شریعت کونسل
ڈائریکٹر | الشریعہ اکادمی، کنگنی والا گوجرانوالہ
چیف ایڈیٹر | ماہنامہ "الشریعہ" گوجرانوالہ

P.O.Box 331 Gujranwala, Pakistan E-Mail: zrashdi@hotmail.com Tel: (0431)219663 Mobile: 0320-4853894

نحمدہ تبارک وتعالیٰ ونصلی ونسلم علیٰ رسولہ الکریم وعلیٰ آلہ واصحابہ واتباعہ اجمعین

مولانا ڈاکٹر عبد السلام قریشی نائب مہتمم جامعہ مفتاح العلوم حیدرآباد کی تصنیف "احکام فقہ قرآن کریم کی روشنی میں" بعض مقامات سے دیکھی، یہ دراصل ان کا وہ تحقیقی مقالہ ہے جو انہوں نے سندھ یونیورسٹی جامشورو کے لیے ڈاکٹریٹ کے تحقیقی مقالہ کے طور پر تحریر کیا ہے اور اس پر انہیں پی ایچ ڈی کی ڈگری دی گئی ہے۔

میرے ذہن میں ایک عرصہ سے اس بات کی ضرورت کا احساس تھا کہ اردو میں "احکام القرآن" پر کوئی ایسی کتاب ہونی چاہیے جو فقہی ترتیب کے ساتھ احکام قرآن کریم سے متعلقہ آیات کی وضاحت وتشریح پر مشتمل ہو اور جسے جدید تعلیم یافتہ حضرات کے لیے دینی تعلیم کے مختصر کورسز میں شامل کیا جا سکے کیونکہ اس موضوع پر جو کتابیں عربی میں ہیں وہ ان کی دسترس سے باہر ہیں اور اردو میں قرآن کریم کے احکام کے حوالہ سے جو مختلف کتابیں میری نظر سے گزری ہیں وہ بعض حوالوں سے تشنہ ہیں۔

ڈاکٹر عبد السلام قریشی صاحب کا یہ مقالہ میرے خیال میں اس ضرورت کو بڑی حد تک پورا کرتا ہے اور اگر اس میں بین الاقوامی قانون، دوسرے مذاہب کے احکام اور دیگر اسلامی فقہی مکاتب کے احکام وقوانین کے ساتھ تقابلی جائزہ کو بھی شامل کر لیا جائے تو یہ ایف اے یا بی اے کی سطح پر سرکاری نصاب تعلیم میں بھی شامل کی جا سکتی ہے۔

مولانا عبد السلام قریشی اس کاوش پر داد وتحسین کے مستحق ہیں اور میری دعا ہے کہ اللہ رب العزت ان کی اس محنت کو قبولیت وثمرات سے بہرہ ور کریں اور انہیں دونوں جہانوں کی سعادتوں سے مالا مال فرمائیں۔ آمین یا رب العالمین

ابو عمار زاہد الراشدی خطیب مرکزی جامع مسجد گوجرانوالہ
نزیل دار العلوم مدنیہ رحمانیہ حیدرآباد سندھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

JAMIA ARABIA
MIFTAHUL ULOOM
HYDERABAD
ISLAMIC REPUBLIC OF PAKISTAN

الجامعة العربية مفتاح العلوم
حیدرآباد
جمهورية باكستان الإسلامية

No. ۲۰۰۳ء
Date ۱۲ اگست

الرقم ۱۴۲۴ھ
التاریخ ۱۷ جمادی الاخری
Ref. المرفقات

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

زیر نظر کتاب میرے رفیق محترم و مکرم برادرم مولانا ڈاکٹر عبد السلام قریشی استاذ الحدیث و نائب مہتمم جامعہ عربیہ مفتاح العلوم حیدرآباد کا وہ تحقیقی مقالہ ہے جس کو انہوں نے جامعہ سندھ جامشورو کے شعبہ اسلامیات میں پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری کے حصول کے لئے پیش کیا موصوف نے اس علمی و تحقیقی مقالہ کی تیاری میں متعلقہ شعبہ کے سربراہ محترم پروفیسر ڈاکٹر ابو الفتح محمد صغیر الدین میاں رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ اپنے متعدد اساتذہ کرام اور اہل علم دوستوں سے راہنمائی لے کر اس کام کی علمی حیثیت کو مزید مستحکم کیا ہے اور اس تحقیق کے لئے ایسے ماخذ اختیار کئے گئے ہیں جو علماء امت کی نظر میں اعتماد کا بلند مقام رکھتے ہیں کتاب کی اہمیت کا اندازہ اس کے عنوان سے ہی عیاں ہے یعنی احکام فقہیہ قرآن کی روشنی میں، اس لئے کہ اس دور پرفتن میں جہاں بہت گمراہیاں امت مسلمہ میں پھیلائی جا رہی ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ احکام فقہیہ قرآن کے منافی ہیں اور اسی کی بنیاد پر ائمہ مجتہدین رح کی دینی خدمات کو ہدف تنقید بنا کر مسلمانوں کے دلوں میں ان کے بارے میں تکدر پیدا کرنے کی مذموم کوشش کی جا رہی ہے ان حالات میں زیر نظر کتاب جس میں قرآن کریم کی آیات احکام کو فقہی عنوانات کی ترتیب سے جمع کرکے قرآنی آیات سے مستنبط مسائل فقہیہ کو معتمد ماخذ کے حوالے سے مرتب کرکے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ احکام فقہیہ قرآن کریم کے منافی نہیں بلکہ عین مطابق ہیں بلاشبہ یہ ایک شاندار اور قابل تحسین علمی خدمت ہے جو کہ خواص اور عامۃ المسلمین کے یکساں مفید ہے خداوند عالم اس علمی خزانہ سے طلبہ خاص و عام کو مستفیض فرمائے اور موصوف کو علم و عمل کی مزید ترقیات سے نوازے آمین

[illegible]
...الرحمان
[illegible]

بسم الله الرحمن الرحيم
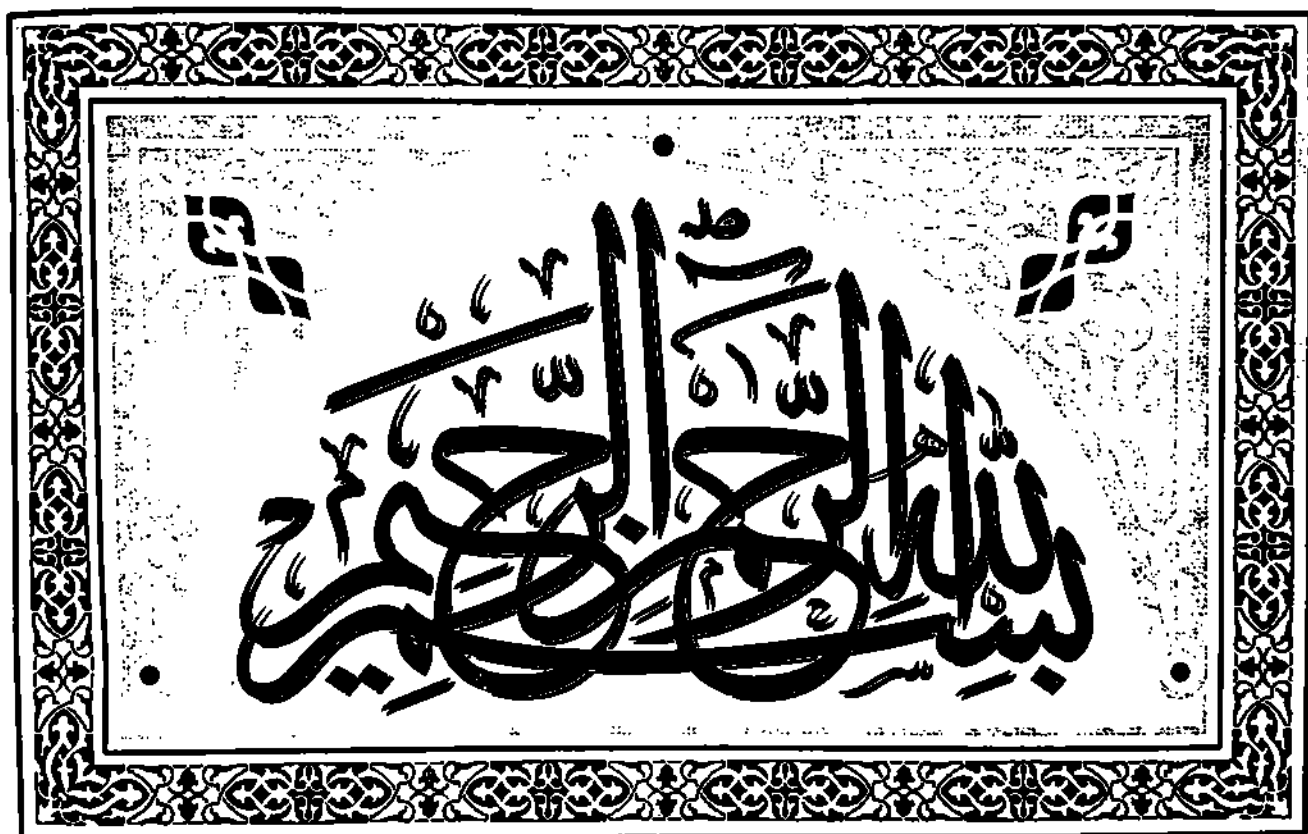
فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ
كتاب الطهارة

طہارت کے احکام

وضو کے مسائل

لفظ وضو کی تحقیق وضو کے لغوی معنی حسن اور نظافت کے ہیں۔ یہ اسم مصدر ہے کیونکہ اس کا فعل یا تو تَوَضَّأَ ہوگا تو اس صورت میں اس کا مصدر تَوَضُّؤٌ ، بروزن تَفَعُّلٌ ہوگا یا اس کا فعل وَضُوءَ بروزن کَرُمَ ہوگا تو اس صورت میں مصدر وَضَاءَۃٌ ہوگا۔ غرض جو صورت بھی ہو ہر حال میں وضوء میں نظافت کا معنی شامل ہوگا اور وَضُوء (بفتح الواؤ) کی صورت میں اس کے معنی ہیں وہ پانی جس سے وضو کیا جائے۔

وَضَاءَۃٌ سے وَضِیٌّ آتا ہے جس کے معنی ہیں گورے حسین چہرہ والا، لیکن اصطلاحِ شرع میں وضوء کے خاص معنی ہیں یعنی متعیّن اعضاء پر پانی پہنچانا اور مسح کرنا اور چونکہ پانی پہنچانے سے صفائی اور نظافت حاصل ہوتی ہے اِس لئے اس کے شرعی مفہوم میں لغوی مفہوم بھی شامل ہے۔

فضائلِ وضو

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول اِن اُمّتی یُدعون یوم القیامۃ غرًّا محجلین من آثار الوضوٗ فمن استطاع منکم ان یطیل غرتہ فلیفعل۔

(متفق علیہ، ریاض الصالحین مترجم اُردو ج ۲ ص ۳۳)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا کہ آپ فرما رہے تھے کہ میری اُمّت کو قیامت کے روز روشن پیشانی اور سفید اعضاء والے کی صفت سے پکارا جائے گا اور یہ چیز وضو کے آثار سے ہوگی سو جو شخص تم میں سے اپنی روشنی بڑھانے کی طاقت رکھتا ہو تو اُسے چاہئے کہ وہ ایسا کرے۔ (بخاری و مسلم)

...

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ ان رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا توضأ العبد المسلم او المؤمن فغسل وجہہ خرج من وجہہ کل

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب مسلمان بندہ یا مومن بندہ وضو کرتا ہے اور اور چہرے کو دھوتا ہے تو اس کے چہرے سے وہ تمام گناہ

خطيئة نظر اليها بعينيه مع الماء او مع اخر قطر الماء فاذا غسل يديه خرج من يديه كل خطيئة كان بطشتها يداه مع الماء او مع اخر قطر الماء فاذا غسل رجليه خرجت كل خطيئة مشتها رجلاه مع الماء او مع اخر قطر الماء حتّٰی یخرج نقیًّا من الذنوب۔

(رواہ مسلم)

نکل جاتے ہیں جن کی طرف اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے پانی کے ساتھ یا پانی کے آخری قطرہ کے ساتھ پھر جب اپنے ہاتھوں کو دھوتا ہے تو اس کے ہاتھوں سے وہ تمام گناہ بہ کر نکل جاتے ہیں کہ جن کو اس کے ہاتھوں نے پکڑا تھا پانی کے ساتھ، یا پانی کے آخری قطرہ کے ساتھ۔ پھر جب اپنے پیروں کو دھوتا ہے تو پانی کے ساتھ یا پانی کے آخری قطرہ کے ساتھ وہ تمام گناہ نکل جاتے ہیں جن کی طرف اس نے اپنے پیر اٹھائے تھے یہاں تک کہ بندہ گناہوں سے پاک اور صاف ہو جاتا ہے۔ (مسلم)

وضو، نماز کیلئے شرط ہے

نماز کے لئے وضو شرط ہے اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی اور اس کا شرط ہونا مندرجہ ذیل آیت سے ثابت ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ؕ (پ۶ سورۃ المائدہ آیت نمبر ۶)

اے ایمان والو! جب تم نماز کو اٹھنے لگو تو اپنے چہروں کو دھوؤ اور اپنے ہاتھوں کو بھی کہنیوں سمیت اور اپنے سروں پر ہاتھ پھیرو اور اپنے پیروں کو بھی ٹخنوں سمیت۔

اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ وضو، نماز کے لئے شرط ہے کیونکہ نماز پڑھنے کے لئے اٹھتے وقت یا نماز کا ارادہ کرتے وقت آیت مذکورہ میں اعضاء ثلاثہ کے دھونے اور سر کے مسح کا امر کیا گیا ہے اور امر وجوب کیلئے ہوتا ہے اس لئے وضو کے بغیر نماز نہیں ہوگی۔

وضو کے فرائض

سورۃ المائدہ کی مذکورہ ما قبل آیت میں وضو سے متعلق چار باتوں کا حکم دیا گیا ہے اس لئے یہ چاروں چیزیں فرض ہیں۔

چہرے کا دھونا آیت فاغسلوا وجوهكم (یعنی اپنے چہروں کو دھوؤ) کے ذریعے چہروں کے دھونے کا حکم دیا گیا ہے اس لئے وضو میں چہرے کا دھونا فرض ہے۔

آیت میں وجوہ کا لفظ مذکور ہے اور وجوہ 'وجہ' کی جمع ہے اور وجہ مواجہہ سے مشتق ہے اس لئے وضو میں چہرے کی

اس مقدار کا دھونا فرض ہے جس سے مواجہت حاصل ہو اور مواجہت لمبائی میں پیشانی پر بالوں کے اُگنے کی جگہ سے ٹھوڑی کے نیچے تک اور چوڑائی میں ایک کان سے لے کر دوسرے کان تک کی مقدار سے حاصل ہوتی ہے۔ اس بنا پر چہرے کی مذکورہ مقدار کا دھونا فرض ہے۔

ہاتھوں کا دھونا

ہاتھوں کا کہنیوں سمیت دھونا فرض ہے۔ آیت مذکورہ میں چہرے کے دھونے کا حکم دینے کے بعد ہاتھوں کے دھونے کا حکم دیا گیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں وَ اَیدِیَکُمۡ اِلَی الۡمَرَافِق (یعنی اپنے ہاتھوں کو کہنیوں تک دھوؤ) اور یَدٌ کا اطلاق انگلیوں سے لے کر کندھے تک پورے عضو پر ہوتا ہے لیکن چونکہ لفظ الی المرافق (یعنی کہنیوں تک کے ذریعہ اس کی تحدید کردی گئی اس لئے کہنیوں تک دھونا فرض ہے۔

رہا یہ مسئلہ کہ ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھونا فرض ہے یا کہنیوں کو چھوڑ کر دھونا فرض ہے، چونکہ اس امر میں فقہا کا اختلاف ہے کہ غایت یعنی اِلیٰ کے بعد جو چیز مذکور ہے وہ مغیا یعنی اِلیٰ سے پہلے ذکر کی گئی چیز میں داخل ہوتی ہے یا نہیں۔ اس لئے جن حضرات کے نزدیک داخل نہیں ہوتی ان کے نزدیک کہنیوں کو دھونا فرض نہیں۔ اور جن کے نزدیک داخل ہوتی ہے ان کے نزدیک کہنیوں کا دھونا فرض ہے۔ چنانچہ اگر کہنیاں خشک رہ جائیں تو وضو نہیں ہوگا۔

سر کا مسح کرنا

چوتھائی سر کا مسح کرنا فرض ہے۔ آیت مذکورہ بالا میں حکم دیا گیا ہے۔ وامسحوا برؤسکم یعنی اپنے سروں کا مسح کرو برؤسکم میں رؤس پر باداخل ہے، اور جب حرف با محل پر داخل ہو تو اس محل کا بعض حصہ مراد ہوتا ہے جیسے کتبت بالقلم (میں نے قلم سے لکھا) اس میں حرف با قلم پر داخل ہے اور ظاہر ہے کہ اس سے قلم کا بعض حصہ مراد ہے نہ کہ پورا قلم اسی طرح یہاں رؤس پر باداخل کرنے سے سر کا بعض حصہ مراد ہوگا لیکن بعض سر کی مقدار کے بارے میں آیت مجمل ہے اور اس کا بیان اس حدیث میں ہے۔

عن المغیرۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم مسح ناصیتہٗ وعمامتہ وعلی الخفین۔ (سنن نسائی، ج اول ص۳۰)	حضرت مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پیشانی اور اپنی پگڑی اور موزوں پر مسح کیا۔

اور چونکہ ناصیہ یعنی پیشانی چوتھائی سر کے برابر ہے اس لئے چوتھائی سر کا مسح کرنا فرض ہے۔

پاؤں کا دھونا

پاؤں کا ٹخنوں سمیت دھونا فرض ہے ــــ آیت مذکورہ وارجلکم الی الکعبین (یعنی اپنے پاؤں کو ٹخنوں تک دھوؤ) میں لفظ ارجلکم منصوب ہے اور اس کا عطف وجوھکم

وایدیکم پر ہے اور جب چہرا اور ہاتھ کا دھونا فرض ہے تو پاؤں کا دھونا بھی فرض ہوگا۔

نیز ارجل جمع ہے رجل کی اور اس کا اطلاق پورے پاؤں پر ہوتا ہے لیکن لفظ کعبین پر اِلیٰ داخل کر کے کعبین تک پاؤں کو محدود کر دیا گیا یعنی پورے پاؤں کو دھونے کا حکم نہیں دیا گیا بلکہ کعبین (دونوں ٹخنوں) تک دھونے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور یہاں بھی جن حضرات کے نزدیک غایت مغیا میں داخل ہوتا ہے ان کے نزدیک ٹخنوں کا دھونا فرض ہے اور جن کے نزدیک غایت مغیا سے خارج ہوتا ہے اُن کے نزدیک ٹخنوں کا دھونا فرض نہیں ہے۔

فائدہ : کعبین۔ پاؤں کی اُبھری ہوئی اُن ہڈیوں کو کہتے ہیں جہاں پنڈلی کی ہڈی ختم ہوتی ہے۔

جنابت کا مفہوم

جنابت لغت میں شہوت کے ساتھ منی کے نکلنے کو کہتے ہیں جیسے کہا جاتا ہے اُجْنِبَ الرَّجُلُ جبکہ آدمی اپنی بیوی سے شہوت پوری کرے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جنابت مطلقاً منی کے نکلنے کو کہتے ہیں خواہ شہوت سے نکلے یا بلا شہوت، ان کی دلیل نبی علیہ السلام کا یہ فرمان ہے الماء من الماء حدیث ہیں ان کے نزدیک ما۔ اول سے مراد غسل اور ما۔ ثانی سے مراد منی ہے یعنی غسل منی کے نکلنے سے واجب ہوتا ہے خواہ شہوت ہو یا نہ ہو۔

امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک منی کے اپنے مستقر سے جدا ہونے کے وقت شہوت کا ہونا معتبر ہے خواہ ذکر سے نکلتے وقت شہوت ہو یا نہ ہو اور یہ حضرات حدیث اَلْمَاءُ مِنَ الْمَاءِ کو منی کے شہوت سے نکلنے پر محمول کرتے ہیں۔

امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جس طرح منی کے اپنے مقام سے جدا ہونے کے وقت شہوت شرط ہے اسی طرح ذکر سے نکلتے وقت بھی شہوت شرط ہے۔ مثلاً ایک شخص کی منی شہوت کے ساتھ اپنے مقام سے جدا ہوگئی اور اس شخص نے اپنا ذکر پکڑ لیا جس کی وجہ سے منی باہر نہیں نکلی اور اس کی شہوت ختم ہوگئی بعد ازاں منی کا خروج ہوا تو اس صورت میں امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک غسل واجب ہوگا، امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک غسل واجب نہیں ہوگا۔ اسی طرح احتلام کے سبب منی کے نکلنے سے بھی جنابت لاحق ہوجاتی ہے۔

استنجاء استنجاء، استفعال کے وزن پر ہے استفعال کے وزن پر جو مصدر ہوتا ہے اس میں طلب کا مفہوم پایا جاتا ہے جیسے استغنا اس کے معنی ہیں غنا طلب کرنا۔ استفتاء کے معنی ہیں فتویٰ طلب کرنا، استخارہ کے معنی ہیں خیر کا طلب کرنا، اسی طرح لفظ استنجاء بھی ہے یہ عربوں کے محاورہ نجوت الشجرہ سے ماخوذ ہے۔ اس کے معنی ہیں درخت کو قطع کیا۔ چونکہ پانی اور پتھر کے ذریعہ پلیدی اور نجاست قطع کی جاتی ہے یا دُور کی جاتی ہے اس لئے اس عمل کو استنجاء کہتے ہیں ——

ایک قول کے مطابق یہ نجوۃ سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں مرتفع زمین۔ چونکہ رفع حاجت کیلئے آدمی کسی اونچی جگہ کو تلاش کرتا ہے تاکہ اس کی آڑ میں رفع حاجت کرے اسی لئے اس کو استنجاء کہا جاتا ہے ——

لیکن شرع کی اصطلاح میں استنجاء سے مراد ہے، دونوں راستوں یعنی پیشاب و پاخانہ کی راہ سے جو چیز نکلے اس کا اس کے مخرج سے ازالہ کرنا اور یہ ازالہ پانی کے ذریعہ یا پتھر وغیرہ کے ذریعے بھی ہوتا ہے استنجاء یعنی طہارت کا اصلی طریقہ تو یہ ہے کہ پانی استعمال کیا جائے پہلی اُمتوں کو صرف پانی سے طہارت کا شرعاً حکم تھا لیکن مذہب اسلام نے عنایت اور سہولتِ عوام کی خاطر ڈھیلے پتھر وغیرہ سے بھی طہارت کی اجازت دی ہے اور جو لوگ ڈھیلے پتھر اور پانی دونوں چیزیں استعمال کرتے ہیں قرآن نے ان کو محبوب کہا ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے :——

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَیُحِبُّ الْمُتَطَہِّرِیْنَ (سورۃ البقرہ آیت) سیدھے ہاتھ سے استنجاء کرنے کو منع کیا گیا ہے۔

استنجاء کا مسنون طریقہ فقہ کی کتابوں میں تفصیل سے درج کیا گیا ہے جس کی تعلیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے یہود نے ایک بار طنز اور استہزاء کے طور پر سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا تھا کہ تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تو تم کو ہر چیز کی تعلیم دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ رفع حاجت کا طریقہ بھی بتا دیتے ہیں۔ حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا۔ بے شک، اور پھر اس کے بعد اس کی تفصیل بیان کی کہ ہم کو فلاں فلاں چیزوں سے استنجاء کرنے سے منع کیا گیا ہے" اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ استنجاء کا طریقہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلیم کردہ ہے

پانی سے استنجاء کرنے کی فضیلت

پیشاب اور پاخانہ کرنے کے بعد ان کو صاف کرنے کیلئے پانی سے استنجاء کرنا افضل ہے جیسا کہ درج ذیل آیت سے یہ مسئلہ معلوم ہوتا ہے فیہ رجال یحبون ان یتطہروا واللہ یحب المطہرین۔ یعنی اس میں ایسے آدمی ہیں کہ وہ خوب پاک ہونے کو پسند کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ خوب پاک ہونے والوں کو پسند کرتا ہے۔ اس آیت کے متعلق حضرت ابوھریرہ

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان منقول ہے کہ یہ آیت اھل قبآء کے حق میں نازل ہوئی ہے کیونکہ یہ لوگ پانی سے بھی استنجاء کیا کرتے تھے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا پانی سے استنجاء کرنے والوں کی تعریف میں مُبالغہ کرنا پانی سے استنجاء کرنے کی افضلیت کی دلیل ہے ۔

غسل کے فرائض

اگر کوئی شخص جُنبی ہوجائے تو غسل کرنا فرض ہے اور اس کی فرضیت قرآن کریم کی آیت (وان کنتم جنبا فاطهروا یعنی اگر تم جنابت کی حالت میں ہو تو سارا بدن پاک کرو) سے ثابت ہے) غسل میں کُلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا اور سارے بدن پر پانی پہنچانا فرض ہے کیونکہ مذکورہ آیت میں فاطهروا مبالغہ کا صیغہ ہے جس کے معنی ہیں خوب پاکی حاصل کرو اور یہ معنی اسی وقت حاصل ہوگا جب کہ ظاہری بدن کو پُوری طرح دھویا جائے اسی بناء پر فقہاء کرام غسل میں کُلی کرنے اور ناک میں پانی پہنچانے کو فرض قرار دیتے ہیں۔

چونکہ فقہاء نے مُنہ اور ناک کے دو اعتبار کئے ہیں۔ ایک اعتبار سے ان کو جسم کا اندرونی حصّہ قرار دیا ہے جبکہ بند ہوں یہی وجہ ہے کہ وضوء میں کُلی کرنے اور ناک میں پانی پہنچانے کو فرض نہیں کہتے بلکہ سُنّت قرار دیتے ہیں اور ایک اعتبار سے ان کو ظاہری جسم قرار دیا ہے جب کہ کھلے ہوں جس کی بناء پر غسل میں کُلی کرنے اور ناک میں پانی پہنچانے کو فرض قرار دیتے ہیں اس طرح غسل کے فرائض تین ہیں۔ (۱) کُلی کرنا (۲) ناک میں پانی ڈالنا (۳) تمام بدن پر پانی بہانا۔

حالتِ جنابت میں نماز کی ممانعت

اگر کوئی شخص جُنبی ہوجائے تو نماز پڑھنے کیلئے غسل کرنا فرض ہے جب تک غسل نہیں کرے گا نماز نہیں ہوگی۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل آیت سے ظاہر ہوتا ہے ۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُکٰرٰی حَتّٰی تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَلَا جُنُبًا	یعنی اے ایمان والو! تم نماز کے پاس بھی ایسی حالت میں مت جاؤ کہ تم نشہ میں ہو، یہاں تک کہ تم سمجھنے لگو کہ

اِلَّا عَابِرِیْ سَبِیْلٍ حَتّٰی تَغْتَسِلُوْا ط
(سورۃ النساء، آیت ۴۳)

منہ سے کیا کہتے ہو اور حالتِ جنابت میں بھی باستثناء تمہارے مسافر ہونے کی حالت کے یہاں تک کہ غسل کر لو۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حالتِ جنابت میں نماز کے قریب جانے کی ممانعت ہے۔ کیونکہ نماز کیلئے حدثِ اکبر اور حدثِ اصغر دونوں سے طہارت ضروری ہے اور چونکہ جنابت حدثِ اکبر ہے لہٰذا اس سے طہارت ضروری ہے جو غسل سے حاصل ہوتی ہے اسی بنا پر حالتِ جنابت میں نماز ممنوع ہے۔

حالتِ جنابت میں مسجد سے گذرنے کا مسئلہ

اگر کوئی شخص مسجد کے اندر جنبی ہو جائے تو وہ حالتِ جنابت میں مسجد کے اندر سے گزر سکتا ہے اور یہ مسئلہ آیت مذکورہ میں اِلَّا عَابِرِیْ سَبِیْلٍ کے استثناء سے ثابت ہوتا ہے۔ یعنی اے ایمان والو حالتِ جنابت میں مسجد کے قریب مت جاؤ مگر جب راہ سے گذرنے والے ہو لیکن یہ مسئلہ اس صورت میں ثابت ہوگا جبکہ لفظ صلوٰۃ سے نماز پڑھنے کی جگہ مسجد مراد ہو۔

پانی نہ ہونے کی صورت میں مسافر کے لئے فرضیتِ غسل سے استثناء

مسافر کو دورانِ سفر اگر جنابت لاحق ہو جائے اور اس کو پانی بھی نہ ملے تو ایسی صورت میں اس پر غسل کرنا فرض نہیں بلکہ نماز پڑھنے کیلئے تیمم کرنا واجب ہے اور یہ مسئلہ لفظ اِلَّا عَابِرِیْ سَبِیْلٍ سے ثابت ہے۔

اِلَّا عَابِرِیْ سَبِیْلٍ: میں ترکیب کے اعتبار سے دو احتمال ہیں یا تو یہ جُنُبًا سے استثناء ہے اس صورت میں آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ حالتِ جنابت میں بغیر غسل کئے نماز کے قریب نہ جاؤ، مگر وہ جنبی جا سکتا ہے جو مسافر ہو اور پانی نہ پائے۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ اِلَّا عَابِرِیْ سَبِیْلٍ جُنُبًا کی صفت ہو، اس وقت تقدیر عبارت ہوگی۔ وَلَا جنبا غَیْرَ عَابِرِیْ سَبِیْلٍ یعنی حالتِ جنابت میں وہ جنبی جو مسافر نہیں بغیر غسل کئے نماز کے قریب نہ جائے یعنی مسافر جا سکتا ہے جبکہ پانی موجود نہ ہو، چونکہ مسافر اکثر و بیشتر پانی سے دور رہتا ہے اور اس کے پاس پانی موجود نہیں ہوتا لہٰذا پانی موجود نہ ہونے کی صورت میں جنابت کی حالت میں بھی اس پر غسل واجب نہیں ہوتا بلکہ پانی نہ ہونے کی صورت میں مسافر پر نماز پڑھنے کیلئے تیمم کرنا واجب ہے جیسا کہ آیت کا اگلا حصہ اس پر دلالت کرتا ہے۔

تیمّم کی مشروعیت

عن عمار بن یاسر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عرس باولات الجیش ومعہ عائشۃ فانقطع عقد لہا من جزع ضفار فحبس الناس ابتغاء عقدہا ذالك حتّٰی اضاء الفجر ولیس مع الناس ماء فتغیظ علیہا ابوبکرؓ وقال حبست الناس ولیس معہم ماء فانزل اللہ تعالیٰ ذکرہ علیٰ رسولہ (صلی اللہ علیہ وسلم) رُخصۃ التطہر بالصعید الطیب فقام المسلمون مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فضربوا بایدیہم الی الارض ثم رفعوا ایدیہم ولم یقبضوا من التراب شیاء فمسحوا بہا وجوہہم وایدیہم الی المناکب۔

(ابوداؤد صـ ۵۱ جـ ۱)

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ بنی مصطلق میں) رات کو اُترے اور اولات الجیش میں (جو کہ مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک جگہ ہے) اور آپ کے ہمراہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں۔ ان کے گلے کی مالا ظفار عقیق (یمن کے ساحل پر واقع ایک بستی ہے) میں گر پڑی اس کی تلاش نے لوگوں کو روک رکھا یہاں تک کہ روشنی ہو گئی اور ان کے ساتھ پانی نہ تھا۔ حضرت ابوبکرؓ حضرت عائشہ صدیقہؓ پر غصہ ہوئے اور کہا کہ تُو نے لوگوں کو روک رکھا ہے اور اُن کے پاس پانی نہیں ہے۔ اس وقت اللہ جل جلالہٗ نے پاک مٹی سے طہارت حاصل کرنے کی آیتیں نازل فرمائیں۔ مسلمان، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھڑے ہوئے پس انہوں نے اپنے ہاتھوں کو زمین پر مارا پھر اُٹھا لئے اور مٹی نہ اُٹھائی اور مُنہ پر پھیرا اور ہاتھوں پر مونڈھوں تک۔

عن عائشۃؓ قالت بعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسید بن حضیر واناسامعہ فی طلب قلادۃ اضلتہا عائشۃ فحضرت الصلوٰۃ فصلوا بغیر وضوء فاتوا النبی صلی اللہ علیہ وسلم فذکروا ذالك فانزلت اٰیۃ التیمم زاد نفیل فقال لہا

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسید ابن حضیر اور کئی لوگوں کو ان کے ساتھ بھیجا، اس مالا کو تلاش کرنے کے لئے جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے گم کر دی تھی تو نماز کا وقت آ گیا لوگوں نے نماز پڑھی بغیر وضو کے پھر رسول اللہ صلی اللہ

اسید بن حضیر یرحمک اللہ ما نزل امر تکرھینہ الا جعل اللہ للمسلمین ولک فرجًا۔

(ابوداؤد ج ۱ ص۴۵ و ص۴۶)

علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپ سے بیان کیا۔ اس وقت تیمم کی آیت اُتری۔ ابن نفیل نے زیادہ کیا کہ اسید بن حُضیر نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے کہا کہ رحم کرے اللہ تعالیٰ تم پر اگر کوئی ایسا کام آن پڑتا جس کو تم بُرا جانتی ہو اللہ تعالیٰ تمہارے لئے اور مسلمانوں کیلئے اس میں بھلائی اور آسانی کر تا ہے۔

مریض کے تیمّم کا ثبوت

آیت مذکورہ میں وَ اِنْ کُنْتُمْ مَّرْضٰی کے جُملہ سے مریض کیلئے تیمّم کا ثبوت ملتا ہے۔ بظاہر آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر مریض کے لئے تیمّم کرنا جائز ہے مگر احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ یہاں مریض سے مُراد وہ مریض ہے جو کہ پانی کے استعمال پر قدرت نہ رکھتا ہو یعنی پانی کے استعمال سے اس کا مرض بڑھتا ہو یا مَوت کا اندیشہ ہو۔ ایسے مرض کی موجودگی میں تیمّم کرنا جائز ہے خواہ پانی موجود ہو یا نہ ہو یا پانی دور ہو یا پانی حاصل کرنے کے آلات ڈول، رسّی وغیرہ نہ ہوں یا پانی کے حصول میں کسی درندہ یا دشمن کا خوف حائل ہو جیسا کہ سنن ابی داؤد کی درج ذیل حدیث سے مذکورہ مسئلہ کی تائید ہوتی ہے۔

عن جابرؓ قال خرجنا فی سفر فاصاب رجلا منا حجر فشجّہ فی راسہ ثم احتلم فسال اصحابہ فقال ھل تجدون لی رخصۃ فی التیمم قالوا ما نجد لک رخصۃ وانت تقدر علی المآء فاغتسل فمات فلما قدمنا علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم اخبر بذالک فقال قتلوہ قتلھم اللہ تعالیٰ الا سالوا اذ لم یعلموا فانما شفاء العی السوال انما کان یکفیہ ان یتیمم ویعصر او یعصب شک موسٰی علی جرحہ خرقۃ ثم یمسح علیہا ویغسل سائر جسدہ۔

(سنن ابی داؤد ص۵۴ و ص۵۵ مکتبہ امدادیہ ملتان)

جابر رضی اللہ تعالیٰ سے روایت ہے کہ ہم سفر کو نکلے ہم میں ایک شخص کے پتھر لگا اس کا سر پھوٹ گیا پھر اس کو احتلام ہوا اس نے لوگوں سے پوچھا تم میرے لئے تیمم کی رخصت پاتے ہو انہوں نے کہا نہیں تیمم کیونکر درست ہو گا جب تو پانی پر قادر ہے اس نے غسل کیا اور مر گیا۔ جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے آپ سے بیان کیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان لوگوں نے اس کو ناحق قتل کیا، اللہ تعالیٰ ان کو قتل کرے جب ان کو مسئلہ معلوم نہ تھا تو پوچھ کیوں نہ لیا کیونکہ نہ جاننے کا علاج پوچھنا ہے۔ اس شخص کو تیمم کر لینا کافی تھا اور اپنے زخم پر ایک کپڑا باندھ کر ان پر مسح کرتا اور باقی سارا بدن دھو ڈالتا۔

مُسافر کے لئے بھی تیمّم کرنا جائز ہے۔

مُسافر کے لئے پانی موجود نہ ہونے کی صورت میں تیمم کرنا جائز ہے جیسا کہ آیت میں جُملہ اَوْ عَلٰی سَفَرٍ مُسافر کے لئے تیمم کے جواز پر دلالت کر رہا ہے

مگر جوازِ تیمم کے لئے شرط یہ ہے کہ پانی موجود نہ ہو یا پانی کے نکالنے پر قدرت نہ رکھتا ہو لیکن اگر پانی موجود ہو تو مسافر کیلئے تیمم کرنا درست نہیں ہے بلکہ نماز وغیرہ کے لئے وضوء کرنا ضروری ہے۔

مسافر اور مریض کے لئے پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمم کا وجوب :

مسافر اور مریض کو بول و براز کی وجہ سے حدثِ اصغر لاحق ہو جائے تو نماز کی ادائیگی کیلئے طہارت ضروری ہے اور پانی نہ ملنے کی صورت میں ان پر تیمم کرنا واجب ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ او جاء احد منکم من الغائط یعنی یا تم میں سے کوئی شخص استنجاء سے آیا ہو۔ یہاں آیت میں اَوْ بمعنی واؤ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آیت میں مسافر اور مریض ہی کے حال کو بیان کیا گیا ہے اور ان دونوں پر یہ وجوب طہارت اسی وقت ہوگا جبکہ غائط کے ذریعہ حدث لاحق ہو۔

اور اگر اَوْ بمعنی واؤ نہ ہو تو پھر عطف کے لئے ہوگا اور عطف مغایرت چاہتا ہے اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ جائی من الغائط مریض یا مسافر کے علاوہ کوئی اور ہے اور یہ خلافِ مقصود ہے۔

فائدہ غائط اس نشیبی جگہ کو کہتے ہیں جہاں لوگ قضاء حاجت کے لئے جاتے ہیں مگر یہاں کنایۃً غائط سے مراد بول و براز سے فارغ ہو کر آنا ہے۔

تیمم وضوء کا قائم مقام ہے

اصل تو یہی ہے کہ اگر پانی موجود ہو تو وضو ہی کرنا ہوگا اور اگر پانی موجود نہ ہو تو پھر تیمم وضو کا قائم مقام ہوگا جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے فلم تجدوا ماءً فَتَيَمَّمُوا یعنی پھر تم کو پانی نہ ملے تو تم پاک زمین سے تیمم کر لیا کرو۔

تیمم میں احناف و شوافع کا اختلاف

احناف کے نزدیک تیمم وضو کا خلف مطلق ہے یعنی تیمم کا وہی حکم ہے جو وضوء کا ہے جس طرح وضو کے ذریعہ حدث زائل ہو جاتی ہے اور نماز پڑھ سکتے ہیں۔ اسی طرح تیمم کے ذریعہ بھی حدث زائل ہو جاتی ہے۔

اور تیمم ٹوٹنے سے پہلے تمام نمازیں پڑھ سکتے ہیں۔ شوافع کے نزدیک تیمم وضو کا قائم مقام ضرورت کی بناء پر ہے چنانچہ تیمم کے ساتھ نماز پڑھنا ضرورۃً جائز ہے باوجودیکہ حدث کو زائل نہیں کرتا۔ یہی وجہ ہے کہ امام شافعیؒ کے نزدیک ہر نماز کیلئے تیمم کرنا ضروری ہے۔ لان الضرورۃ تتقدر بقدر الضرورۃ۔

تیمّم غسل کا بھی قائم مقام ہے

جس وقت مریض اور مسافر کو حدثِ اکبر لاحق ہو جائے کہ غسل کرنا ضروری ہو جائے اور پانی کے استعمال پر قادر نہ ہوں تو نماز کی ادائیگی کے لئے ان پر غسل کے بجائے تیمّم کرنا واجب ہے جیساکہ آیت مذکورہ کے جملہ او لمستم النسآء فلم تجدوا مآء فتیمموا سے یہ مسئلہ ثابت ہے آیت میں لمستم سے مراد جامعتم ہے یعنی یا تم نے بیبیوں سے جماع کیا ہو پھر تم کو پانی نہ ملے تو تم پاک زمین سے تیمّم کر لیا کرو۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے ابتداءً یہ رخصت مریض اور مسافر کو دی تھی بعد میں یہ رخصت ہر اس شخص کے لئے عام کر دی گئی جس پر طہارت واجب ہو اور وہ کسی وجہ سے پانی کے استعمال پر قادر نہ ہو تو وہ شخص غسل کے بجائے تیمّم کر سکتا ہے۔

جنسِ زمین سے تیمّم کا جواز

آیت مذکورہ میں حکم دیا گیا ہے کہ فتیمموا صعیدا طیبًا (پاک زمین سے تیمّم کر لیا کرو) صاحب کشاف اور صاحب تفسیر مدارک نے زجّاج سے نقل کیا ہے کہ صعید سے مراد سطح روئے زمین ہے خواہ مٹی ہو یا غیر مٹی۔

چنانچہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہر اس چیز سے تیمّم کو جائز کہتے ہیں جو زمین کی جنس سے ہو جیسے مٹی، ریت، گچ، چونا وغیرہ یعنی وہ اشیا جو آگ میں نہ پگھلیں نہ خاکستر ہوں۔

تیمّم کا طریقہ

تیمّم کا طریقہ بھی قرآن مجید کی مذکورہ آیت سے معلوم ہوتا ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ فامسحوا بوجوھکم وایدیکم یعنی اپنے چہروں اور ہاتھوں پر ہاتھ پھیر لیا کرو، اور اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ تیمّم کے دو رکن ہیں (۱) چہرے پر مسح کرنا (۲) ہاتھوں پر مسح کرنا۔ تیمّم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے ایک تھپکی مار کر پورے چہرے پر مسح کر لے اور پھر دوسری تھپکی مار کر ہاتھوں پر کہنیوں سمیت مسح کر لے۔

بارش کا پانی بالذّات پاک کرنے والا ہے۔

بارش کا پانی طبعی طور پر اشیا، کو پاک کر دیتا ہے اور جب پانی سے دوسری اشیار پاک ہو جاتی ہیں تو بذاتِ خود پانی بھی بطریقِ اولیٰ پاک ہوگا اس لئے کہ اگر خود پانی ہی پاک نہ ہو تو اس سے دوسری اشیا بھی پاک نہیں ہو سکتیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ

وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُم مِّنَ السَّمَاءِ مَاءً لِّيُطَهِّرَكُم بِهِ وَيُذْهِبَ عَنكُمْ رِجْزَ الشَّيْطَانِ وَلِيَرْبِطَ عَلَىٰ قُلُوبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْأَقْدَامَ

(پ سورۃ الانفال آیت ۱۱)

اور تم پر آسمان سے پانی برسا رہا تھا تاکہ اس پانی کے ذریعہ تم کو پاک کر دے اور تم سے شیطانی وسوسہ کو دور کر دے اور تمہارے دلوں کو مضبوط کر دے اور تمہارے پاؤں جما دے۔

اور اسی طرح آیت وَ اَنزلنا من السمآء ماءً طهورا۔ (اور ہم نے آسمان سے پاک پانی اُتارا۔) بھی بارش کے پانی کے طبعی طور پر پاک ہونے پر دلالت کرتی ہے چنانچہ جب پانی خود پاک ہے تو دوسری اشیار کو پاک کرنے والا بھی ہوگا۔

لفظ تطہیر میں دو احتمال

یطہر کم کا لفظ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر استعمال کیا گیا ہے مثلاً آیت مذکورہ میں مَاءً لیطہر کم۔ اسی طرح ولکن یرید لیطہرکم میں اور آیت یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطہرکم تطہیرًا میں ان آیات میں لیطہرکم کے لفظ میں معنوی اعتبار سے دو احتمال ہیں۔

(۱) **یطہرکم** تطہیر سے ماخوذ ہے اور اس سے مُراد روحانی نجاست یعنی گناہوں سے پاک کرنا مقصود ہے۔

(۲) **لیطہرکم** سے ظاہری نجاسات یا معنوی نجاسات یعنی جنابت اور احداث سے پاک کرنا مقصود ہے جیسا قرآن مجید میں ایک مقام پر لفظ تطہیر کا استعمال مذکورہ معانی کے لئے کیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے وان کنتم جنبًا فاطہروا یہاں سے مُراد نجاسات جنابت اور احداث سے پاکی مقصود ہے۔

حالتِ حیض میں بیوی سے جماع کرنا حرام ہے

حالتِ حیض میں عورتوں سے جماع کرنا حرام ہے، جماع کے علاوہ باقی سب کچھ کر سکتے ہیں یعنی ساتھ کھانا، پینا، اُٹھنا، بیٹھنا، حالتِ حیض میں جماع کی حُرمت قرآنِ کریم کی اس آیت سے ثابت ہے۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ قُلْ هُوَ اَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ

(پ، سورۃ البقرہ آیت ۲۲۲)

اور لوگ آپ سے حیض کا پوچھتے ہیں، آپ فرما دیجئے کہ وہ گندی چیز ہے تو حیض میں تم عورتوں سے علیحدہ رہا کرو اور ان سے قربت مت کیا کرو جبتک وہ پاک نہ ہو جائیں پھر جب وہ اچھی طرح پاک ہو جائیں تو ان کے پاس جاؤ جس جگہ سے تم کو خدا تعالیٰ نے اجازت دی ہے یقیناً اللہ تعالیٰ محبت رکھتے ہیں توبہ کرنے والوں سے اور محبت رکھتے ہیں پاک و صاف رہنے والوں سے۔

چونکہ اہلِ عرب یہودیوں اور مجوسیوں کی طرح حالتِ حیض میں عورتوں کے ساتھ کھانے پینے، اُٹھنے بیٹھنے سے اجتناب کرتے تھے اس لئے حضرت ثابت بن الدحداح رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے عورتوں کے ساتھ برتاؤ کے بارے میں دریافت کیا تو یہ آیت نازل ہوئی کہ حالتِ حیض میں عورتوں سے دُور رہو۔

اور اس پر تمام فقہاء کرام کا اتفاق ہے کہ یہاں اعتزال یعنی دُور رہنے سے مُراد عورتوں کے ساتھ ہمبستری کرنے سے دُور رہنا ہے نہ کہ کھانے پینے اور ساتھ بیٹھنے سے جیسا کہ لفظ محیض اس پر دلالت کرتا ہے۔

لفظ محیض مصدر میمی ہے اور اس سے مُراد یا تو نفس حیض ہے یا محل حیض ہے جیسے مَقِیل کے معنی ہیں قیلولہ کرنے کی جگہ یا مَبِیت رات گذارنے کی جگہ مگر یہاں نفس حیض مُراد ہے جیسے کہ سوال کا جواب هو اذی اس پر دلالت کرتا ہے کیونکہ نجاست نفس حیض ہے نہ کہ محل حیض۔

بہر حال مطلب یہ ہے کہ حیض سے فقط محل حیض ناپاک ہوتا ہے اور باقی جسم پاک رہتا ہے لہذا محل حیض سے استمتاع حرام ہے باقی جسم سے استمتاع حرام نہیں۔

حالتِ حیض میں عدمِ استمتاع کی حد میں اختلاف

امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ناف سے لے کر گھٹنوں تک استمتاع حرام ہے اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک فقط موضع فرج سے استمتاع حرام ہے جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے کہ جس وقت یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سوائے صحبت کے اور سب کچھ کر لیا کرو۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں ناپاکی کی حالت میں ہوتی اور میں پانی پی کر پیالہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں دیدیتی تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس میں میرے منہ کی جگہ منہ لگا کر پانی پی لیتے تھے اسی طرح میں ہڈی چوس کر دیدیتی تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے منہ کی جگہ منہ لگا کر چوس لیتے تھے۔ (مسلم شریف)

اس سے معلوم ہوا کہ حالتِ حیض میں ناف سے لے کر گھٹنوں تک کے علاوہ عورت کا باقی جسم پاک ہے اور ان جگہوں سے استمتاع جائز ہے۔

حائضہ عورت سے جماع کے حرام ہونے کی مدّت

مذکورہ آیت میں وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰی یَطْهُرْنَ کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ مرد عورت سے اس وقت تک جماع نہ کرے جب تک عورت پاک نہ ہو جائے پاک ہونے کے بعد جماع کر سکتا ہے۔

آیت میں صیغہ یطہرن میں دو قرائتیں ہیں ایک امام حفص رحمۃ اللہ علیہ کی قرارت یعنی تخفیف کے ساتھ جیسا کہ قرآن کریم میں بھی یہی قرأت مذکور ہے اور دوسری قرأت تشدید کے ساتھ یطّہّرن تخفیف والی قرأت سے معلوم ہوتا ہے کہ دمِ حیض کے بند ہوتے ہی حرمت ختم ہو جاتی ہے اور شوہر کیلئے بغیر غسل کے وطی کرنا حلال ہو جاتا ہے اور تشدید والی قرأت سے معلوم ہوتا ہے کہ دمِ حیض کے بند ہونے سے حرمت ختم نہیں ہوتی بلکہ غسل کرنے سے حرمت ختم ہوتی ہے اور شوہر کے لئے غسل کے بعد یا ایک نماز کا وقت گزر جانے کے بعد وطی کرنا حلال ہے۔ اس سے قبل حلال نہیں۔

تخفیف و تشدید والی دونوں قرأتوں پر عمل اس طرح ہوگا کہ اگر خون دس دن سے کم میں بند ہو جائے تو خاوند کیلئے بغیر غسل کے وطی کرنا حلال نہیں ہوگا چنانچہ اس طرح تشدید والی قرارت پر عمل ہوگا۔ اور اگر خون پورے دس دن میں بند ہو

تو شوہر کے لئے بغیر غسل کے وطی کرنا حلال ہوگا اس طرح تخفیف والی قرأت پر عمل ہوگا۔

دونوں قراتوں میں تطبیق

آیت زیر بحث میں صیغہ یطہرن میں جو دو قرأتیں ہیں اور دونوں کا مفہوم جدا جدا ہے۔ اب بظاہر دونوں قراتوں میں تعارض معلوم ہوتا ہے۔ اصول فقہ کا قاعدہ ہے کہ جب بظاہر دو آیتوں میں تعارض ہو اور ان کی تاریخ بھی معلوم نہ ہو تو اولاً ان دونوں میں تطبیق دیں گے تاکہ دونوں آیتوں پر عمل کرنا ممکن ہو یا ان میں سے ایک کو ترجیح دیں گے اور اگر دونوں میں تطبیق ممکن نہ ہو تو قاعدہ اذا تعارضا تساقطا کے مطابق دونوں کو چھوڑ دیں گے مگر اس مقام پر دونوں آیتوں میں تطبیق ممکن ہے اس طور پر کہ تشدید والی قرأت کو ہم اس صورت پر محمول کرتے ہیں جبکہ خون دس دن سے کم میں بند ہو جائے تو اس صورت میں غسل کرنے یا نماز کا وقت گذرنے سے پہلے وطی کرنا حلال نہیں۔

اور تخفیف والی قرأت کو اس صورت پر محمول کرتے ہیں جبکہ خون پورے دس دنوں میں بند ہوا ہو تو اس صورت میں بغیر غسل کے وطی کرنا حلال ہے اس لئے کہ یہ اکثر مدت حیض ہے اس طرح دونوں قراتوں پر عمل ہو جائے گا۔

جماع کے جائز ہونے کی شرط

پہلے یہ مسئلہ گذر چکا ہے کہ جب تک عورت پاک نہ ہو جائے اس وقت تک اس کے ساتھ جماع کرنا حلال نہیں ہے رہا یہ مسئلہ کہ عورت کے پاک ہونے کی کیا صورت ہے اور اس سے جماع کرنا کب جائز ہوگا؟ تو آیت مذکورہ میں جملہ :

فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللّٰهُ (پ	یعنی پھر جب وہ اچھی طرح پاک ہو جائیں تو ان کے پاس آؤ جس جگہ سے تم کو خدا تعالیٰ نے اجازت دی ہے۔

) نے اس کا حکم بیان فرمایا کہ وطی کے حلال ہونے کے لئے دو شرطیں ہیں (۱) خون کا بند ہونا (۲) دوسری شرط غسل کرنا۔

چونکہ یہاں پر تَطَهَّرْنَ مشدد ہے لہٰذا بغیر غسل کے حرمت ختم نہیں ہوگی فَاِذَا تَطَهَّرْنَ سے معلوم ہوتا ہے کہ حَتّٰی یطہرن والی قرأت بھی مشدد ہونی چاہیئے۔ لہٰذا مطلب یہ ہوگا کہ غسل سے پہلے وطی کرنا جائز نہیں۔

بعض حضرات نے جواب دیا ہے کہ فاتوھن من حیث امرکم اللہ میں امر ایتان استحباب کے لئے ہے تو مطلب یہ ہوا کہ غسل کے بعد وطی کرنا مستحب ہے اور غسل سے پہلے غیر مستحب ہے۔

کیونکہ اس کے بعد آنے والی آیت :

نِسَآءُکُمْ حَرْثٌ لَّکُمْ فَأْتُوْا حَرْثَکُمْ اَنّٰی شِئْتُمْ (پ) — یعنی تمہاری عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں تم اپنی کھیتیوں کو جس طرح چاہو استعمال کرو۔

یہ آیت من حیث امرکم اللہ کی تشریح ہے اور عورتوں کو کھیتی کے ساتھ تشبیہ اس لئے دی کہ ان کے رحموں میں جو نطفے ڈالے جاتے ہیں وہ تخموں کی طرح ہیں اور موضع حرث فرج ہے نہ کہ دُبر جو کہ موضع فرث یعنی گندگی کی جگہ ہے۔

کیفیتِ جماع

عورتوں کیساتھ مرد جس طرح چاہے جماع کرسکتا ہے۔ خواہ کروٹ پر لٹا کر یا آگے پیچھے بیٹھ کر یا نیچے لیٹ کر۔ وطی میں یہ تعمیم بھی آیت فأتوا حرثکم انّٰی شئتم سے ثابت ہے جبکہ آیت میں لفظ انّی سے بمعنی کیف مُراد لیا جائے اس وقت آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں تم اپنی کھیتیوں کو جس طرح چاہو استعمال کرو خواہ کروٹ سے ہو یا آگے پیچھے بیٹھ کر یا لیٹ کر ہو مگر بہر صورت آنا کھیت میں ہو جو کہ فرج ہے یعنی بچے کی پیدائش فرج ہی سے ہوتی ہے دُبر، کھیت کے مُشابہ نہیں کیونکہ وہاں پیدائش نہیں ہوتی بلکہ وہ تو غلاظت کے نکلنے کی جگہ یعنی موضع فرث ہے۔

لفظ اَنّٰی کی تحقیق

اھلِ اصول کے نزدیک انّٰی دو معنی کے لئے آتا ہے (۱) اَنّٰی بمعنی من این جیساکہ قرآنِ کریم کا ارشاد ہے۔ حضرت زکریا علیہ السلام نے حضرت مریم علیہا السلام سے کہا یَا مَرْیَمُ اَنّٰی لَکِ ھٰذَا یعنی اے مریم یہ بے موسم پھل تیرے پاس کہاں سے آئے ؟ (۲) کبھی اَنّٰی بمعنی کیف کے آتا ہے جیساکہ حضرت زکریا علیہ السلام نے فرشتے کی ندا کا جواب دیتے ہوئے کہا قَالَ رَبِّ اَنّٰی یَکُوْنُ لِیْ غُلَامٌ یعنی اے میرے رَبّ ! مجھے لڑکا کیسے ہوگا حالانکہ میں بُوڑھا ہو چکا ہوں اور میری بیوی بانجھ ہے۔ آیت مذکورہ اَنّٰی شِئْتُمْ میں روافض کے نزدیک معاذ اللہ اَنّٰی من اَیْنَ کے معنی میں ہے مطلب یہ ہوا کہ عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں ان کے پاس جہاں سے چاہو آؤ، خواہ قبل سے خواہ دُبر سے۔

اھلِ سُنّت والجماعت کے نزدیک انّٰی بمعنی کیف ہے۔

انّٰی بمعنی کیفَ ہونے کی دلیل

آیت مذکورہ میں اہلِ سُنّت و الجماعت کے نزدیک انّٰی بمعنی کیف ہے اس لئے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے عورتوں کو کھیتیوں کے ساتھ تشبیہ دی ہے کیونکہ جس طرح کھیتیوں میں بیج ڈالنے سے پیداوار ہوتی ہے اسی طرح عورتوں کے رحموں میں نطفہ ڈالنے سے نسل بڑھتی ہے اور ولد کو نبات کے ساتھ تشبیہ دی اور بچّہ کی پیدائش اسی وقت ممکن ہے جب کہ وطی قبل میں ہو چونکہ موضعِ حرث قبل ہی ہے اور دُبر چونکہ موضعِ حرث نہیں بلکہ موضعِ فرث ہے لہٰذا دُبر محلِ وطی نہیں جب دُبر محلِ وطی نہیں تو انّٰی کا من این کے معنی میں استعمال درست نہیں بلکہ انّٰی بمعنی کیف درست ہے۔

لواطت کرنا حرام ہے

عورتوں سے دُبر میں وطی کرنا حرام ہے کیونکہ حالتِ حیض میں عورتوں کے ساتھ وطی کی حُرمت کی علّت اذی (نجاست) ہے اور وہی علّت نجاست دُبر میں وطی کرنے کی صورت میں بھی پائی جاتی ہے لہٰذا جو حکمِ حُرمت، حالتِ حیض میں وطی کرنے کا ہے وہی حکم دُبر میں وطی کرنے کا ہوگا۔

تو جس طرح حالتِ حیض میں وطی کرنا حرام ہے اسی طرح عورتوں کے ساتھ لواطت کرنا بھی حرام ہے۔ اور اسی قیاس پر مَردوں کے ساتھ لواطت کرنا حرام ہوگا مگر چونکہ مَردوں کے ساتھ لواطت کی حُرمت تو قرآنِ کریم سے ثابت ہے۔ اسی لئے قیاس کی ضرورت نہیں۔

لفظ صلوٰۃ کی تحقیق

صلاۃ کی اصل کے متعلق کہا گیا ہے کہ یہ اصل میں صلوۃ تھا۔ چونکہ واؤ متحرک ہے اور اس کا ماقبل مفتوح ہے اس لئے واؤ کو الف سے بدل دیا گیا چنانچہ بولنے میں تو اس کا تلفظ الف کے ساتھ اور کتابت میں واؤ کے ساتھ جو لکھتے ہیں تو اس لئے کہ یہ اشارہ مقصود ہوتا ہے کہ اصل واؤ کے تھا ہے اور یہ واؤ کے ساتھ کتابت قرآن کریم کے علاوہ اور کہیں نہیں کرتے ہیں۔

لفظ صلوۃ کے حقیقی لغوی معنی ہیں دونوں سرینوں کو ہلانا اور مجاز کے طور پر ارکانِ مخصوصہ (یعنی نماز) کے معنی میں استعمال ہوتا ہے کیونکہ اس میں دونوں سرینوں کو حرکت دی جاتی ہے اور استعارۃً دُعاء کے معنی میں استعمال ہوتا ہے مشہور یہ ہے کہ لغت کے اعتبار سے صلاۃ کے حقیقی معنی دُعاء کے ہیں اور مجازی معنی رحمت کے ہیں کیونکہ رحمت دعاء کا نتیجہ ہے اسی طرح ارکانِ مخصوصہ (یعنی نماز) کے معنی میں بھی مجاز ہے کیونکہ نماز دُعاء پر مشتمل ہے بعض کے قول کے مطابق لفظ صلاۃ دُعاء و رحمت کے درمیان مشترک ہے۔ بعض محققین کے نزدیک صلوۃ کے لغوی معنی ہیں مطلقاً مائل ہونا اور اس میلان کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو یہ رحمت ہے اور اگر ملائکہ کی طرف ہو تو یہ استغفار ہے اور مؤمنین کی طرف ہو تو اس سے مُراد مؤمنین کا ایک دوسرے کے لئے **دُعا** کرنا ہے چنانچہ اس بنا پر ان کے درمیان اشتراکِ معنوی ہوگا مختصر یہ کہ صلاۃ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو تو اس کے معنی ہیں رحمت اور ملائکہ کی طرف سے ہو تو اس کے معنی ہیں استغفار اور مؤمنین کی طرف سے ہو تو اس کے معنی ہیں دُعاء۔ اور چرندوں پرندوں کی جانب سے ہو تو اس سے مُراد تسبیح ہے۔

دُرود شریف میں جو اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ کہتے ہیں تو اس سے مُراد یا تو یہ ہے کہ اے اللہ حضرت **محمد** صلی اللہ علیہ وسلم کو دُنیا میں اس طور پر عظمت عطاء فرما کہ آپ کا ذکر بلند ہو اور آپ کی شریعت باقی رہے اور آخرت میں اس طرح کہ آپؐ کے اجر میں گونا در گونا اضافہ فرما اور اُمت کے حق میں آپ کی شفاعت کو قبول فرما۔

یا بقول بعض اس سے مُراد ہے رحمت نازل فرمایا اس سے مُراد ثناء کامل ہے چونکہ ثناء کامل کسی بندے کے بس میں نہیں اس لئے ہمیں تعلیم دی گئی کہ ہم اس کو اللہ تعالیٰ ہی کے حوالہ کر دیں کہ تو ہی آپؐ کی ثنائے کامل کر۔

اصطلاحِ فقہ میں صلاۃ ان اقوال و افعال کے مجموعے کو کہتے ہیں جو تکبیر تحریمہ سے شروع ہو کر سلام پر ختم ہوتے ہیں

اور اس کے لئے مخصوص شرائط ہیں یہ تعریف ہر نماز کو شامل ہے جو تکبیر تحریمہ سے شروع ہو کر سلام پر ختم ہو اس لئے سجدۂ تلاوت اس کے مفہوم سے خارج ہے ۔

مالکیہ اور حنابلہ نے صلاۃ (یعنی نماز) کی تعریف اس طرح کی ہے کہ یہ قربتِ فعلیہ ہے جس میں نیت، سلام اور سجدہ شامل ہے لفظ قربت سے مراد وہ عمل ہے جو قربِ الٰہی حاصل کرنے کا ذریعہ ہو اور لفظ فعلیہ میں وہ اعمال شامل ہیں جو اعضا جسم سے یا زبان سے یا قلب سے ادا کئے جاتے ہیں مثلاً رکوع سجود وغیرہ عمل ۔

نماز کی فرضیت اور اُس کے احکام میں تدریج

نماز، اسلام کے نظامِ عبادت کا اہم رُکن ہے جو ہر مسلمان پر فرض ہے اور یہ مذہب کے اُن اصول میں سے ہے جن پر تمام دُنیا کے مذاہب متفق ہیں قرآنِ پاک کی تعلیم کے مطابق دُنیا میں کوئی پیغمبر ایسا نہیں آیا جس نے اپنی اُمت کو نماز کی تعلیم نہ دی ہو اور اس کی تاکید نہ کی ہو خصوصاً ملتِ ابراہیمی میں اس کی حیثیت سب سے زیادہ نمایاں ہے ۔ قرآنِ کریم کی آیات سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اسلام کے زمانہ میں بھی عرب میں بعض یہودی اور عیسائی نماز پڑھتے تھے حدیث میں بھی یہودیوں اور عیسائیوں کی نماز کے تذکرے موجود ہیں ۔ مثلاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جب نماز پڑھو تو تہ بند باندھ لو یا چادر اوڑھ لو، یہودیوں کی طرح ننگے نہ پڑھو"

نیز حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات اور اپنے اسلام لانے کے تین برس پہلے سے رات کو نماز پڑھ لیتے تھے کسی نے ان سے پوچھا کہ آپ اُس وقت کس طرف رُخ کر کے نماز پڑھتے تھے کہنے لگے جدھر جی چاہا رُخ کر لیا۔

مختصر یہ کہ تمام مذاہبِ سابقہ کی طرح اسلام میں بھی نماز اہم ترین عبادت ہے یہی وجہ ہے کہ جب طائف کے وفد نے مدینہ منورہ آکر صلح کی بات چیت شروع کی تو نماز، جہاد اور صدقات سے مستثنیٰ ہونا چاہا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

جہاد اور صدقات سے تو مستثنیٰ کر دیا لیکن نماز کے متعلق فرمایا کہ جس دین میں خدا کے سامنے جھکنا نہ ہو اس میں کوئی بھلائی نہیں۔

یہ تو ظاہر ہے کہ اسلام کا آغاز غربت و مظلومی اور بے سروسامانی کے ساتھ ہوا تھا اس لئے ابتدائی زمانہ میں دن کے وقت کوئی نماز نہ تھی ہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان اسلام کے آغاز میں اخفاء کے خیال اور کفار و مشرکین کی ایذا رسانی کی وجہ سے عموماً رات کو نماز پڑھتے اور اگر دن کو پڑھتے تو کسی غار یا درہ میں اس فرض کو ادا کرتے اور نماز کا یہ طریقہ غالباً ان میں برسوں رہا جبکہ اسلام کی دعوت اعلانیہ نہیں دی جا سکتی تھی۔ پھر جب نسبتاً اطمینان حاصل ہوا اور دعوت کے اظہار کا وقت آیا تو اسلام کا قدم آہستہ آہستہ تفصیل کی طرف بڑھا —— چنانچہ رات کی طویل نماز یعنی تہجد کے علاوہ رات کے ابتدائی حصہ میں یعنی عشاء کی نماز اور تاروں کے جھلملاتے وقت بھی ایک نماز یعنی فجر کی نماز کا اضافہ کیا گیا پھر

ان اوقات کے علاوہ دن کے خاتمہ کے قریب کی ایک نماز یعنی نماز عصر کا اضافہ ہوا اس طرح تہجد کے علاوہ تین نمازیں یعنی عشاء، فجر اور عصر کی نمازیں ہو گئیں پھر عشاء کی نماز سے مغرب کو علیحدہ کر کے مغرب کی نماز بھی فرض ہوئی اور عصر کی نماز سے ظہر کو الگ کر کے ظہر کی نماز فرض کی گئی اس طرح پانچ وقت کی نمازیں مکمل ہوئیں ان پانچ نمازوں کی تکمیل کے بعد تہجد کی نماز جو پہلے فرض تھی اب اُمت کے لئے نفل ہو گئی۔

اب تک نمازوں میں صرف دو رکعتیں تھیں اب ظہر و عصر اور عشاء میں چار رکعتیں ہو گئیں لیکن سفر کے لئے اب بھی وہی دو رکعتیں قائم رہیں۔ ابتداءً نشہ کی حالت میں نماز کی اجازت تھی لیکن بعد میں نشہ کی حالت میں نماز پڑھنے کی ممانعت کر دی گئی۔ اسی طرح نماز میں سلام و کلام کی اجازت تھی لیکن بعد میں سلام و کلام سے منع کر دیا گیا۔

جہاں تک نماز کی فرضیت کا تعلق ہے تو وہ بالکل ظاہر ہے کیونکہ قرآن میں لفظ صلوٰۃ کا ذکر ستر سے زائد مقامات پر آیا ہے۔ مثلاً:

وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ (سورۃ البقرہ آیت ۴۳)	قائم کرو تم لوگ نماز کو (یعنی مسلمان ہو کر) اور دو زکوٰۃ۔

آیت میں اَقِیْمُوا امر کا صیغہ ہے اور امر وجوب یعنی فرض کے لئے آتا ہے۔ چنانچہ نماز ہر مسلمان پر فرض ہے شرعی عذر نہ ہو۔

نماز گناہوں کا کفارہ ہے

نماز کے بے شمار فوائد ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ نماز سے گناہ معاف ہوتے ہیں جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ طَرَفَیِ النَّهَارِ وَ زُلَفًا مِّنَ الَّیْلِ اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ ذٰلِكَ ذِكْرٰی لِلذّٰكِرِیْنَ۔ (سورہ ہود آیت ۱۱۴)

اور نماز کی پابندی رکھیے دن کے دونوں سروں پر اور رات کے کچھ حصوں میں بیشک نیک کام مٹا دیتے ہیں برے کاموں کو یہ بات ایک نصیحت ہے نصیحت ماننے والوں کیلئے

حضرات مفسرین نے فرمایا کہ حسنات یعنی نیک کاموں سے مراد تمام نیک کام ہیں جن میں نماز، روزہ، حج زکوٰۃ، صدقات، حسنِ خلق، حسنِ معاملہ وغیرہ سب داخل ہیں مگر نماز کو ان میں اوّلیت حاصل ہے جیسا کہ آیت کا سیاق بھی اسی پر دلالت کرتا ہے۔ اسی طرح لفظ سیئات بھی عام ہے جو تمام برے کاموں کو حاوی اور شامل ہے خواہ کبیرہ گناہ ہوں یا صغیرہ لیکن قرآن مجید کی ایک دوسری آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد ارشادات نے سیئات کو صغیرہ گناہوں کے ساتھ مخصوص قرار دیا ہے۔ یعنی نیک کام اور خاص طور پر نماز جو سب کاموں سے افضل ہے صغیرہ گناہوں کو مٹا دیتے ہیں۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ۔ (سورۃ النساء آیت ۳۱)

اگر تم بڑے گناہوں سے بچتے رہے تو ہم تمہارے چھوٹے گناہوں کا خود کفارہ کردیں گے، کیونکہ کبیرہ گناہ بغیر توبہ کے معاف نہیں ہوتے۔

نماز بیحیائی اور برائی سے روکتی ہے

نماز تمام گناہوں سے روکتی ہے جیساکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ (سورت العنکبوت آیت ۴۵)	بے شک نماز بے حیائی اور ناشائستہ کاموں سے روکتی ٹوک کرتی رہتی ہے۔

نماز کے تمام گناہوں سے روکنے کا مطلب احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اقامتِ صلوٰۃ کے معنی یہ ہیں کہ نماز کو بڑے اہتمام کیساتھ یعنی فرائض، واجبات سنن و مستحبات کا لحاظ کرکے خشوع و خضوع کے ساتھ پڑھے ایسی ہی نماز انسان کو برائیوں سے روکتی ہے اور جو لوگ نماز پڑھنے کے باوجود برائیوں میں مبتلا رہتے ہیں گویا کہ انہوں نے حقیقی معنی میں نماز پڑھنے کا حق ادا نہیں کیا، کیونکہ اگر نماز کو کما حقہٗ ادا کیا جائے تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ نمازی کے اندر کوئی برائی باقی رہ جائے۔

اپنے اھل وعیال کو نماز کی تاکید

قرآن مجید کی سورہ طٰہٰ کی آیت ۱۳۲ میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے نبی علیہ السلام کو اور آپ کے توسط سے پوری امت کو خطاب فرمایا ہے کہ اپنے اھل وعیال کو بھی نماز کا حکم دیجئے اور خود بھی اس پر جمے رہیئے جیساکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

وَاْمُرْ اَھْلَکَ بِالصَّلٰوۃِ وَاصْطَبِرْ عَلَیْھَا۔ (سورۃ طٰہٰ ۱۳۲)	اور اپنے متعلقین کو بھی نماز کا حکم کرتے رہیئے۔ اور خود بھی اس پر پابند رہیئے۔

بظاہر آیت میں دو الگ الگ باتوں کا حکم ہے ایک اپنے اھل وعیال کو نماز کی تاکید کا۔ دوسرے بذاتِ خود اس کی پابندی کا حکم ہے۔

اگر غور کیا جائے تو خود اپنی نماز کی پابندی کے لئے بھی یہ ضروری ہے کہ اھل وعیال اور متعلقین بھی نماز کے پابند

ہوں کیونکہ اگر ماحول خلاف ہو تو طبعی طور پر انسان خود بھی کوتاہی کا شکار ہو جاتا ہے۔
نیز یہ کہ جب دوسروں کو نماز پڑھنے کی تاکید کرے گا تو خود بطریق اولیٰ نماز کی پابندی کرے گا۔ کیونکہ نماز کی پابندی نہ کرنے کی صورت میں خود اس کا اپنا نفس اس کو ملامت کرے گا کہ دوسروں کو تو نماز پڑھنے کی تاکید کرتا ہے اور خود نہیں پڑھتا۔

نماز باجماعت کا حکم

جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا حکم قرآن مجید کی آیت:

وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ | (رکوع کرو، رکوع کرنے والوں کے ساتھ)

سے ثابت ہے۔ اس آیت میں صلوٰۃ کو رکوع سے تعبیر کیا گیا ہے جس کے معنی یہ ہوئے کہ صَلُّوْا مَعَ الْمُصَلِّيْنَ یعنی نماز پڑھو نماز پڑھنے والوں کے ساتھ۔
اگرچہ اس آیت سے جماعت کی فرضیت ثابت ہوتی ہے لیکن احناف کے نزدیک یہ سنّت مؤکدہ ہے جو کہ وجوب کے درجہ میں ہے۔ احناف کی دلیل یہ ہے کہ جماعت، امام اور مقتدیوں پر موقوف ہے ان کے بغیر جماعت پر قدرت حاصل نہیں ہو سکتی۔ اور جس عمل کی قدرت غیر پر موقوف ہو تو ایسی قدرت ----
کا اعتبار نہیں کیا جاتا ہے اور نہ ہی انسان اس کی وجہ سے مکلّف ہوتا ہے اس لئے اگرچہ اس آیت سے جماعت کا وجوب ثابت ہوتا ہے لیکن احناف اس کو سنّت مؤکدہ قرار دیتے ہیں جو کہ وجوب کے درجہ میں ہے۔

پانچ نمازوں کا ثبوت

پانچ نمازوں کا ثبوت سورہ بقرہ کی درج ذیل آیت نمبر ۲۳۸ سے ملتا ہے:۔

حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ
(سورہ بقرہ آیت نمبر ۲۳۸)

(یعنی محافظت کرو سب نمازوں کی اور درمیان والی نماز کی اور کھڑے ہوا کرو اللہ کے سامنے عاجز بنے ہوئے۔

اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ دن رات میں پانچ نمازیں فرض ہیں کیونکہ صلوٰۃ جمع ہے اور جمع کے کم از کم تین افراد ہوتے ہیں پھر صلوٰۃ وسطیٰ کا اس پر عطف ہے اور معطوف و معطوف علیہ میں مغایرت ہوتی ہے اس لئے صلوٰۃ وسطیٰ ان تین نمازوں کے علاوہ ہے جو الصلوٰۃ کے تحت داخل ہیں۔ اس طرح چار نمازیں ہوگئیں۔ پھر صلوٰۃ وسطیٰ (درمیانی نماز) اس وقت درمیانی نماز بنے گی جبکہ نمازوں کی تعداد طاق ہو، اس طرح نمازیں پانچ ہوگئیں۔

صلوٰۃ وسطیٰ سے مُراد صلوٰۃ عصر ہے

والصلوٰۃ الوسطیٰ کی تفسیر میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک صلوٰۃ وسطیٰ سے فجر کی نماز مُراد ہے۔ بعض کے نزدیک ظہر کی نماز مُراد ہے۔
بعض کے نزدیک مغرب کی نماز مُراد ہے اور اسی اختلاف پر فقہائے کرام کا اختلاف مبنی ہے۔ صحابۂ کرام حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت علی کرم اللہ وجہہ، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت اُم سلمہ رضی حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صلوٰۃ وسطیٰ کی تفسیر صلوٰۃ عصر سے کی ہے جمہور فقہاء اور احناف بھی اسی کے قائل ہیں۔

پنجگانہ نمازوں کے اوقات کا ثبوت

پانچ نمازوں کے اوقات قرآنِ کریم کی درج ذیل آیت سے ثابت ہے۔

وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَیِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّیۡلِ ؕ (سورۃ ھود آیت نمبر ۱۱۴)	(یعنی اور آپ نماز کی پابندی رکھئے دن کے دونوں سروں پر اور رات کے کچھ حصوں میں)

علماء تفسیر صحابہؓ و تابعینؒ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اس جگہ صلوٰۃ سے مُراد فرض نمازیں ہیں اور اقامت سے مُراد اس کی پوری پابندی اور مداومت ہے۔
بعض نے فرمایا کہ نماز کو اس کے پورے آداب کے ساتھ ادا کرنا یعنی اس کے فرائض و واجبات، سنن و

مُستحبات خشوع وخضوع کا لحاظ کرتے ہوئے نماز پڑھنا مراد ہے۔

اس آیت سے اوقاتِ نماز کا ثبوت اس طرح ہوتا ہے کہ طَرَفَیِ النَّہَارِ (یعنی دن کے دونوں سِروں) میں پہلے سِرے سے مُراد نمازِ فجر ہے جس پر سب کا اتفاق ہے اور آخری سِرے کی نماز بعض حضرات نے نماز مغرب کو قرار دیا ہے کیونکہ دن کے بالکل اختتام پر ہے بعض حضرات نے عصر کی نماز کو دن کے آخری سِرے کی نماز قرار دیا ہے کیونکہ دن کی آخری نماز وہی ہے مغرب دن کا جزء نہیں بلکہ دن گزرنے کے بعد آتا ہے۔ بہر حال صلوٰۃ فجر اور عصر کا اثبات تو آیت کے پہلے حصہ طَرَفَیِ النَّہَارِ سے ہوتا ہے۔

وزلفا من اللیل۔ زلفا زلفۃ کی جمع ہے جس کے معنی حصہ اور قطعہ کے آتے ہیں یعنی رات کے حصوں کی نماز جمہور مفسرین حسن بصریؒ، مجاہدؒ، محمد بن کعبؒ، قتادہؒ، ضحاکؒ وغیرہم نے مغرب اور عشاء کی نماز کو قرار دیا ہے۔ اس طور پر آیت میں چار نمازوں کا بیان آگیا ہے لیکن اسی آیت سے پانچ نمازوں کے اوقات کا اثبات بھی ہوسکتا ہے۔ اس طور پر کہ نصف نہار (وقت زوال) دن کو دو حصوں میں تقسیم کرتا ہے۔ ایک حصہ طرف اوّل اور دُوسرا حصہ طرف ثانی۔ طرف اوّل میں نماز فجر آگئی اور طرف ثانی میں نماز ظہر اور عصر آگئی لہٰذا طرفِ النہار سے تین نمازوں کی طرف اشارہ ہوگیا اور زلفا مِنَ اللَّیْلِ میں مغرب اور عشاء کی نمازیں آگئیں تو اس طرح آیت کی دلالت پانچ نمازوں پر ہوگئی۔

لیکن پانچوں نمازوں کے اوقات کے اثبات کے لئے سب سے جامع سورہ اسراء کی آیت ۸ ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

أَقِمِ الصَّلَوٰةَ لِدُلُوكِ الشَّمْسِ إِلَىٰ غَسَقِ اللَّيْلِ وَقُرْآنَ الْفَجْرِ إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا

(سورہ اسراء آیت ۸)

یعنی آفتاب کے ڈھلنے کے بعد رات کے اندھیرے ہونے تک نمازیں ادا کیجئے اور صبح کی نماز بھی، بیشک صبح کی نماز حاضر ہونے کا وقت ہے۔

جمہور آئمہ تفسیر نے اس آیت کو پانچوں نمازوں کے لئے جامع حکم قرار دیا ہے کیونکہ دلوک کا لفظ اگرچہ اصل میں میلان کے معنی میں آتا ہے اور میلان، آفتاب کے زوال کے وقت شروع ہوتا ہے اور غروب کو بھی دلوک کہہ سکتے ہیں لیکن جمہور صحابہؓ وتابعینؒ نے اس جگہ لفظ دلوک کے معنی زوالِ آفتاب ہی کے ہیں۔

اِلیٰ غَسَقِ اللَّیْلِ۔ لفظ غسق کے معنی رات کی تاریکی مکمل ہوجانے کے ہیں۔ امام مالکؒ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ غسق کی یہی تفسیر نقل فرمائی ہے۔ اس طرح دلوک شمس میں چار نمازیں آگئیں۔ ظہر، عصر، مغرب، عشاء۔

وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ۔ اس جگہ قرآن سے نماز مُراد لی گئی ہے کیونکہ قرآن نماز کا اہم جزء ہے۔ اس لئے پُوری آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ دلوکِ الشمس الیٰ غسق اللیل کے الفاظ میں چار نمازوں کا بیان تھا۔ اور وقرآن الفجر میں پانچویں نماز، نمازِ فجر کا بیان ہے۔ اس کو الگ کر کے بیان کرنے میں اس نماز کی خاص اہمیت اور فضیلت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

پانچوں نمازوں کے ناموں کی تصریح

قرآنِ کریم میں پانچوں نمازوں کے اُوقات کے ناموں کی صراحت موجود ہے جس پر مفسرین کرام نے درج ذیل آیت سے استدلال کیا ہے۔

فَسُبْحَانَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَعَشِيًّا وَّحِيْنَ تُظْهِرُوْنَ (سورۃ الروم آیت ۱۷، ۱۸)	(یعنی سو تم اللہ کی تسبیح کیا کرو شام کے وقت اور صبح کے وقت اور تمام آسمان و زمین میں اسی کی حمد ہوتی ہے اور بعد زوال اور ظہر کے وقت)

اس آیت میں پانچوں نمازوں کا ان کے اُوقات سمیت ذکر آ گیا ہے جیسا کہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی نے دریافت کیا کہ کیا قرآنِ کریم میں پانچوں نمازوں کے ناموں کا ذکر صریح موجود ہے تو آپ نے فرمایا ہاں، اور استدلال میں یہی آیت پیش کر کے فرمایا کہ حِین تمسون میں نماز مغرب اور حین تصبحون میں نماز فجر اور عشیا میں نماز عصر اور حین تظہرون میں نماز ظہر کا ذکر صراحۃً موجود ہے اور نماز عشاء کے ثبوت میں دوسری آیت کا جملہ ارشاد فرمایا مِن بعد صلوٰۃ العشاء (سورۃ النور — آیت نمبر ۵۸)

اس طرح پانچوں نمازوں کے نام صراحۃً قرآنِ کریم سے معلوم ہو گئے اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے کہ عشاء کی نماز کا ثبوت بھی پہلی آیت سے ہے اس طرح کہ لفظ تمسون نماز مغرب اور عشاء دونوں کو شامل ہے۔

نمازوں کے اوقات کی ابتداء و انتہاء

نمازوں کے اوقات کی ابتداء وانتہاء بھی قرآن مجید سے معلوم ہوتی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :۔

فَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا وَمِنْ اٰنَآئِ الَّیْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰی (سورۃ طٰهٰ آیت نمبر ۱۳۰)

(یعنی سو آپؐ ان کی باتوں پر صبر کیجئے اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کیجئے آفتاب نکلنے سے پہلے اور اس کے غروب سے پہلے اور اوقاتِ شب میں تسبیح کیا کیجئے اور دن کے اوّل و آخر میں تاکہ آپؐ خوش ہوں۔

نمازِ فجر کا انتہائی وقت

آیت وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْس (اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کیجئے آفتاب نکلنے سے پہلے) میں عام مفسرین کے نزدیک تسبیح سے مُراد نماز ہے جیساکہ بعد میں بیان ہونے والے اوقات بھی نمازوں ہی کے اوقات ہیں تسبیح قبل طلوع سے مُراد نمازِ فجر ہے اس سے نمازِ فجر کا آخری وقت بھی معلوم ہوگیا کہ فجر کا وقت طلوعِ شمس سے پہلے پہلے ہے۔ طلوعِ شمس کے وقت فجر نہیں پڑھ سکتے۔

نمازِ ظہر و عشاء کا ابتدائی وقت

نمازِ ظہر و عشاء کا ابتدائی وقت سورہ اسراء کی آیت ۸۰ کے اس حصہ لدلوک الشمس الیٰ غسق اللیل سے معلوم ہوتا ہے۔ ظہر کا وقت زوالِ آفتاب سے شروع ہوتا ہے اور عشاء کا وقت غسق لیل سے یعنی جس وقت رات کی تاریکی مکمل ہوجائے۔ اسی لئے امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے وقت عشاء کی ابتداء اس وقت سے قرار دی ہے جبکہ شفق احمر کے بعد شفق ابیض بھی غروب ہوجائے اس لئے کہ رات کی تاریکی اسی وقت مکمل ہوتی ہے جب کہ اُفق کی سفیدی بھی ختم ہوجائے اور حدیث کے الفاظ یسود الافق سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

عصر کا ابتدائی اور ظہر کا انتہائی وقت

ظہر کا آخری وقت اور عصر کا ابتدائی وقت آیت کے جملہ طرفی النہار سے معلوم ہوتا ہے یہ جملہ تقاضا کرتا ہے کہ عصر کی نماز اس وقت پڑھی جائے جبکہ ہر شے کا سایہ دو مثل ہو جائے اس لئے کہ طرف شئ کے آخر کو کہتے ہیں لہذا طرف نہار جتنا وقت مغرب کے زیادہ قریب ہوگا۔ اس پر طرف کا اطلاق اتنا ہی بہتر ہوگا۔ معلوم ہوا کہ عصر کا ابتدائی وقت وہ ہے جبکہ ہر شئے کا سایہ دو مثل ہو جائے اور یہی وقت ظہر کا آخری وقت ہے اس لئے کہ جب عصر کا وقت شروع ہو گیا تو ظہر کا وقت ختم ہو گیا۔

عصر کا انتہائی وقت

عصر کا آخری وقت آیت وسبح بحمد ربك قبل طلوع الشمس وقبل غروبها میں لفظ غروبها سے ثابت ہے کیونکہ قبل غروب سے مراد نماز ظہر اور نماز عصر ہے اور آیت کے اسی حصہ سے عصر کا آخری وقت بھی معلوم ہو گیا کہ آخری وقت غروب سے پہلے پہلے ہے غروب کے وقت نماز عصر شروع نہیں کر سکتے۔

مغرب کا ابتدائی وقت

مغرب کا ابتدائی وقت بھی آیت مذکورہ کے جملہ لدلوك الشمس سے معلوم ہوتا ہے جیسا کہ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ دلوک شمس سے زوال شمس بھی مراد لے سکتے ہیں اور غروب شمس بھی اگر دلوک سے مراد زوال ہو تو اس سے ظہر کا ابتدائی وقت ثابت ہوتا ہے جیسا کہ پہلے مذکور ہو چکا اور اگر دلوک سے مراد غروب ہو تو اس سے مغرب کا ابتدائی وقت ثابت ہوتا ہے کیونکہ مغرب کا ابتدائی وقت غروب آفتاب سے شروع ہو جاتا ہے اور اس پر بھی تمام آئمہ کا اتفاق ہے۔

مغرب کا انتہائی اور عشاء کا ابتدائی وقت

مغرب کا انتہائی اور عشاء کا ابتدائی وقت الی غسق اللیل سے ثابت ہے کیونکہ غسق، رات کے خوب تاریک ہو جانے کو کہتے ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰی | (یعنی نماز پڑھ غروب شمس سے رات کے خوب

غَسَقِ الَّیْلِ	تاریک ہوجانے تک)

اس سے معلوم ہوا کہ مغرب کا آخری وقت غسق لیل ہے۔ اور یہی وقت عشار کا اوّل وقت ہے کیونکہ جب مغرب کا وقت ختم ہوگیا تو عشار کا وقت شروع ہوگیا۔

اگرچہ پانچ نمازوں میں سے تین نمازیں یعنی (ظہر، عصر، مغرب) تو ایسی ہیں کہ ان کے اوّل و آخر وقت کا ثبوت تو قرآنِ کریم سے ملتا ہے اور نماز عشار کے اوّل وقت کا ثبوت بھی قرآن کریم سے ملتا ہے مگر آخری وقت کا ثبوت احادیث سے ملتا ہے۔ اسی طرح نماز فجر کا آخری وقت تو قرآن مجید سے ثابت ہے مگر اوّل وقت کا ثبوت قرآن کریم سے نہیں بلکہ احادیث سے ہے۔ ہاں اگر:

حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَکُمُ الْخَیْطُ الْاَبْیَضُ مِنَ الْخَیْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ۔ (سورت بقرہ آیت ۱۸۷)	یعنی کھاؤ پیو اُس وقت تک کہ تم کو سفید خط (کہ عبارت ہے نور سے) صبح (صادق) کا متمیز ہوجائے سیاہ خط سے پھر صبح صادق سے۔

سے استدلال کیا جائے تو نماز فجر کا ابتدائی وقت اور اسی طرح عشار کا آخری وقت بھی قرآن مجید سے ثابت ہوجائیگا کیونکہ "مِنَ الْفَجْرِ" "خیطِ ابیض" سفید دھاگہ کا بیان ہے۔

نماز کو اپنے وقت میں پڑھنا ضروری ہے

ہر نماز کے لئے وقت مقرر ہے اور نماز کو اپنے مقررہ وقت میں پڑھنا ضروری ہے۔ وقت نکلنے کے بعد نماز ادا نہیں رہتی بلکہ قضار بن جاتی ہے جہاں تک ممکن ہو نماز کو وقت سے نہ ٹالا جائے یہ مسئلہ قرآن مجید کی درج ذیل آیت سے ثابت ہے۔

اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتٰبًا مَّوْقُوْتًا۔ (سورۃ النساء آیت ۱۰۳)	یعنی یقیناً نماز مسلمانوں پر فرض ہے اور وقت کے ساتھ محدود ہے۔

نماز میں نیت شرط ہے

نماز میں نیت کرنا شرط ہے جس کی دلیل قرآنِ کریم کی یہ آیت ہے:

وَادْعُوْہُ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ ط	یعنی اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اس طور پر کہ اس

(سورہ اعراف آیت ۲۹) | عبادت کو خالص اللہ ہی کے واسطے رکھا کرو۔

مطلب یہ ہوا کہ اللہ کی عبادت میں کسی اور کو شریک نہ کر دیا ریاکاری مقصود نہ ہو صرف ایک اللہ تعالیٰ کی عبادت مقصود ہو چونکہ قصد اور خلوص کا تعلق قلب کے ساتھ ہے اور قلب میں عبادت کو اللہ تعالیٰ کے لئے خالص کرنے یا قلب میں اللہ کی عبادت کا قصد کرنے کا نام ہی نیت ہے اس لئے نیت شرط ہے۔

تکبیرِ تحریمہ کی فرضیت

اِس پہلی تکبیر کو تحریمہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس تکبیر کے بعد وہ تمام اعمال حرام ہو جاتے ہیں جو کہ نماز کے منافی ہیں۔ فقہائے کرام نے نماز میں تکبیرِ تحریمہ کو درج ذیل آیت سے ثابت کیا ہے۔

یَآ اَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ وَثِیَابَكَ فَطَهِّرْ ۔(سورۃ المدثر آیت ۱ تا ۴) | (یعنی اے کپڑے میں لپٹنے والے اُٹھو پھر ڈراؤ اور اپنے رب کی بڑائی بیان کرو اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھو)

فقہاء ومفسّرین نے لفظ فَکَبِّرْ کو تکبیرِ تحریمہ پر محمول کیا ہے اور صاحبِ ہدایہ نے بھی نماز میں تکبیرِ تحریمہ کی فرضیت پر اسی آیت سے استدلال کیا ہے چنانچہ فرمایا کہ التحریمة فرض لقوله تعالیٰ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ یہاں تکبیر سے مُراد تکبیرِ تحریمہ ہے۔

آیا تکبیرِ تحریمہ نماز سے خارج ہے یا نماز میں داخل ہے؟

تکبیرِ تحریمہ فرض ہو یا شرط و رُکن ہو یا نماز سے خارج ہو یا داخل ہو عملی اعتبار سے سب کے نزدیک تکبیرِ تحریمہ کے بغیر نماز نہ ہوگی۔ تکبیرِ تحریمہ امام شافعیؒ کے نزدیک نماز کا رُکن ہے اور نماز میں داخل ہے کیونکہ اس کے لئے بھی وہ تمام شرائط ضروری ہیں جو نماز کے دیگر ارکان کے لئے ضروری ہیں۔

احناف کے نزدیک تکبیرِ تحریمہ شرط ہے اور نماز سے خارج ہے احناف سُورۃ الاعلیٰ کی آیت ۱۵ وذکر اسم ربه فصلّٰی سے استدلال کرتے ہیں کہ اس آیت میں اسم رب کے ذکر کے بعد نماز کو ذکر کیا گیا ہے اور اسم رب کے

ذکر سے مراد تکبیر تحریمہ ہے اور فصلّی میں فا عاطفہ ہے ذکر پر عطف ہے اور عطف معطوف و معطوف علیہ کے درمیان مغایرت چاہتا ہے اس لئے کہ تکبیر تحریمہ اور نماز ایک دوسرے کے غیر ہیں اس بنا پر تکبیر نماز کے اندر داخل نہیں بلکہ نماز سے خارج ہے۔ اور تکبیر تحریمہ میں دیگر شرائط (مثلاً طہارت وغیرہ) کا جو اعتبار کیا گیا ہے وہ محض اس بناء پر ہے کہ اس کے بعد فوراً قیام ہے جس کیلئے وہ شرائط لازمی ہیں۔

نماز میں قیام کی فرضیت

نماز میں قیام فرض ہے جس کا ثبوت قرآن مجید کی اس آیت سے ہے۔
قُوْمُوْا لِلّٰہِ قَانِتِیْنَ (ترجمہ) اور کھڑے ہوا کرو اللہ کے سامنے عاجز بنے ہوئے۔

قُوْمُوْا امر کا صیغہ ہے اور قیام سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں کھڑے ہونا۔ قانتین، قنوت سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں خاموش رہنا۔ تو آیت کا مطلب یہ ہوا کہ نماز میں اللہ کے سامنے خاموش کھڑے ہوا کرو۔

صاحب ہدایہ نے اس آیت سے قیام کی فرضیت پر استدلال کیا ہے چنانچہ فرمایا کہ وَالْقِیَامُ لِقَوْلِہٖ تَعَالٰی وَقُوْمُوْا لِلّٰہِ قَانِتِیْنَ۔ یعنی قیام اللہ تعالیٰ کے قول وَقُوْمُوْا لِلّٰہِ قَانِتِیْنَ کی بناء پر فرض ہے۔

نماز میں کلام کی حرمت

نماز میں کلام کرنا حرام ہے اس کا ثبوت بھی قرآن کریم کی آیت قُوْمُوْا لِلّٰہِ قَانِتِیْنَ سے ہے اس کی تائید حضرت زید بن ارقم کی روایت سے ہوتی ہے وہ فرماتے ہیں کہ ابتداء اسلام میں ہم میں سے ہر ایک نماز میں بات کرتا تھا یہاں تک کہ جب ہم میں سے کوئی نماز میں داخل ہوتا تو اپنے ساتھی سے دریافت کر لیتا تھا کہ تم نے کتنی رکعتیں پڑھ لیں پس ان کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی ؛

قُوْمُوْا لِلّٰہِ قَانِتِیْنَ یعنی کھڑے ہوا کرو اللہ کے سامنے عاجز بنے ہوئے۔

قانتین کے معنی ہیں ساکتین یعنی نماز میں اللہ کے سامنے کھڑے ہو اس حال میں کہ تم اللہ کے ماسوا کے ذکر سے خاموش رہو۔

بوقتِ خوف قیام کی فرضیت کا سقوط

اگر دشمن یا حملہ آور درندہ وغیرہ کا خوف ہو تو ایسی صورت میں قیام فرض نہیں رہتا بلکہ نمازی کو اس بات کا اختیار ہوتا ہے کہ خواہ پیادہ نماز پڑھے خواہ سواری کی حالت میں تنہا تنہا اشارہ کے ساتھ جس طرف بھی رُخ ہو جیسا کہ ارشادِ باری ہے

فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُکْبَانًا۔ (سورہ بقرہ آیت ۲۳۹)

یعنی پھر اگر تمہیں اندیشہ ہو تو کھڑے کھڑے یا سواری پر چڑھے چڑھے پڑھ لیا کرو۔

نماز میں ستر کو ڈھانکنا فرض ہے

اس کی فرضیت قرآن کریم کی اس آیت سے ثابت ہے۔

یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ وَّکُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ (سورۃ الاعراف ایت ۳۱)

اے آدم کی اولاد! تم مسجد کی حاضری کے وقت اپنا لباس پہن لیا کرو اور خوب کھاؤ پیو اور حد سے مت نکلو بیشک اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتے حد سے نکل جانے والوں کو۔

—— اس پر تمام مفسرین کا اجماع ہے کہ آیت میں لفظ زینت سے مُراد وہ لباس ہے جس سے ستر عورت ہو جائے اور مسجد سے مُراد نماز ہے جیساکہ صاحب ہدایہ کی رائے ہے فرماتے ہیں کہ: ویستر عورتہ لقولہ تعالیٰ خذوا زینتکم عند کُل مسجد ای مایواری عورتکم عند کل صلوٰۃ، اس آیت سے جمہور، صحابہؓ، تابعینؒ و ائمہ مجتہدینؒ نے کئی احکام اخذ کئے ہیں۔ اوّل یہ کہ جس طرح ننگے طواف کرنا منع ہے جیساکہ آیت کے شانِ نزول سے معلوم ہوتا ہے کہ اھلِ عرب، جاہلیت میں بیتُ اللہ کا طواف ننگے ہو کر کرنے کو صحیح عبادت سمجھتے تھے ان کے اس بیہودہ طریقہ کار کے خلاف یہ آیت نازل ہوئی اسی طرح ننگے نماز پڑھنا بھی حرام اور باطل ہے کیونکہ حدیث میں آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد ہے الطواف بالبیت صلوٰۃ یہاں بیتُ اللہ کے طواف کو صلوٰۃ کہا ہے اور یہ بات بھی معلوم ہو چکی کہ آیت میں مسجد سے مُراد نماز ہے یعنی مسجد کے معنی سجدہ کرنے کی جگہ اور سجدہ نماز کا رُکن ہے لہذا آیت صراحۃً اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ سجدہ کی حالت میں عُریانی کی ممانعت ہے۔ جب سجدہ کی حالت میں عُریانیت ممنوع ہے تو نماز کے باقی ارکان قیام، قعود، رکوع، وغیرہ نماز کے تمام افعال میں عریانیت کا ممنوع ہونا لازم ہے۔

اسی طرح دُوسرا مسئلہ یہ اخذ کیا ہے کہ نماز میں عمدہ لباس پہننا اولیٰ ہے کیونکہ آیت خذوا زینتکم عند کل مسجد میں لباس کو لفظ زینت سے تعبیر کر کے اس طرف اشارہ فرمایا گیا ہے کہ نماز میں صرف ستر پوشی پر اکتفانہ کیا جائے بلکہ افضل اور اولیٰ یہ ہے کہ اپنی وسعت کے مُطابق لباسِ زینت اختیار کیا جائے۔

حضرت حسن بصری رحمۃُ اللہ علیہ کی عادت شریفہ تھی کہ نماز کے وقت اپنا سب سے عُمدہ لباس پہنتے تھے اور فرماتے

تھے کہ اللہ تعالیٰ جمال کو پسند فرماتے ہیں اس لئے میں اپنے رب کے لئے جمال وزینت اختیار کرتا ہوں۔

نماز کیلئے کپڑوں کا پاک ہونا

نماز کے لئے کپڑوں کا پاک ہونا شرط ہے اس کی دلیل سورۃ المدثر کی آیت ۴ ہے۔

وثیابك فطھر (یعنی اپنے کپڑوں کو پاک رکھیے)

مفسرین کرام نے ثیاب سے کئی چیزیں مراد لی ہیں۔ ثیاب سے عمل بھی مراد ہو سکتا ہے کہ اپنے اعمال کی تطہیر یعنی اصلاح فرمائے اسی طرح اخلاقِ رذیلہ بھی مراد ہو سکتے ہیں مطلب یہ ہوگا کہ اخلاقِ رذیلہ سے پاک رہیئے یعنی اخلاق کو درست کیجئے وغیرہ وغیرہ، لیکن اکثر حضرات مفسرین نے فرمایا کہ اس آیت میں نجاسات سے پاکی مقصود ہے۔ اور اگرچہ نجاسات سے پاکی حاصل کرنا ایک ایسا معاملہ ہے کہ انسان کو ہمیشہ پاک رہنا چاہیئے اور اپنے کپڑے بھی پاک رکھنے چاہئیں۔ نماز کے ساتھ اس کی تخصیص نہیں لیکن اس قرینہ کی بنا پر کہ یہاں وثیابك فطھر، وربك فکبّر کے ساتھ مذکور ہے اس لئے اس آیت سے مراد نماز کے وقت تطہیرِ ثوب ہے جیسا کہ قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ نماز کے لئے تو کپڑے کا پاک کرنا واجب ہے اور نماز کے علاوہ مستحب ہے۔

رکوع میں تسبیح پڑھنا،

رکوع میں تسبیح پڑھنے کا ثبوت مندرجہ ذیل آیت سے ہے۔

فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ (سورۃ الواقعہ آیت ۹۶) | سو اپنے عظیم الشان رب کی تسبیح کیجئے۔

یعنی سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ پڑھ۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ قل سبحان ربی العظیم۔ سورۃ الواقعہ کی اس آیت سے رکوع میں تسبیح پڑھنا ثابت ہے کیونکہ مرفوع حدیث میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو نبی علیہ السلام نے فرمایا اجعلوھا فی رکوعکم یعنی اس کو اپنے رکوع میں مقرر کرو۔

اس سے ثابت ہوا کہ یہاں تسبیح سے مراد رکوع کی تسبیح ہے یعنی سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ اور امر ندب کے لئے ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ تسبیح کا پڑھنا مستحب ہے۔

چونکہ یہ آیت پورے قرآنِ کریم میں اللہ رب العزت نے تین مقامات پر ذکر فرمائی ہے۔ جس سے اس بات کی طرف

اشارہ ملتا ہے کہ رکوع میں کم از کم تین مرتبہ تسبیح پڑھنا چاہیئے۔

سجدہ میں تسبیح پڑھنا

سجدہ میں تسبیح پڑھنے کا حکم قرآن کریم کی آیت ذیل سے ثابت ہے۔

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى
(سورۃ الاعلیٰ آیت ۱)

(ترجمہ) اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم آپ (اور جو مؤمن آپ کے ساتھ ہیں) اپنے پروردگار عالیشان کے نام کی تسبیح کیجئے۔

اس آیت کے بارے میں قاضی بیضاویؒ سے منقول ہے کہ جب آیت فسبّح باسم ربّك العظيم نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اجعلوها في ركوعكم۔ اس کو اپنے رکوع میں مقرر کرو۔ اور جب آیت سبّح اسم ربّك الاعلىٰ نازل ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اجعلوها في سجودكم اس کو اپنے سجدوں میں مقرر کرو۔ چنانچہ سجدوں میں سُبحان ربّيَ الأعلىٰ پڑھا جاتا ہے ورنہ ان آیتوں کے نزول سے پہلے لوگ رکوع میں اللّٰھمّ لكَ ركعت اے اللہ میں نے تیرے لئے رکوع کیا اور سجدہ میں اللّٰھمّ لكَ سجدت (اے اللہ میں نے تیرے لئے سجدہ کیا) پڑھتے تھے۔

نماز میں رکوع کی فرضیت

نماز میں رکوع کی فرضیت سورہ بقرہ کی آیت وارکعُوا سے ثابت ہے۔ وارکعُوا اُمر کا صیغہ ہے۔ اور امر وجوب بمعنی فرض کے لئے آتا ہے اور رکوع کے معنی مطلقاً جھکنا۔ اس لئے مطلقاً جھکنا تو نماز میں فرض ہے لیکن رکوع میں کمر کا اس طرح سیدھا کرنا واجب ہے کہ سر اور سرین دونوں برابر ہو جائیں یہ احادیث سے ثابت ہے اسی طرح رکوع میں اتنی دیر ٹھہرنا ضروری ہے کہ کم از کم ایک بار رکوع کی تسبیح پڑھ سکے۔

نماز میں بیت اللہ کیطرف رُخ کرنا فرض ہے

ابتدائے اسلام میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔ مکہ مکرمہ میں بیت اللہ کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھتے تھے، پھر جب آپ

صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت فرمائی تو آپ کو بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھنے کا حکم ملا اور تقریباً سولہ سترہ یا اٹھارہ ماہ کے قیام کے بعد ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ میں مسجد بنی سلمہؓ میں بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے نماز ظہر باجماعت ادا فرما رہے تھے کہ جبرئیل آمین علیہ السلام یہ آیت لے کر نازل ہوئے۔

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ۔

(سورہ بقرہ آیت نمبر ۱۴۴)

(ترجمہ) ہم آپ کے منہ کا بار بار آسمان کی طرف اٹھانا دیکھ رہے ہیں اس لئے ہم آپ کو اسی قبلہ کی طرف متوجہ کر دیں گے جس کے لئے آپ کی مرضی ہے پھر اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف کیا کیجئے اور تم سب لوگ جہاں کہیں بھی موجود ہو اپنے چہروں کو اسی کی طرف کیا کرو اور یہ اہل کتاب بھی یقیناً جانتے ہیں کہ یہ بالکل ٹھیک ہے ان کے پروردگار ہی کی طرف سے اور اللہ تعالیٰ ان کی ان کارروائیوں سے کچھ بے خبر نہیں۔

پس نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نماز ہی کے اندر اپنا رُخ کعبہ کی طرف پھیر لیا اور باقی نماز بیت اللہ کی طرف رُخ کئے ہوئے ادا فرمائی۔ لہٰذا اس آیت سے یہ حکم ثابت ہے کہ نماز میں مسجد حرام (بیت اللہ) کی طرف رُخ کرنا فرض ہے۔

تحویلِ قبلہ کا واقعہ

جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں رہے اس وقت تک آپؐ اس طرح نماز پڑھتے رہے کہ رُخ اگرچہ بیت المقدس کی طرف رہتا لیکن خانہ کعبہ درمیان میں آجاتا۔ پھر جب آپؐ ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لے آئے تو تقریباً سولہ ماہ تک بیت المقدس ہی طرف رُخ کر کے نماز پڑھتے رہے کیونکہ یہاں اس کی گنجائش نہیں تھی۔ لیکن آپؐ اس کے شدید مشتاق تھے کہ خانہ کعبہ، قبلہ ہو اور اس اشتیاق کی بنا پر حالت نماز میں آپؐ آسمان کی طرف نظریں اُٹھا اُٹھا کر دیکھا کرتے کہ شاید بیت المقدس کی بجائے خانہ کعبہ کو قبلہ بنائے جانے کا حکم نازل ہو جائے آخر سولہ مہینے تک مشتاقانہ انتظار کے بعد شعبان ۲ھ میں یکایک نماز کی حالت میں وحی نازل ہوگئی کہ اب بیت المقدس کی بجائے خانہ کعبہ کو قبلہ بنا دیا گیا۔ آپؐ نے عین حالتِ نماز ہی میں خانہ کعبہ کی طرف رُخ کر لیا مسجد ذوالقبلتین اب تک اس واقعہ کی یادگار کے طور پر موجود ہے۔ اس آیت کے نزول کے بعد تمام روئے زمین کے مسلمانوں کا قبلہ خانہ کعبہ قرار پایا۔

تمام روئے زمین کے مسلمانوں کا قبلہ خانہ کعبہ ہے،

آیت وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ط	تو آپ اپنا رُخ مسجد حرام کی طرف کیا کیجئے۔

کے ذریعہ پہلے تو صرف نبی علیہ السلام کو خانۂ کعبہ (بیتُ اللہ) کی طرف رُخ کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ پھر اس آیت کے اگلے حصہ:

وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ (اور تم جہاں کہیں بھی موجود ہو اپنے چہروں کو اسی کی طرف کیا کرو)

کے ذریعہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس حکم کو عام کر دیا کہ پوری اُمت مسلمہ روئے زمین پر جہاں کہیں بھی ہو اس کا قبلہ خانۂ کعبہ ہی ہے اسی حکم کی تاکید اور تصریح کیلئے اللہ ربُّ العزت نے آگے دو مرتبہ اور حکم فرمایا:

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ط	(یعنی اور جس طرف آپ نکلیں تو اپنا مُنہ مسجد حرام کی طرف کر لیجئے۔

سفر اور حضر دونوں حالتوں میں قبلہ کیطرف رُخ کرنا ضروری ہے۔

ہر شخص خواہ حالت سفر میں ہو یا حالت حضر میں اس کے لئے ضروری ہے کہ اپنا رُخ قبلہ ہی کی طرف کرے کیونکہ قرآن کریم کی درج ذیل آیتیں اس پر دلالت کرتی ہیں۔

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ط (سورۃ بقرہ آیت ۱۵۰)	آپ جہاں کہیں سے نکلیں تو اپنا مُنہ مسجد حرام کی طرف کر لیجئے۔
وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ (سورہ بقرہ آیت ۱۵۰)	اور اے مسلمانو! تم بھی جہاں کہیں ہو اپنا مُنہ اسی کی طرف کر لیا کرو۔

اس سے معلوم ہوا کہ آدمی جہاں کہیں بھی رہے خواہ سفر میں ہو یا حضر میں ہر حالت میں نماز کے وقت قبلہ کی طرف رُخ کرنا ضروری ہے

خوف کے وقت قبلہ رُخ ہونا ضروری نہیں

اگر نماز میں قبلہ کی طرف رُخ کرنے میں شدید خوف ہو تو ایسی صورت میں قبلہ کی طرف رُخ کرنا ضروری نہیں ہے بلکہ جس طرف بھی رُخ ہو خواہ سوار ہو یا پیادہ ہو نماز پڑھنا جائز ہے۔ اس لیے کہ قرآن کریم میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا (سورہ بقرہ آیت نمبر ۲۳۸)	پھر اگر تمہیں اندیشہ ہو تو تم کھڑے کھڑے یا سواری پر چڑھے چڑھے پڑھ لیا کرو۔

صاحبِ ہدایہ نے اس آیت کا یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ شدتِ خوف کے وقت نماز پڑھو سوار ہو کر تنہا تنہا اور رکوع وسجود کیلئے اشارہ کرتے رہو جس طرح چاہو، جبکہ قبلہ رُخ ہونے پر قدرت نہ پاؤ۔

فرجالاً کے معنی احناف کے نزدیک ہیں پاؤں پر کھڑے ہونے والے۔ چنانچہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک چلتے ہوئے نماز پڑھنا درست نہیں۔

لیکن امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک فرجالاً کے معنی پاؤں پر چلنے والے کے ہیں۔ اسی بنا پر ان کے نزدیک چلتے ہوئے نماز پڑھنا جائز ہے۔

جس مسجد میں نماز کا وقت ہو جائے وہیں نماز پڑھ لینا

آیت اقیموا وجوھکم عند کل مسجد سورہ اعراف آیت ۲۹ سے فقہائے کرام نے یہ مسئلہ بھی ثابت کیا ہے کہ جس مسجد میں نماز کا وقت ہو جائے تو وہیں نماز پڑھنا چاہیئے، لیکن یہ اسی وقت ثابت ہو گا جبکہ آیت میں مسجد سے مُراد نماز پڑھنے کی جگہ ہو اس صورۃ میں مطلب یہ ہو گا کہ اگر تم کسی مسجد کے پاس ہو اور نماز کا وقت ہو جائے تو نماز پڑھ لو اور اس وجہ سے نماز میں تاخیر نہ کرو کہ میں اپنی مسجد میں جا کر نماز پڑھوں گا۔

امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہی مسلک ہے مگر اتنی تفصیل ہے کہ اگر کوئی شخص کسی دوسری مسجد کا امام ہو یا وہ شخص ایسا منتظم ہو کہ اس کی عدم موجودگی میں دوسری مسجد میں جماعت کے نظام میں خلل واقع ہو جائے تو ایسے اشخاص کے لئے مسجد سے اذاں ہونے کے بعد بھی چلا جانا درست ہے۔

مُقتدی کو امام کی قرأت سُننے اور خاموش رہنے کا حکم

احناف کے نزدیک مقتدی کے لئے قرأت کرنا جائز نہیں بلکہ امام کی قرأت کو سُننا اور خاموش رہنا واجب ہے۔
علماء احناف نے مقتدی کے لئے ترک قرأت کے وجوب پر اس آیت سے استدلال کیا ہے۔

وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ، (سورۃ اعراف آیت ۲۰۴)	اور جب قرآن پڑھا جایا کرے تو اس کی طرف کان لگا دیا کرو اور خاموش رہا کرو اُمید ہے کہ تم پر رحمت ہو۔

اس آیت میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآنِ کریم کے پڑھے جانے کے وقت مطلقاً خاموش رہنے کا حُکم دیا ہے خواہ قرأت قرآن نماز میں ہو یا خطبہ میں یا کسی اور مقام پر ہو بہر حال قرآن کا سُننا اور خاموش رہنا واجب ہے۔
مذکورہ بالا آیت کی رُو سے نماز میں قرأت پورے طور سے سُننا واجب ہے اور پُورے طور پر سُننا اُسی وقت ممکن ہے جبکہ خاموش رہے۔ تو معلوم ہوا کہ جس طرح قرأتِ قرآن کے وقت سُننا واجب ہے اسی طرح خاموش رہنا بھی واجب ہے۔ نیز استماع (یعنی سُننے) کا کامل درجہ یہ ہے کہ مُقتدی جہری و سرّی دونوں نمازوں میں خاموش رہے اسی لئے مقتدی کے لئے ضروری ہے کہ وہ جہری و سرّی دونوں نمازوں میں امام کی قرأت کے وقت خاموش رہے۔

سرّی و جہری نمازوں میں قرأت کا ادب

نماز کے اندر قرأت کا ادب یہ ہے کہ نہ تو بہت بلند آواز سے ہو نہ بہت آہستہ جس کو مقتدی نہ سُن سکیں

یہ حکم جہری نمازوں یعنی (مغرب عشاء، فجر) کے ساتھ مخصوص ہے ظہر اور عصر میں تو بالکل اخفاء ہونا سُنّت متواترہ سے ثابت ہے نماز میں قرأت کے متعلق یہ حُکم درج ذیل آیت سے ثابت ہے۔

وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا (سُورۃ الاسراء، آیت ۱۱۰)	اور اپنی نماز میں نہ تو بہت پُکار کر پڑھئے اور نہ بالکل ہی چُپکے چُپکے پڑھیئے اور دونوں کے درمیان ایک طریقہ اختیار کر لیجئے۔

اِس آیت میں یہ بھی بتلایا گیا ہے کہ نماز میں بلند آواز سے پڑھنے کی حد کیا ہے۔ جہر کی ادنیٰ مقدار یہ ہے کہ قاری کی قرأت کو دُوسرا آدمی سُن لے اور سرّی کی ادنیٰ مقدار یہ ہے کہ قاری کا خود اپنا نفس سُنے کوئی دُوسرا نہ سُنے۔

فارسی زبان میں قرأت کا مسئلہ

امامِ اعظم امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نماز کے اندر مطلقاً (خواہ عربی بولنے پر قادر ہو یا عاجز) فارسی زبان میں قرأتِ قرآن جائز ہے اور اس مسئلہ پر قرآن مجید کی درج ذیل آیت سے استدلال کرتے ہیں۔

وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ وَاِنَّهٗ لَفِيْ زُبُرِ الْاَوَّلِيْنَ (سورۃ الشعراء آیت ۱۹۲ تا ۱۹۶)

اور یہ قرآن ربّ العلمین کا بھیجا ہوا ہے اس کو امانت دار فرشتہ لے کر آیا ہے آپ کے قلب پر صاف عربی زبان میں تاکہ آپ منجملہ ڈرانے والوں میں ہوں۔ اور اس کا ذکر پہلی اُمتوں کی کتابوں میں ہے۔

ان آیات میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے دو باتیں بتلائی ہیں ایک یہ کہ قرآن ربّ العلمین کا اُتارا ہوا ہے، دوسری بات یہ کہ یہ قرآن سابقہ کتب میں بھی مذکور ہے۔ قرآن مجید عربی زبان میں ہے جبکہ سابقہ کتب عربی میں نہیں تھیں ظاہر ہے کہ سابقہ کتب میں قرآن کریم کے الفاظ مذکور نہیں تھے معانی مذکور تھے اور ان معانی پر قرآنِ کریم کا اطلاق کیا گیا ہے جیسا کہ یہ آیت وانّہ لفی زبر الاولین (اگر اس میں وانّہ کی ضمیر کا مرجع قرآن ہو) تو یہ معانی قرآن کے اطلاق کی تائید کرتی ہے۔

صاحب کشاف، صاحب مدارک، صاحب ہدایہ نے آیت وانّہ لفی زبر الاوّلین میں وانّہ کی ضمیر کا مرجع قرآن کو قرار دے کر استدلال کیا ہے کہ اگر قرآنِ کریم کا ترجمہ فارسی زبان میں کیا جائے تو وہ بھی قرآن ہی گا۔ امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عربی زبان میں قرأت کرنے پر قادر ہونے کی صورت میں نماز کے اندر فارسی زبان میں قرآن پڑھنا ناجائز ہے۔ ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ باری تعالیٰ کے کلام میں قرآن وصفِ عربیّت کے ساتھ موصوف ہے جیسا کہ

ارشادِ باری تعالیٰ ہے اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا۔

اور یہ آیت محکم ہے جبکہ وہ آیت جو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مستدل ہے یعنی وَاِنَّهٗ لَفِيْ زُبُرِ الْاَوَّلِيْنَ محتمل ہے کیونکہ وانّہٗ کی ضمیر کے مرجع میں تین احتمالات ہیں (۱) ہوسکتا ہے کہ وانّہ کی ضمیر کا مرجع نعت محمّد صلی اللہ علیہ وسلم ہو (۲) اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مرجع قرآن ہو (۳) یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مرجع معانی قرآن ہو۔ اور یہ قاعدہ ہے کہ محتمل کو محکم کی طرف لوٹایا جاتا ہے لہٰذا مناسب ہے کہ نماز کے اندر فارسی زبان میں قرأتِ قرآن جائز نہ ہو فتویٰ بھی اسی پر ہے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے صاحبین کے قول کی طرف رجوع بھی فرمایا ہے۔

سجدۂ تلاوت کی نیت سے رکوع کیا جائے تو سجدۂ تلاوت ادا ہو جاتا ہے !

امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر نماز میں سجدہ کی آیت تلاوت کی گئی ہو تو رکوع میں سجدہ کی نیّت کرنے سے سجدہ ادا ہو جاتا ہے اور قرآن مجید کی اس آیت سے استدلال کرتے ہیں۔

وَظَنَّ دَاوُدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ وَخَرَّ رَاكِعًا وَّاَنَابَ۔ (سورہ ص آیت ۲۴)	یعنی اور داؤد کو خیال آیا کہ ہم نے ان کا امتحان کیا ہے سو انہوں نے اپنے رب کے سامنے توبہ کی اور سجدے میں گر پڑے اور توبہ کی۔

اس آیت سے استدلال اس طرح کیا گیا ہے کہ آیت میں باری تعالیٰ نے سجدہ کے لئے رکوع کا لفظ استعمال فرمایا جو اس بات کی دلیل ہے کہ رکوع بھی سجدہ کے قائم مقام ہو سکتا ہے۔

سجدۂ تلاوت کا وجوب

قرآن مجید میں سجدہ کی آیت میں سے اگر کوئی ایک آیت پڑھ لی جائے تو سجدۂ تلاوت واجب ہو جاتا ہے یہ حکم قرآن کریم کی درج ذیل آیات سے ثابت ہے۔ وَاِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْاٰنُ لَا يَسْجُدُوْنَ (سورۃ انشقاق آیت ۲۱)
(ترجمہ) جب ان کے رُو برو قرآن پڑھا جاتا ہے تو اس وقت بھی خدا کی طرف نہیں جھکتے۔
اس آیت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن سُننے سے سجدہ واجب ہو جاتا ہے مگر یہ اجماع سلف کے خلاف ہے۔ لہٰذا کہنا پڑے گا کہ یہاں سجدہ سے مُراد سجدۂ تلاوت ہے اور القرآن پر الف لام جنس کے لئے نہیں ہے کہ اس کا اطلاق پورے قرآن پر ہو بلکہ الف لام عہد کے لئے ہے اس لئے قرآن سے مُراد وہ مخصوص آیات سجدہ ہیں جو معہود و متعین ہیں۔

چوتھائی رات میں قیام کا ثبوت

چوتھائی رات میں قیام کے ثبوت پر مفسرین کرام نے اس طرح استدلال کیا کہ قم اللیل میں اللیل پر الف لام کے داخل ہونے سے اس کے معنی پوری رات کے ہو گئے مطلب یہ ہوا کہ آپ ساری رات قیام لیل میں مشغول رہیں بجز قلیل رات کے مگر چونکہ یہ لفظ قلیل مبہم تھا اس لئے آگے اس کی تشریح اس طرح فرمائی،

نصفه او انقص منه قليلا او زد عليه یعنی اَب آپؐ نصف رات قیام فرمائیں یا نصف سے کچھ کم یا نصف سے کچھ بڑھا دیں یہ اِلَّا قَلِیۡلًا کے اِستثناء کا بیان ہے۔

نصف رات کے قلیل ہونے سے مُراد یہ ہے کہ رات کا ابتدائی حصّہ تو نمازِ مغرب و عشاء کی اَدائیگی میں ہی گذر جاتا ہے۔ اَب نصف سے مُراد باقی ماندہ رات کا نصف حصّہ ہے۔ اور باقی ماندہ رات کا نصف بہ نسبت پُوری رات کے رات کا چوتھائی یا چوتھائی سے کچھ زائد بنتا ہے۔ معلوم ہُوا کہ چوتھائی رات یا اس سے کچھ زائد کا قیام فرض ہے۔

نصفه او انقص منه قليلا او زد عليه یعنی اَب آپؐ نصف رات قیام فرمائیں یا نصف سے کچھ کم یا نصف سے کچھ بڑھا دیں یہ اِلَّا قَلِیۡلًا کے اِستثناء کا بیان ہے۔

نصف رات کے قلیل ہونے سے مُراد یہ ہے کہ رات کا ابتدائی حصّہ تو نمازِ مغرب و عشاء کی اَدائیگی میں ہی گذر جاتا ہے۔ اَب نصف سے مُراد باقی ماندہ رات کا نصف حصّہ ہے۔ اور باقی ماندہ رات کا نصف بہ نسبت پُوری رات کے رات کا چوتھائی یا چوتھائی سے کچھ زائد بنتا ہے۔ معلوم ہُوا کہ چوتھائی رات یا اس سے کچھ زائد کا قیام فرض ہے۔

نمازِ تہجُّد کی تاکید

قرآن مجید میں نمازِ تہجُّد پڑھنے کی تاکید کی گئی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا (سورۃ الاسراء آیت ۷۹)

اور کسی قدر رات کے حصّہ میں بھی سو اس میں تہجّد پڑھا کیجئے جو آپؐ کے لئے زائد چیز ہے۔ اُمید ہے کہ آپؐ کا رَب آپؐ کو مقامِ محمود میں جگہ دے گا۔

لفظ تہجّد، ہجود سے مشتق ہے اور یہ لفظ دو متضاد معنی کے لئے استعمال ہوتا ہے اس کے معنی سونے کے بھی آتے ہیں اور جاگنے، بیدار ہونے کے بھی اس جگہ ومن اللّیل فتہجّد بہ کے معنی ہیں کہ رات کے کچھ حصّہ میں نماز کیلئے بیدار رہا کرو کیونکہ بہ کی ضمیر قرآن کی طرف راجع ہے، قرآن کے ساتھ بیدار رہنے کا مطلب نماز ادا کرنا ہے۔ اسی رات کی نماز کو اصطلاحِ شرع میں تہجّد کہا جاتا ہے اور اس کا تمام مفہوم یہ ہے کہ کچھ دیر سو کر اُٹھنے کے بعد جو نماز پڑھی جائے وہ ----- نمازِ تہجُّد ہے لیکن تفسیر مظہری میں آیت کا مفہوم یہ بیان ہُوا ہے کہ رات کے کچھ حصّہ میں نماز کیلئے سونے کو ترک کر دو اور یہ مفہوم جس طرح کچھ دیر سونے کے بعد نماز پڑھنے پر صادق آتا ہے اسی طرح بغیر نیند کئے تاخیر کیساتھ

نماز پڑھنے پر بھی صادق آتا ہے اور قرآنِ کریم کا عموم بھی اسی پر دلالت کرتا ہے۔

نمازِ تہجُّد فرض ہے یا نفل؟

نافلة لك ۔ لفظ نافلہ کے لُغوی معنی زائد کے ہیں اس لئے نفل اُس نماز اور صدقہ وغیرہ کو کہتے ہیں جو شرعاً واجب اور ضروری نہ ہو جس کے کرنے میں ثواب ہے اور نہ کرنے میں کوئی گناہ نہیں اس آیت میں نمازِ تہجد کے ساتھ نافلة لک کے الفاظ سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ نمازِ تہجد خصوصیت کے ساتھ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے لئے نفل ہے حالانکہ اس کے نفل ہونے میں آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ پُوری اُمت شریک ہے اسی لئے بعض حضرات نے اس جگہ نافلہ کو فریضہ کی صفت قرار دیکر یہ معنی بیان کئے ہیں کہ عام اُمّت پر تو صرف پانچ وقت کی نماز فرض ہے مگر رسولُ اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم پر تہجُّد بھی ایک زائد فرض ہے۔ تو یہاں پر لفظ نافلة بمعنی فرض زائد کے ہیں نفل کے عام معنی مُراد نہیں۔ نمازِ تہجّد کی فرضیّت اس وقت تھی جب تک کہ پانچوں نمازیں فرض نہیں ہُوئی تھیں — جب پانچ نمازیں فرض ہوگئیں تو ان کی فرضیت کے بعد اُمّت کے حق میں تہجد کی فرضیت منسوخ ہوگئی مگر رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم پر اس کی فرضیت تاحیات باقی رہی۔

تہجُّد کیلئے اُٹھنا

نماز تہجد کے لئے اُٹھنے کا ثبوت قرآن کریم کی درج ذیل آیت سے

اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْاً وَّاَقْوَمُ قِيْلًا (سُورۃ المزمل آیت ۶) سے ملتا ہے۔	بے شک رات کے اُٹھنے میں دل اور زبان کا خُوب میل ہوتا ہے اور بات خُوب نکلتی ہے۔

آیت مذکورہ میں ناشئة مصدر ہے جس کے معنی رات کی نماز کے لئے کھڑا ہونا ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا کہ سونے کے بعد رات کی نماز کے لئے اُٹھنا ناشئة اللیل ہے۔ اسی معنی کے اعتبار سے لفظ ناشئة اللیل بمعنی تہجد ہوگیا کیونکہ تہجد کے بھی لفظی معنی رات کو سو کر اُٹھنے کے بعد نماز پڑھنے کے ہی ہیں۔

نمازِ جُمعہ کی فرضیت

پانچ نمازوں کی طرح نماز جمعہ بھی فرض ہے اور اس کی فرضیت قرآن مجید کی اس آیت سے ثابت ہے۔

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (سورۃ جمعہ آیت ۹)

اے ایمان والو! جب جمعہ کے روز نماز (جمعہ) کیلئے اذان کہی جایا کرے تو تم اللہ کی یاد یعنی (نماز و خطبہ) کیطرف فوراً چل پڑا کرو اور خرید و فروخت (اور اسی طرح دوسرے مشاغل جو چلنے سے مانع ہوں) چھوڑ دیا کرو، یہ تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے اگر تم کو کچھ سمجھ ہے۔

اس آیت سے دو مسئلے ثابت ہوتے ہیں (۱) ایک نماز جمعہ کی فرضیت (۲) دوسرے اذان کے وقت خرید و فروخت کی ممانعت۔ مفسرین کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ آیت میں ذکر سے مُراد خطبہ اور نماز ہے فاسعوا الٰی ذکر اللہ کا مطلب یہ ہُوا کہ اللہ کے ذکر (یعنی خطبہ اور نماز) کی طرف دوڑو، پھر فاسعوا امر کا صیغہ ہے اور یہ وجوب یعنی (فرض) کے لئے ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز جمعہ بھی پانچ نمازوں کی طرح فرض ہے۔

اِستسقاء

استسقاء. بروزن استفعال ہے اس کا مادہ سقی ہے۔ سقیا (بالضم) اسم ہے اس کے لغوی معنی ہیں اللہ تعالیٰ سے یا کسی آدمی سے پانی کی طلب کرنا۔ سیرابی کی خواہش کرنا۔ چنانچہ جب کوئی شخص کسی سے پانی طلب کرے تو اس طلب کرنے کو استسقاء کہتے ہیں۔ شرع میں اس کے معنی ہیں مخصوص طریقہ سے شدید ضرورت کے وقت اللہ تعالیٰ سے بارش برسانے کی دعا، کرنا جب کہ بارش نہ ہو رہی ہو نہریں ندیاں، کنویں بھی نہ ہوں کہ ان سے خود یا ان کے مویشی اور کھیتیاں سیراب ہو سکیں ایسی صورت میں خشوع اور خضوع کے ساتھ کھلے میدان میں جماعت کے ساتھ دو رکعتیں پڑھی جاتی ہیں اس نماز کو نمازِ استسقاء کہا جاتا ہے (۱) حنفیہ کے نزدیک استسقاء میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا سنت نہیں ہے البتہ جائز بلکہ مستحب ہے۔ اگر جدا جدا بھی نماز پڑھ لیں تو مضائقہ نہیں اور اس کے پڑھنے کا طریقہ وہی ہے جو عیدین کی نماز کا ہے۔ البتہ اس میں تکبیرات زائد نہ کہی جائیں بلکہ صرف اتنی ہی تکبیریں ہوں جتنی نماز دوگانہ میں مطلوب ہیں اس کیلئے اذان بھی شرط نہیں ہے۔

(۲) شافعیہ کے نزدیک دو رکعتیں جماعت کے ساتھ پڑھی جائیں اس کے لئے شرط یہ ہے کہ اس کا امام مسلمانوں کا حکمران ہو یا پھر اس کا نائب ہو، اس کا وہی طریقہ ہے جو عیدین کی نماز کا ہے کہ امام اور مقتدی پہلی رکعت میں تکبیرِ تحریمہ کے علاوہ سات بار مزید تکبیریں کہیں اور دوسری رکعت میں تکبیر قیام کے علاوہ پانچ بار تکبیریں کہیں اور ہر تکبیر میں مونڈھوں تک ہاتھ اُٹھائیں۔

(۳) مالکیہ کے نزدیک استسقاء کی نماز کا طریقہ وہی ہے جو عیدین کی نماز کا ہے لیکن اس میں معمول کی تکبیروں کے سوا جو عام نماز میں ہوتی ہیں اور کوئی مزید تکبیر نہ کہی جائے اس مسئلہ میں مالکیہ، حنفیہ کے ساتھ متفق ہیں اور شافعیہ اور حنابلہ کے ساتھ ان کا اختلاف ہے۔

(۴) حنابلہ کے نزدیک نماز استسقاء کا طریقہ بالکل عیدین کی نماز کی طرح ہے جس طرح شافعیہ ادا کرتے ہیں۔ شافعیہ، مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک نماز استسقاء سنتِ مؤکدہ ہے اور حنفیہ کے نزدیک مستحب ہے۔

نماز استسقا کی مشروعیت،

نماز استسقاء کے ثبوت پر فقہائے کرام نے قرآن مجید کی درج ذیل آیت سے استدلال کیا ہے۔

فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًا يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ مِدْرَارًا وَيُمْدِدْكُمْ بِأَمْوَالٍ وَبَنِينَ وَيَجْعَلْ لَكُمْ جَنَّاتٍ وَيَجْعَلْ لَكُمْ أَنْهَارًا۔ (سورۃ النوح آیت ۱۰ تا ۱۲)

اور میں نے کہا کہ تم اپنے پروردگار سے گناہ بخشواؤ بیشک وہ بڑا بخشنے والا ہے کثرت سے تم پر بارش بھیجے گا اور تمہارے مال و اولاد میں ترقی دے گا اور تمہارے لئے باغ لگادے گا اور تمہارے لئے نہریں بہا دے گا۔

اس آیت میں حضرت نوح علیہ السلام کا واقعہ مذکور ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے باوجود مدت دراز تک دعوت و تبلیغ کے حضرت نوح علیہ السلام کی تکذیب کی تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے چالیس یا ستر سال تک ان کی عورتوں کو بانجھ کردیا اور بارش کو بند کردیا جس کی وجہ سے قحط پڑ گیا۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اُن کو استغفار کا حکم دیا اور ان کے استغفار کرنے پر اللہ تعالیٰ نے ان کی مُصیبت کو ٹال دیا اور ان کا رزق وسیع کردیا یعنی بارش برسادی۔ اس سے معلوم ہوا کہ استغفار بارش کے برسنے کا سبب ہے ایسے مصیبت کے وقت بارش کا برسنا قحط کے خاتمہ کا سبب ہے۔ اس لئے ہر ایسے مشکل وقت میں اللہ تعالیٰ سے مدد مانگنا اسی کا نام استسقاء ہے۔

بارش مانگنے کے لئے نماز پڑھنے کا طریقہ یہ ہے کہ جب قحط سالی کی وجہ سے پانی کا احتیاج ہو تو امام قوم کو لے کر جنگل میں چلا جائے اور سب قبلہ رُخ ہو کر دُعا کریں، استغفار کریں اور چادر نہ پلٹیں اور ذمیوں کو ساتھ نہ لیں، اس لئے کہ یہ دُعاؤں کی قبولیت کا مقام ہے ایسے موقع پر ذمیوں کا ہونا دُعاء کی قبولیت کے منافی ہے اور اگر نماز پڑھنا چاہیں تو بغیر جماعت کے تن تنہا نماز پڑھیں صلوٰۃ استسقاء میں جماعت اور خطبہ مسنون نہیں ہیں۔

حالتِ مرض میں نماز پڑھنے کا بیان،

اگر کوئی شخص بیماری کے سبب کھڑے ہو کر نماز نہیں پڑھ سکتا تو بیٹھ کر پڑھے اور اگر بیٹھ کر بھی نہیں پڑھ سکتا تو لیٹ کر پڑھے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

فَإِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُودًا وَّعَلٰى جُنُوبِكُمْ فَإِذَا اطْمَأْنَنْتُمْ فَأَقِيمُوا الصَّلٰوةَ إِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَّوْقُوتًا۔ سورۃ النساء آیت ۱۰۳

جب تم نماز ادا کرنے لگو تو لاگر ممکن ہو) اللہ کو کھڑے یاد کرو (ورنہ بیٹھے یاد کرو اگر بیٹھ بھی نہ سکو تو اپنے پہلوؤں پر لیٹے یاد کرو پس جب تندرست ہو جاؤ تو نماز (قیام، رکوع، سجود کے ساتھ) صحیح طور پر قائم کرو بیشک نماز مسلمانوں پر مقررہ اوقات میں فرض ہے۔

یہ آیت کئی معنوں کا احتمال رکھتی ہے ایک معنی تو یہی ہے کہ جب تم نماز پڑھنے لگو تو تم پر نماز میں قیام واجب ہے لیکن اگر مرض کی وجہ سے کھڑے نہ ہو سکو تو بیٹھ کر نماز ادا کرو اور اگر بیٹھ بھی نہ سکو تو پھر پہلو پر لیٹ کر نماز ادا کرو، ویسے صاحبِ ہدایہ نے بیماری کی نماز کے لیے اس آیت کو چھوڑ کر اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ کھڑے ہو کر نماز پڑھو اور اگر کھڑے نہ ہو سکو تو بیٹھ کر نماز ادا کرو اور اگر بیٹھ بھی نہ سکو تو کروٹ پر لیٹ کر ادا کرو اور رکوع و سجود اشارے سے کرو۔ اس آیت کا دوسرا معنیٰ یہ ہے کہ جب نمازِ خوف سے فارغ ہو جاؤ تو خوف زائل ہونے تک اللہ تعالیٰ کا ذکر کھڑے، بیٹھے، لیٹے ہر حال میں جاری رکھو پھر جب خوف جاتا رہے اور اطمینان حاصل ہو جائے تو سب ایک ہی جماعت ہو کر نماز ادا کرو۔

اور تیسرے معنی یہ ہیں کہ جب تم نماز سے فارغ ہو جاؤ خواہ نمازِ خوف یا کوئی اور نماز ہو تو ہر حال میں اللہ کو یاد کرو، ذکر کے حکم سے مقصود یہ ہے کہ مومن کسی حال میں بھی خدا تعالیٰ کی یاد سے غافل نہ ہو۔

اور چوتھے معنی یہ ہیں کہ جب حالتِ خوف میں نماز ادا کرنے لگو اور لڑائی جاری ہو تو نماز کھڑے ہو کر ادا کرو، نماز بھی پڑھو اور جنگ بھی جاری رکھو یا بیٹھ کر گھٹنوں کے بل نماز بھی پڑھو اور ساتھ ساتھ دشمن پر تیر اندازی بھی کرتے رہو اور اگر زخموں سے نڈھال ہو کر گر گئے تو کروٹ کے بل نماز ادا کرو اور لڑائی ختم ہونے کے بعد جب تمہیں اطمینان حاصل ہو جائے تو اس دوران پڑھی ہوئی نماز کو صحیح طریقہ سے قضا کرو کیونکہ سابقہ حالت پریشانی اور گھبراہٹ کی حالت تھی اس میں نماز کی پوری رعایت مشکل تھی۔ یہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک ہے۔

مسافر کیلئے نماز قصر کرنے کی رخصت

مسافر کے لئے چار رکعت والی نمازوں میں قصر (یعنی کمی کر کے دو رکعت پڑھنے) کی رخصت مندرجہ ذیل آیت سے ثابت ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :۔

وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ فَلَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوۃِ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ یَّفْتِنَکُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا اِنَّ الْکٰفِرِیْنَ کَانُوْا لَکُمْ عَدُوًّا مُّبِیْنًا (سورۃ النساء، آیت ۱۰۱)

اور جب تم زمین میں سفر کرو سو تم کو اس میں کوئی گناہ نہ ہوگا کہ تم نماز کو کم کر دو اگر تم کو یہ اندیشہ ہو کہ تم کو کافر لوگ پریشان کریں گے۔ بلاشبہ کافر لوگ تمہارے صریح دشمن ہیں۔

اس آیت میں مسافر کے لئے نماز میں تخفیف کا بیان ہے اور ان تقصروا من الصلٰوۃ میں قصر سے مراد رکعتوں میں کمی کرنا ہے۔ یہاں لفظ صلوٰۃ عام ہے اور اس کا اطلاق پانچوں نمازوں پر ہوتا ہے۔ مگر اس بات پر اجماع ہے کہ چار رکعت والی نمازوں (ظہر، عصر، عشاء) میں تو قصر ہے یعنی فقط دو ہی رکعتیں پڑھی جائیں گی اور تین رکعت والی نماز جیسے (مغرب) یا دو رکعت والی نماز جیسے (فجر) میں قصر نہیں ہے اس لئے کہ اگر تین رکعت والی نماز میں قصر کریں گے تو ڈیڑھ رکعت باقی رہ جائے گی۔ تو ایک رکعت میں کسر آنے کی بنا پر شفعہ باقی نہیں رہے گا۔ اسی طرح دو رکعت والی نماز میں اگر قصر کیا جائے تو ایک رکعت باقی رہ جائے گی جو کہ شفعہ نہیں ہے جبکہ نماز کے لئے شفعہ کا ہونا ضروری ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ دو یا تین رکعت والی نمازوں میں قصر کرنے سے نماز، نماز نہیں رہتی اس لئے ان میں قصر نہیں۔
اور چار رکعت والی نمازوں میں قصر کے بعد بھی دو رکعتیں باقی رہتی ہیں اور یہ ایک شفعہ ہے اور شفعہ نماز ہوتی ہے لہٰذا ان میں قصر ہے۔

نماز میں قصر کیلئے سفر شرط ہے،

نماز میں قصر کے لئے سفر کا شرط ہونا بھی آیت مذکورہ وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ بھی اور جب تم زمین میں سفر کرو سے معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ آیت میں لفظ اِذا شرطیہ ہے اور فلیس علیکم جناح الخ اس کی جزاء ہے مطلب یہ ہے کہ تمہارے لئے نمازوں میں کمی کرنے میں کوئی گناہ نہیں بشرطیکہ تم سفر میں ہو۔ اگر حالتِ حضر میں نمازوں میں قصر کرو گے تو گنہگار ہو جاؤ گے۔

سفر میں قصر کے لئے خوف کی قید اتفاقی ہے

ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ فَلَیْسَ عَلَیْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ یَّفْتِنَكُمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا اِنَّ الْكٰفِرِیْنَ كَانُوْا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِیْنًا۔ (سورة النساء آیت ۱۰۱)

اور جب تم زمین میں سفر کرو تو تم کو اس میں کوئی گناہ نہیں ہوگا کہ تم نماز کو کم کر دو اگر تم کو یہ اندیشہ ہو کہ تم کو کافر لوگ پریشان کریں گے بلاشبہ کافر لوگ تمہارے صریح دشمن ہیں۔

اس آیت سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ سفر میں نماز قصر کرنے کے لئے دشمن کا خوف شرط ہے یعنی اگر تم کو دشمن کی ایذا رسانی یا قتل کر دینے یا زخمی کر دینے یا قیدی بنا دینے اور مال لوٹ لینے کا اندیشہ ہو تو تم نماز قصر کر لیا کرو اور شرط مفقود ہونے یعنی دشمن کا خوف نہ ہونے کی صورت میں قصر جائز نہیں۔

جیسا کہ خارجی بھی اسی کے قائل ہیں کہ اگر سفر میں دشمن کا خوف ہو تو قصر کرو، ورنہ نہیں لیکن علماء اہل سنت کا اس بات پر اجماع ہے کہ نماز میں قصر کے لئے دشمن کا خوف شرط تو نہیں مگر چونکہ عام طور سے سفر میں ان چیزوں کے پیش آنے کا اندیشہ رہتا ہے جیسا کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اکثر سفروں میں دشمن کا خوف لگا رہتا تھا اس لئے ایک واقعہ کا اظہار کر دیا گیا ورنہ خوف شرط نہیں ہے کہ شرط موجود نہ ہو تو حکم بھی موجود نہ ہو۔

بوقتِ خوف نماز پڑھنے کا طریقہ

میدانِ جہاد میں دشمن کے حملہ کے خوف کے وقت نماز پڑھنے کا طریقہ مندرجہ ذیل آیت سے معلوم ہوتا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ وَلْيَاْخُذُوْٓا اَسْلِحَتَهُمْ فَاِذَا سَجَدُوْا فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَآئِكُمْ وَلْتَاْتِ طَآئِفَةٌ اُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوْا فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ وَلْيَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَاَسْلِحَتَهُمْ وَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ وَاَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيْلُوْنَ عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَّاحِدَةً وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ كَانَ بِكُمْ اَذًى مِّنْ مَّطَرٍ اَوْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَنْ تَضَعُوْٓا اَسْلِحَتَكُمْ وَخُذُوْا حِذْرَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝

(سورۃ النساء، آیت ۱۰۲)

اور جب آپؐ ان میں تشریف رکھتے ہوں پھر آپؐ ان کو نماز پڑھانا چاہیں تو یوں چاہیئے کہ ان میں سے ایک گروہ تو آپؐ کے ساتھ کھڑے ہو جاویں اور یہ لوگ ہتھیار لے لیں پھر جب یہ لوگ سجدہ کر چکیں تو یہ لوگ تمہارے پیچھے ہو جائیں اور دوسرا گروہ جنہوں نے ابھی نماز نہیں پڑھی آجاویں۔ اور آپؐ کے ساتھ نماز پڑھ لیں اور یہ لوگ بھی اپنے بچاؤ کا سامان اور اپنے ہتھیار لے لیں کافر لوگ یوں چاہتے ہیں کہ اگر تم اپنے ہتھیاروں اور سامانوں سے غافل ہو جاؤ تو تم پر یکبارگی حملہ کر بیٹھیں اور اگر تم کو بارش کی وجہ سے تکلیف ہو یا تم بیمار ہو تو تم کو اس میں کچھ گناہ نہیں کہ ہتھیار رکھو اور اپنا بچاؤ لے لو بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لئے سزا اہانت آمیز مہیا کر رکھی ہے۔

چونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے آیت میں نماز خوف کا طریقہ اجمال و اختصار کے ساتھ بیان کیا ہے اور تفصیل بیان نہیں کی کہ دونوں طائفوں میں سے ہر طائفہ کی جس قدر نماز باقی ہے اس کو کس طریقہ پر ادا کرے لہٰذا آیت مزید وضاحت کا تقاضا کرتی ہے یہی وجہ ہے کہ آئمہ نے اس کی تفسیر کے بارے میں مختلف صورتیں بیان کی ہیں یہاں فقط وہ صورت لکھی جاتی ہے جو امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے۔

امام صاحبؒ کے نزدیک نماز خوف کا طریقہ یہ ہے کہ امام پہلے گروہ کو ایک رکعت پڑھائے۔ پھر یہ گروہ دشمن

کے مقابلہ پر چلا جائے اور دوسرا گروہ آجائے، پس امام اس دوسرے گروہ کے ساتھ دوسری رکعت پڑھے پھر امام خود تنہا سلام پھیر دے کیونکہ امام کی نماز پوری ہوگئی ہے۔ اب پھر پہلا گروہ آجائے اور اپنی دوسری رکعت خود تنہا پوری کرے اور قرأت بھی نہ کرے اس لئے کہ یہ طائفہ لاحق کے حکم میں ہے اور لاحق پر بغیر قرأت کے نماز کا پورا کرنا لازم ہے یہ طائفہ اولیٰ دوسری رکعت پڑھ کر سلام پھیر دے اور دشمن کے مقابلہ پر چلا جائے۔ پھر دوسرا گروہ آجائے اور دوسری رکعت پڑھے اور قرأت کرے کیونکہ یہ مسبوق کے حکم میں ہے اور مسبوق پر قرأت کے ساتھ نماز کو ادا کرنا لازم ہے پھر سلام پھیر دے۔ یہ صورت دو رکعت والی نماز کی ہے اگر تین رکعت والی نماز ہو تو امام پہلے طائفہ کو دو رکعت پڑھائے اور دوسرے کو ایک رکعت اور اگر چار رکعت والی نماز ہو تو امام طائفہ اولیٰ کو دو دو رکعت پڑھائے اور طائفہ ثانیہ کو بھی گذشتہ ترتیب کے مطابق پڑھائے۔

نمازِ خوف میں اسلحہ کا ساتھ رکھنا،

نمازِ خوف سے مراد یہ ہے کہ جنگ کی حالت ہو یا دشمن کے حملہ کا خطرہ ہو اور اسی حالت میں نماز کا وقت آجائے تو اس وقت کی نماز خوف میں اسلحہ ساتھ رکھنے کا حکم آیت مذکورہ کے اس جملہ سے نماز خوف کی نماز کہلاتی ہے۔ ولیاخذوا اسلحتھم (یعنی یہ گروہ اپنا اسلحہ اپنے ساتھ لئے رہیں) سے معلوم ہوتا ہے۔ بعض آئمہ کے نزدیک امر وجوب کیلئے ہے جیساکہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ صلوٰۃ خوف میں اسلحہ ساتھ رکھنا واجب ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ایک قول وجوب کا ہے لیکن اکثر علماء کے نزدیک امر ... استحباب کے لئے ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ نماز خوف میں اسلحہ اپنے ساتھ رکھنا مستحب ہے تاکہ دشمن کے حملہ سے محفوظ رہیں۔ حذر سے مراد وہ چیزیں ہیں جن کے ذریعے انسان اپنا دفاع کرے، جیسے زرہ، ڈھال وغیرہ۔ اور اسلحہ سے مراد آلاتِ حرب لڑائی کے ہتھیار ہیں جن سے لڑا جاتا ہے۔

اس طرح کافر کی قبر پر کھڑا ہونا بھی جائز نہیں جیساکہ مذکورہ آیت کے اس جملہ ولا تقم علیٰ قبرہ (یعنی اس کی قبر پر نہ کھڑے ہوں) سے ثابت ہے کہ کافر کی قبر پر دفن یا زیارت یا دعاء کے لئے کھڑا ہونا ممنوع ہے۔

نشہ کی حالت میں نماز پڑھنے کی ممانعت

نشہ کی حالت میں نماز پڑھنے کی حرمت مندرجہ ذیل آیت سے ثابت ہے۔

يَآ أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَأَنْتُمْ سُكَارٰى حَتّٰى تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ وَلَا جُنُبًا۔
(سورۃ النساء آیت ۴۳)

اے ایمان والو! تم نماز کے پاس بھی ایسی حالت میں مت جاؤ کہ تم نشہ میں ہو یہاں تک کہ تم سمجھنے لگو کہ منہ سے کیا کہتے ہو اور حالتِ جنابت میں بھی۔

ترمذی شریف میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ مذکور ہے کہ شراب کی حرمت سے پہلے ایک دفعہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ، بعض صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی دعوت کر رکھی تھی جس میں شراب نوشی کا بھی انتظام تھا جب سب حضرات کھا پی چکے تو مغرب کی نماز کا وقت ہو گیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو امام بنا دیا گیا حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے نماز میں سورہ الکافرون پڑھی۔ اور لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ کی بجائے اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ پڑھا اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں تنبیہ ہے کہ نشہ کی حالت میں نماز نہ پڑھی جائے۔

نماز پورے ہوش میں پڑھنی چاہیئے

آیت مذکورہ کے اس جملہ حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ سے ثابت ہوتا ہے کہ جب تک انسان اپنی زبان سے نکلنے والے کلمات کو نہ سمجھے اس وقت تک نماز پڑھنا منع ہے۔ اس سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہو گیا کہ جس طرح نشہ کی حالت میں نماز پڑھنا حرام ہے۔ اسی طرح بعض مفسّرین نے فرمایا کہ جب نیند کا غلبہ ہو اور یہ حالت ہو کہ آدمی اپنی زبان پر قابو نہ رکھ سکے تو اس حالت میں بھی نماز پڑھنا درست نہیں ہے کیونکہ ممکن ہے کہ وہ بجائے قرآن کی تلاوت کے اِدھر اُدھر کی باتیں شروع کر دے۔

عملِ قلیل سے نماز فاسد نہیں ہوتی

عملِ قلیل سے نماز کا فاسد نہ ہونا قرآن مجید سے ثابت ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ (پارہ ۶ سورۃ المائدہ ۵۵)	تمہارے دوست تو اللہ اور اس کے رسول اور ایمان دار لوگ لوگ ہیں جو اس حالت سے نماز کی پابندی رکھتے ہوں اور زکوٰۃ دیتے ہیں کہ ان میں خشوع ہوتا ہے۔

اس آیت میں اللہ ربُّ العزّت نے مؤمنین کے اوصاف بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ مؤمنین وہ ہیں جو کہ نماز کی پابندی کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں۔ آیت میں وھم راکعون جملہ حالیہ ہے اور یؤتون الزکوٰۃ کی ضمیر سے حال ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مؤمنین وہ ہیں جو حالتِ رکوع میں زکوٰۃ ادا کرتے ہیں یعنی نماز میں کوئی سوال کرلے تو نماز ہی میں اس کا سوال پورا کر دیتے ہیں۔

آیت کریمہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ طبرانی نے "الاوسط" میں مجہول راویوں کی سند سے حضرت عمار بن یاسر کا بیان نقل کیا ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب ایک مرتبہ نفل نماز کی حالت رکوع میں تھے کہ ایک سائل آ کھڑا ہوا آپ نے اسی حالت میں اپنی انگشتری اُتار کر اس کو دے دی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی یہ روایت اگرچہ مجہول راویوں کی سند سے ہے لیکن اس روایت کے دوسرے شواھد بھی موجود ہیں اس قصہ سے ثابت ہوتا ہے کہ نماز کے اندر عمل قلیل سے نماز فاسد نہیں ہوتی اور اس پر اجماع ہے اس قصہ سے ایک بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ صدقہ نافلہ کو زکوٰۃ کہنا درست ہے۔

حالتِ امن میں نماز

حالتِ امن میں نماز کا حتی المقدور پڑھنا ضروری ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ (سورۃ النسا۔ آیت ۱۰۳)	پھر جب تم اس نماز (خوف) کو ادا کر چکو تو اللہ تعالیٰ کی یاد میں لگ جاؤ کھڑے بھی اور بیٹھے بھی اور لیٹے بھی پھر جب تم مطمئن ہو جاؤ تو نماز کو قاعدہ کے موافق پڑھنے لگو۔

آیت میں اذا قضیتم کے معنی اذا فرغتم یعنی جب تم نماز (خوف) سے فارغ ہو جاؤ یعنی تمہارا خوف زائل ہو جائے اور تم بالکل مامون ہو جاؤ تو نماز قاعدہ کے مطابق پڑھو یعنی نمازوں میں تغافل نہ برتو بلکہ پابندی کے ساتھ نماز پڑھو اور کسی بھی حال میں نماز کو ترک مت کرو خواہ مریض ہو یا تندرست اوّلاً تو یہ کہ نماز کھڑے ہو کر پڑھو اگر کھڑے نہیں ہو سکتے تو بیٹھ کر پڑھو، اگر بیٹھ کر بھی نہیں سکتے تو لیٹ کر پڑھو، بہر حال پڑھو نماز کسی وقت بھی معاف نہیں۔

نماز میں قبلہ رُخ ہونا جس طرح سورہ بقرہ کی آیت ۱۴۴ سے ثابت ہے اس طرح اس کا ثبوت سورہ اعراف آیت ۲۹ سے بھی معلوم ہوتا ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

قُلْ اَمَرَ رَبِّيْ بِالْقِسْطِ وَاَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ۔ (سورہ اعراف آیت ۲۹)	آپ کہہ دیجئے کہ میرے رب نے حکم دیا ہے انصاف کرنے کا اور یہ کہ تم ہر سجدہ کے وقت اپنا رُخ سیدھا رکھا کرو اور اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طور پر کیا کرو کہ

اس عبادت کو خالص اللہ ہی کے واسطے رکھا کرو تم کو اللہ نے جیسے شروع میں پیدا کیا تھا اسی طرح پھر تم دوبارہ پیدا ہو گے:۔
آیت میں مسجد سے مُراد نماز بھی ہو سکتی ہے اور مسجد سے مُراد سجدہ بھی ہو سکتا ہے اور مسجد سے مُراد مقام سجدہ بھی ہو سکتا ہے۔ بحوالہ تفسیر مظہری مجاھدؒ اور سدیؒ نے آیت کا تفسیری مطلب اس طرح بیان کیا ہے کہ جہاں بھی ہو اپنا رُخ کعبہ کی طرف رکھو۔

اَجلّہ صحابۂ کرامؓ اِمام کے پیچھے ترکِ قرأت کے قائل تھے

حضرات خلفائے راشدینؓ حضرت عبدؓ اللہ بن عمر، حضرت جابر بن عبدؓ اللہ، حضرت زید بن ثابت، حضرتؓ عبداللہ بن مسعود، حضرت ابو دردا، حضرت عبداللہ بن عباس وغیرہم (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) سب نمازوں میں امام کے پیچھے عدمِ قرأت کے قائل تھے۔ چنانچہ امام کے پیچھے قراءت نہیں کرتے تھے۔ یہ حضرات مطلقاً امام کے پیچھے ترکِ قرأت کے قائل تھے، لیکن کچھ حضرات صرف جہری نمازوں میں ترکِ قرأت خلف الامام کے قائل تھے ان میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں اکثر علماء کے نزدیک نماز میں قراءت کا استماع تو واجب ہے لیکن نماز کے علاوہ کسی اور موقع پر قراءت ہورہی ہو تو اس کا استماع واجب نہیں ہیں بلکہ مستحب ہے۔

زکوٰۃ

زکوٰۃ کے لغوی معنی پاک کرنے، ترقی کرنے اور نمو پانے کے ہیں۔ چنانچہ عربی میں بولتے ہیں زکاالزرع یعنی زراعت میں نشو و نما ہوئی اسی طرح قرآن کریم میں آتا ہے۔

قد افلح من زکّاھا۔ یعنی جس نے اپنے نفس کو پاک رکھا۔ وہ کامیاب ہوا۔

شریعت کی اصطلاح میں زکوٰۃ سے مراد یہ ہے کہ جو لوگ نصاب زکوٰۃ کے مالک ہیں ان پر فرض ہے کہ مستحقین کو ایک مقرّرہ مقدار بطور تملیک عطا کر دیں یعنی جو لوگ اتنا مال رکھتے ہوں کہ اس پر زکوٰۃ واجب ہو جاتی ہے تو ایسے لوگوں پر فرض ہے کہ اپنے مال میں سے ایک مقرّرہ مقدار فقرا، و مساکین اور دیگر مستحقین زکوٰۃ کو اس طور پر دیدیں کہ ان کو اس کا مالک بنا دیں۔ نصاب سے مراد وہ مقدار مال ہے جس پر زکوٰۃ فرض ہو جاتی ہے اور زکوٰۃ کے مستحق آٹھ قسم کے لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں بیان کر دیا ہے۔ وہ قسمیں درج ذیل ہیں۔

(۱) **فقیر**: یہ وہ شخص ہے جس کے پاس تھوڑا سا کچھ ہو۔

(۲) **مسکین**: وہ ہے جس کے پاس کچھ نہ ہو۔

(۳) **عامل**: یعنی جس کو حاکم نے زکوٰۃ وصول کرنے پر مامور کیا ہو ان کی کارکردگی کا اندازہ کر کے کچھ ان کو دیدے۔

(۴) **رقاب**: یعنی ایسے غلام کو آزادی دلانے میں تعاون کے طور پر زکوٰۃ دی جائے جس کو مالک نے یہ کہہ رکھا ہو کہ اگر تم اتنی رقم ادا کر دو تو آزاد ہو۔

(۵) **قرض دار**: کہ اس کو قرض سے نجات دلانے کے لئے زکوٰۃ دی جائے۔

(۶) **غازی**: یعنی اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا۔

(۷) **مسافر**:

(۸) **مؤلفۃ القلوب**: یعنی جو لوگ نئے نئے اسلام میں داخل ہوں ان کے دلوں کو مانوس کرنے کے لئے کچھ دینا۔ اسلام کے غلبہ کے بعد یہ لوگ ان مستحقین سے خارج ہو گئے۔

زکوٰۃ و عُشر کا وجُوب

مال کی دو قسمیں ہیں : اوّل وہ مال جو بذریعہ تجارت حاصل ہو ایسے مال میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے دوسرے وہ مال جو زمین کی پیداوار ہو اس میں عُشر واجب ہوتا ہے مال کی ان دونوں قسموں کو اللہ تبارکؔ تعالیٰ نے درج ذیل آیت میں بیان فرمایا ہے۔

یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّاۤ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَلَا تَیَمَّمُوا الْخَبِیْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِیْهِ اِلَّاۤ اَنْ تُغْمِضُوْا فِیْهِ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ حَمِیْدٌ (سورۃ البقرہ آیت ۲۶۷)	اے ایمان والو خرچ کیا کرو عُمدہ چیز کو اپنی کمائی میں سے اور اس میں سے جو کہ ہم نے تمہارے لئے زمین سے پیدا کیا اور رَدّی (ناکارہ) چیز کی طرف نیت مت لے جایا کرو کہ اس میں سے خرچ کرو حالانکہ تم کبھی اس کے لینے والے نہیں ہاں اگر چشم پوشی کر جاؤ اور یہ یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ کسی کے محتاج نہیں تعریف کے لائق ہیں

زکوٰۃ میں عُمدہ مال دینا ضروری ہے

زکوٰۃ میں عمدہ مال دینا چاہیئے جیسا کہ اکثر فقہائے کرام نے آیت مذکورہ کے جملہ مِنْ طَیِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ میں طیّب سے مُراد عمدہ مال لیا ہے۔ آیت کے شانِ نزول سے بھی اس معنی کی تائید ہوئی ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس بعض لوگ خراب چیزیں لے آتے تھے جس پر یہ آیت نازل ہوئی تھی۔

اور بعض فقہاء نے عموم لفظ کی وجہ سے طیّب کی تفسیر حلال سے کی ہے کیونکہ پورے طور پر عُمدہ تب ہی ہوگی کہ حلال بھی ہو، اس لحاظ سے آیت دوسرے معنی کے لئے بھی مؤید ہے۔ واضح ہو کہ عُمدہ چیز کا دینا اس وقت ضروری ہے جب کہ زکوٰۃ دینے والے کے پاس عُمدہ چیز موجود ہو جیسا کہ لفظ مَا كَسَبْتُمْ اور مِمَّاۤ اَخْرَجْنَا اس چیز کے موجود ہونے پر اور وَلَا تَیَمَّمُوا الْخَبِیْثَ اس کے عمدہ ہونے پر دلالت کر رہا ہے کیونکہ آیت کے اس حصہ میں قصداً رَدّی چیز کے خرچ کرنے کی ممانعت ہے اور یہ ممانعت اس وقت ہے جب کہ وہ شخص عُمدہ چیز کے موجود ہوتے ہوئے رَدّی چیز دینے کا قصد کرے اور جس کے پاس عُمدہ چیز موجود ہی نہ ہو وہ اس ممانعت سے بَری ہے اس کی رَدّی

چیز بھی مقبول ہے۔

سونے چاندی کی زکوٰۃ

سونے چاندی کی زکوٰۃ دینا واجب ہے چونکہ ان کے جمع کرنے یعنی زکوٰۃ نہ دینے پر اللہ تبارک و تعالیٰ نے عذاب الیم کی وعید بیان فرمائی ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ ان چیزوں میں زکوٰۃ واجب ہے اس لئے کہ عذاب کی وعید ترکِ واجب پر ہوتی ہے نفل کے ترک پر نہیں ہوتی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :-

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ (سورۃ التوبۃ آیت ۳۴ و ۳۵)

اور جو لوگ سونا چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور ان کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے سو آپ ان کو ایک بڑی دردناک سزا کی خبر سنا دیجئے جو کہ اس روز واقع ہوگی کہ ان کو دوزخ کی آگ میں تپایا جاوے گا پھر ان سے ان لوگوں کی پیشانیوں اور ان کی کروٹوں اور ان کی پشتوں کو داغ دیا جائے گا یہ ہے وہ جس کو تم نے اپنے واسطے جمع کر کر کے رکھا تھا سو اب اپنے جمع کرنے کا مزہ چکھو۔

اگرچہ مذکورہ آیت اہل کتاب کے علماء اور مقتدیانِ دین کی مذمت میں نازل ہوئی ہے اور اس میں علماءِ یہود کی دو بری خصلتیں مذکور ہیں۔ ایک یہ کہ وہ لوگوں کا مال ناجائز طریقہ سے کھاتے تھے اور دوسری بری خصلت یہ تھی کہ وہ اپنے سونے چاندی کو جمع کر کے رکھتے تھے اور ان سے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تھے ان کی ان بری خصلتوں پر اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کے لئے آخرت میں عذابِ الیم کی وعید بیان فرمائی اب یہ وعید بطور دلالت النص کے ہر اس شخص کو شامل ہے جس میں یہ بری خصلتیں پائی جاتی ہوں۔

سونے اور چاندی میں زکوٰۃ واجب ہے،

آیت میں جملہ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا الخ سونے اور چاندی میں زکوٰۃ کے واجب ہونے پر دلالت کرتا ہے اور سونا چاندی کے جمع کرنے سے مراد اُن کی زکوٰۃ کا ادا نہ کرنا ہے۔

آیت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ کُل سونے اور چاندی کا اللہ کی راہ میں خرچ کرنا ضروری ہے یہی وجہ تھی کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین پر یہ اَمر شاق گذرا کہ کُل مال کو خرچ کر دیں اور کُل مال خرچ نہ کرنے کی صُورت میں عذابِ الیم کے مستحق ہوں مگر احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آیت کی مُراد کُل سونے اور چاندی کا خرچ کرنا نہیں ہے بلکہ مقدارِ مفروض کا خرچ کرنا ہے جیسا کہ احکام القرآن (للجصاص) کے صفحہ ۱۰۶ پر حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کی روایت سے اس بات کی تائید ہوتی ہے۔

اسی طرح احکام القرآن کے صفحہ ۱۰۱ پر حضرت عبداللہ ابنِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آیت میں کنز سے مُراد مال مدفون نہیں بلکہ وہ مال مُراد ہے جس کی زکوٰۃ اَدا نہ کی جائے کیونکہ زکوٰۃ کی اَدائیگی کے بعد باقی ماندہ مال حدیث کی روشنی میں کنز نہیں رہتا ـــ لہٰذا وہ باعثِ عذاب نہیں۔

عورتوں کے زیورات میں بھی زکوٰۃ واجب ہے

امامِ اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک زیورات میں زکوٰۃ واجب ہے، امام شافعیؒ کے نزدیک واجب نہیں، احناف آیت کے اس حصہ سے استدلال کرتے ہیں۔

وَلَا يُنفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ	اور جو لوگ سونا چاندی اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے اُن کو ایک بڑی سزا کی خبر سُنا دیجئے۔

یہ آیت مَرد و عورت دونوں کے بارے میں عام ہے اگرچہ بظاہر آیت سے زکوٰۃ اَدا نہ کرنے کی صورت میں صرف مَردوں کے لئے عذاب کی وعید معلوم ہوتی ہے اس لئے کہ آیت میں مذکر غائب کا صیغہ مذکور ہے مگر عورتیں بھی اس حکم میں داخل ہیں مَردوں کا ذکر تغلیباً ہے۔ جیسے کہ آیت حرمت علیکم المیتۃ والدم ولحم الخنزیر وما اُھل لغیر اللہ بہٖ میں اشیاء مذکورہ کا بظاہر مَردوں کے لیے حرام ہونا معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ علیکم میں کم ضمیر جمع مذکر مخاطب کے لئے ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ عورتوں کے لئے یہ سب چیزیں حلال ہوں بلکہ عورتیں مَردوں کے تابع ہو کر اس حُکم حُرمت میں داخل ہوں گی۔ ایسے ہی مسئلہ زکوٰۃ میں بھی عورتیں مَردوں کے تابع ہوں گی، تو جس طرح سونے چاندی میں مَردوں پر زکوٰۃ واجب ہے اسی طرح عورتوں کے زیورات پر بھی زکوٰۃ واجب ہے۔

سونے چاندی کی زکوٰۃ نہ دینے پر پورے جسم کو عذاب ہو گا۔

سونے اور چاندی کی زکوٰۃ نہ دینے پر عذاب تو پورے جسم کو ہوگا مگر اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن مجید میں بعض مخصوص اعضاء کو بیان کیا ہے ان کے دیگر اعضاء پر اشرف ہونے کی وجہ سے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

يَوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ۔

(سورۃ التوبہ آیت ۳۵)

جس دن ان کو دوزخ کی آگ میں تپایا جائے گا پھر اس سے ان لوگوں کی پیشانیوں کو اور ان کی کروٹوں اور ان کی پشتوں کو داغ دیا جائے گا یہ ہے وہ جس کو تم نے اپنے واسطے جمع کر کے رکھا تھا۔ سو اب اپنے جمع کرنے کا مزہ چکھو۔

قاضی بیضاوی ؒ نے اعضاء مذکورہ کے داغے جانے کی وجہ تخصیص یہ بیان فرمائی ہے کہ ان کے مال جمع کرنے اور زکوٰۃ ادا نہ کرنے کا سبب ہی اعضاء بنتے ہیں کیونکہ جب ان کے پاس سائل آتا ہے تو اس سے روگردانی اور ترش روئی کرتے تھے جس کی وجہ سے ان کی پیشانیوں کو داغا جائے گا۔ اور جب سائل ان کے ساتھ کسی مجلس میں شریک ہوتا تو وہ اس سے پہلو تہی کرتے (رخ پھیر لیتے) اور چونکہ رخ پھیرنا پہلوؤں کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس وجہ سے ان کے پہلوؤں کو داغا جائے گا اور سائل کے اصرار پر اپنے ساتھیوں کو لے کر وہاں سے پشت پھیر کر چل دیتے تھے لہٰذا ان کی پشتوں کو داغا جائے گا۔

قاضی بیضاوی ؒ نے دوسری وجہ یہ بیان فرمائی کہ باقی اعضاء ظاہرہ میں سے ان اعضاء کو عذاب کے لئے خاص اس لئے کیا گیا کہ یہ اعضاء اعضاء رئیسہ (قلب، دماغ، جگر) کو مشتمل ہونے کی وجہ سے باقی اعضاء سے اشرف ہیں کیونکہ دماغ جبہ میں ہوتا ہے، دل جنب میں ہوتا ہے جب اشرف اعضاء کو عذاب ہوگا تو باقی اعضاء کو بطریق اولیٰ ہوگا۔

تیسری وجہ یہ بیان فرمائی کہ یہ مذکورہ اعضاء بدن کی جہات اربعہ کے لئے اصول ہیں۔ جبہ سے مراد بدن کا اگلا حصہ اور ظہور سے مراد بدن کا پچھلا حصہ اور جنب سے مراد بدن کا یمین و شمال ہے۔ اس طور پر ان اعضاء سے پورے جسم کا احاطہ ہو گیا۔ لہٰذا عذاب پورے جسم کو ہوگا۔

کھیتی اور پھلوں کا عُشر

اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن مجید کی سورۃ انعام کی آیت ۱۴۱ میں درختوں کی اقسام بیان فرماکر خاص طور پر کھجور کے درخت اور کھیتی کا ذکر فرمایا اور کھیتی کاٹنے کے دن ان میں حقوقِ واجبہ کی ادائیگی کا حکم ارشاد فرمایا:

وَهُوَ الَّذِیْۤ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّ غَیْرَ مَعْرُوْشٰتٍ وَّالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ وَالزَّیْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَّغَیْرَ مُتَشَابِهٍ ؕ كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖۤ اِذَاۤ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ یَوْمَ حَصَادِهٖ ۖؗ وَلَا تُسْرِفُوْا ؕ اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ ۟ۙ (سورۃ الانعام آیت ۱۴۱)

اور وہی ہے جس نے باغات پیدا کئے، وہ بھی جو ٹٹیوں پر چڑھائے جاتے ہیں اور وہ بھی جو ٹٹیوں پر نہیں چڑھائے جاتے اور کھجور کے درخت اور کھیتی جن میں کھانے کی چیزیں مختلف طور کی ہوتی ہیں اور زیتون اور انار جو باہم ایک دوسرے کے مشابہ بھی ہوتی ہیں اور ایک دوسرے کے مشابہ نہیں بھی ہوتے، ان سب کی پیداوار کھاؤ جب وہ نکل آوے اور اس میں جو حق واجب ہے وہ اس کے کاٹنے کے دن دیا کرو اور حد سے مت گذرو، یقیناً وہ حد سے گذرنے والوں کو ناپسند کرتے ہیں۔"

اس آیت میں اللہ ربّ العزت نے اوّلاً دو قسم کے درختوں کا بیان فرمایا ہے ایک وہ جس کی بیلیں اوپر چڑھائی جاتی ہیں دُوسرے وہ جس کی بیلیں نہیں چڑھائی جاتیں۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ نے ان کے مصالح اور منافع کے مطابق کیا ہے۔ اس کے بعد خصوصی طور پر نخل اور زرع کھجور کے درخت اور کھیتی کا ذکر فرمایا۔ کھجور کا پھل عام طور پر تفریحاً کھایا جاتا ہے اور بوقتِ ضرورت غذا کے لئے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔

مختلفاً اکلہ میں ضمیر کا مرجع نخل اور زرع دونوں ہوسکتے ہیں مطلب یہ ہے کھجور کی مختلف قسمیں اور کھیتی کی سینکڑوں اقسام باوجود آلات و اسباب ایک ہونے کے ذائقہ رنگ اور حجم میں مختلف ہیں۔ ان سب چیزوں میں اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کا اظہار ہے۔

اس کے بعد زیتون اور رُمّان (انار) کا ذکر فرمایا ان کے بھی بے شمار فوائد اور خواص ہیں جن کو عوام و خواص سب جانتے ہیں ان میں سے بعض دانے ایسے ہوتے ہیں جو رنگ ذائقہ اور حجم میں ملتے جلتے ہوتے ہیں اور بعض رنگ و ذائقے میں مختلف ہوتے ہیں۔

پھل کا عُشر ادا کرنے سے پہلے اس کا کھانا جائز ہے

پھلوں کی زکوٰۃ ادا کرنے سے پہلے ان کے کھانے کا جائز ہونا قرآن مجید کی مذکورہ آیت کے اس حصّہ کلوا من ثمرہٖ اذا اثمر، ان سب کی پیداوار کھاؤ جب نکل آئے، سے ثابت ہے یعنی ان میں سے ہر ایک پھل کے نمودار ہوتے ہی پکنے سے پہلے کھا سکتے ہو۔ اذا اثمر کی قید کا فائدہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے مالک کے لئے ادائے حق شرعی سے پہلے خود کھانے کی اجازت مستفاد ہو رہی ہے۔

کھیتی اور پھلوں کے پکنے پر عُشر واجب ہوتا ہے

کھیتی اور پھلوں میں عُشر اس وقت واجب ہوتا ہے جب کہ کھیتی اور پھل پک کر تیار ہو جائیں اور ان کو کاٹا جائے اور یہ مسئلہ سورۃ انعام کی آیت ۱۴۱ کے مذکورہ جملہ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ سے ثابت ہے۔
اٰتُوْا امر کا صیغہ ہے اور امر وجوب کے لئے ہے اور حق سے مُراد عُشر ہے۔ یوم حصادہ کھیتی کے کٹنے کے دن کو کہتے ہیں لہٰذا مطلب یہ ہوا کہ جب کھیتی تیار ہو جائے اور اس کو کاٹا جائے تو اس کا حق ادا کرو یعنی اس سے مقدارِ معلوم غربا، فقرا، اور مساکین کو دینا واجب ہے۔
حق سے مُراد عُشر ہے اور کھیتی سے مُراد وہ کھیتی ہے جو بارش یا سیلابی پانی سے سیراب ہو تو اس میں عُشر یعنی دسواں حصّہ دینا واجب ہے کیونکہ اگر کنویں یا ٹیوب ویل سے سیراب ہوتی ہو تو اس میں حدیث شریف کی رُو سے بیسواں حصّہ ادا کرنا واجب ہیں۔ حدیث شریف کے الفاظ یہ ہیں۔ فیما سقته السما ففيه العشر وما سقی بنا ضحة او دالية ففيه نصف العشر۔

زکوٰۃ کے مُستحق

جن لوگوں کو زکوٰۃ دینا جائز ہے قرآن مجید کے بیان کے مطابق ان کی آٹھ قسمیں ہیں جن کی تفصیل آگے آجائے گی، ان آٹھ اقسام میں سے صرف ایک قسم یعنی مؤلفۃ القلوب کو مالِ غنیمت سے حصّہ نہ دینے پر صحابہ کرام

رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا اجماع ہوگیا ہے۔

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ (سورۃ توبہ آیت ۶۰)	صدقات تو صرف حق ہے غریبوں کا اور محتاجوں کا اور جو کارکن ان صدقات پر متعین ہیں اور جن کی دلجوئی کرنا ہے اور غلاموں کی گردن چھڑانے میں اور قرضداروں کے قرض میں اور جہاد میں اور مسافروں میں یہ حکم اللہ کی طرف سے مقرر ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے علم والے بڑی حکمت والے ہیں۔

اس آیت میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے صدقاتِ واجبہ کے مستحقین کی آٹھ قسمیں بیان کی ہیں۔

مگر چونکہ ابتداء اسلام میں ضعیف الایمان مسلمانوں یا کافروں کو ان کی تالیفِ قلبی کے لئے مالِ غنیمت سے کچھ حصہ دیا جاتا تھا یا ایسے لوگوں کو مالِ غنیمت سے حصہ دیا جاتا تھا جن کی وجہ سے اور لوگوں کے ایمان لانے کی اُمید ہوتی تھی۔ مگر بعد میں جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کا دَورِ خلافت آیا اور اسلام کو خُوب غلبہ حاصل ہوگیا تو صحابہ کرامؓ کا مؤلفۃ القلوب کو مالِ غنیمت سے حصہ نہ دینے پر اجماع ہوگیا کیونکہ تالیفِ قلبی کے لئے حصہ دینا اسلام کے مغلوب ہونے کی وجہ سے تھا جب یہ علّت ختم ہوگئی تو اس کا حکم بھی باقی نہ رہا لہٰذا اس آیت میں والمؤلفۃ قلوبہم منسوخ الحکم لبقیۃ التلاوت ہے اس کے علاوہ باقی مصارفِ زکوٰۃ اب بھی مستحق ہیں۔

مصارفِ زکوٰۃ کے متعلق صاحبِ ہدایہ کی تحقیق

صاحبِ ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ نے مصارفِ زکوٰۃ کے بارے میں مذکورہ آیت کو اصل قرار دیا ہے۔ قولہ تعالیٰ، انما الصدقات للفقراء۔ فقرآء فقیر کی جمع ہے اور فقار سے مشتق ہے۔ فقیر اور مسکین کی تعریف میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک فقیر اس کو کہتے ہیں جس کے پاس کوئی معمولی چیز ہو اور وہ سوال نہ کرے۔ مسکین وہ ہے جس کے پاس کچھ بھی نہ ہو۔

امام صاحبؒ او مسکینا ذا متربۃ سے استدلال کرتے ہیں۔

امام شافعیؒ کے نزدیک فقیر اور مسکین کی تعریف، مذکورہ تعریف کے برعکس ہے یعنی فقیر وہ ہے جس کے پاس کچھ نہ ہو اور مسکین وہ ہے جس کے پاس کچھ چیز ہو۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ آیت اما السفینۃ فکانت لمساکین یعملون فی البحر سے استدلال کرتے ہیں کہ اس میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اصحاب سفینہ کو مساکین کہا ہے حالانکہ وہ کشتی کے مالک تھے لیکن احناف کی طرف سے اس کا جواب یہ دیا جاسکتا ہے کہ وہ کشتی کے مالک نہیں تھے بلکہ اجیر تھے باقی سفینہ کی جو نسبت ان کی طرف کی گئی ہے وہ ان کے سفینہ میں تصرّف کی وجہ سے ہے۔

زکوٰۃ کے باب میں فقیر اور مسکین دونوں کا حکم تمام آئمہ کے نزدیک ایک ہی ہے گویا دونوں ایک ہی قسم ہیں دونوں زکوٰۃ کے مستحق ہیں۔ مگر کتاب الوصایا میں فقیر اور مسکین کے بارے میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دونوں ایک ہی قسم ہیں حتیٰ کہ اگر کسی شخص نے اپنے ثلث مال میں وصیت کی کہ زید کے لئے اور فقرآء و مساکین کے لئے تو چونکہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ ان دونوں کو ایک ہی شمار کرتے ہیں لہٰذا نصف ثلث ان دونوں کو مل جائے گا۔ اور باقی نصف ثلث زید کو ملے گا۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ دونوں الگ الگ دو قسمیں ہیں لہٰذا ثلث کو تین سے تقسیم کرکے ثلثِ ثلث زید کو ملے گا اور باقی دو ثلث ان دونوں کو مل جائے گا یعنی ثلثِ ثلث فقیر کو اور ثلثِ ثلث مسکین کو۔

عامل کو مُعاوضہ دینا

عامل کو معاوضہ دینا والعاملین علیہا سے ثابت ہے۔ عاملین عامل کی جمع ہے اور عامل اس کو کہتے ہیں جو امام کی طرف سے لوگوں سے صدقات کی وصولی پر مقرر ہو اور اس کام کے عوض امام اس کو عمل کے موافق اتنی مقدار میں مال دے جو اس کی مدتِ عمل تک خود اس کے اور اھل و عیال کے لئے کافی ہو اور اس کا اندازہ آٹھویں حصہ سے نہیں ہوگا کیونکہ عامل کا استحقاق اس کے عمل کی وجہ سے بطریق کفایت کے ہے یہی وجہ ہے کہ اگر عامل غنی ہو تو پھر بھی وہ بقدر کفایت مال لے سکتا ہے اگرچہ عامل کے لئے یہ مال صدقہ تو نہیں مگر صدقہ کا شبہ بہرکیف موجود ہے اور اسی شبہ کی وجہ سے عامل ہاشمی کے لئے اس کا لینا درست نہیں اس لئے کہ صدقہ مَیل کچیل ہے اور جب اُجرت میں صدقہ کا شبہ ہے تو مَیل کچیل کا شبہ ہوگا۔ اور ہاشمی کے لئے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قرابت کی وجہ سے مَیل کچیل کے شبہ سے بچنا بھی فروری ہے لہٰذا عامل ہاشمی کے لئے اپنے عمل کی اُجرت لینا جائز نہیں۔

سوال: ہوتا ہے کہ جب اسمیں صدقہ کا شبہ ہے تو صدقہ تو غنی کے لئے بھی حرام ہے لہٰذا مناسب یہ ہے کہ

غنی بھی عمل نہ کرے۔

جواب: یہ ہے کہ استحقاقِ کرامت میں غنی ہاشمی کے برابر نہیں ہے (لہذا ہاشمی کے لیے صدقہ کا شبہ بھی حرمت کے لیے موثر و معتبر ہے) بخلاف غنی کے کہ اس کے حق میں صدقہ کا شبہ حرمت کے لیے موثر و معتبر نہیں۔

مکاتب کو بدل کتابت ادا کرنے کیلئے زکوٰۃ دینا جائز ہے

مکاتب کہتے ہیں جس کو مولی یہ کہے کہ اگر تو اتنی رقم ادا کردے تو تو آزاد ہے۔ ایسے مکاتب جو اپنے مالک کے بدل کتابت ادا کرنے میں مال کے محتاج ہوں تو بدل کتابت کی ادائیگی میں مال زکوٰۃ سے ان کا تعاون کیا جا سکتا ہے جیسا کہ لفظ وفی الرقاب اس پر دلالت کرتا ہے یہ تفسیر جمہور فقہاء و محدثین امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے اور یہی شعبی سعید بن جبیر اور زہری سے شرح ہدایہ میں منقول ہے جب کہ امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبل رح کے نزدیک وفی الرقاب کی تفسیر یہ ہے کہ مال زکوٰۃ سے غلاموں کو خرید کر آزاد کیا جائے۔

قرض دار کو قرض کی ادائیگی کیلئے زکوٰۃ دینا جائز ہے

قرض دار کو قرض ادا کرنے کے لئے زکوٰۃ دینے کا جواز لفظ والغارمین سے معلوم ہوتا ہے۔ غارمین۔ غارم کی جمع ہے جس کے معنی قرض دار کے ہیں اور قرض دار کے لئے یہ شرط ہے کہ اس نے وہ قرض کسی معصیت مثلاً شراب نوشی جوا بازی یا لھو ولعب یا شادی بیاہ وغیرہ کی ناجائز رسومات کے لئے نہ لیا ہو بلکہ وہ قرض دو شخصوں کے درمیان اصلاح یا دو قبیلوں کے درمیان دشمنی ختم کرنے کے لئے لیا ہو اور وہ اس قرض کی ادائیگی پر قدرت نہ رکھتا ہو تو ایسے شخص کا اس کے قرض کی ادائیگی کے لئے مال زکوٰۃ سے تعاون کیا جا سکتا ہے۔

مجاہدین کی امداد کیلئے مال زکوٰۃ دینا جائز ہے

اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والے مجاہدین کی مال زکوٰۃ سے امداد کرنا جائز ہے۔ جیسا کہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور جمہور علماء کا قول بھی یہی ہے اور یہ حضرات لفظ فی سبیل اللہ سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ فی سبیل اللہ سے مراد وہ مجاہدین ہیں جو اپنے گھر بار سے جدا ہو جاتے ہیں اور اللہ کی راہ میں

جہاد کے لئے نکلتے ہیں۔ امام احمد اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک فی سبیل اللہ سے مُراد وہ لوگ ہیں جن پر حج فرض ہو چکا ہو مگر وہ اسبابِ حج پر قادر نہ ہوں جیسا کہ امام احمد اور امام ابوداؤد رح نے ام معقل کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ابومعقل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کرنیوالے تھے جب گھر آئے تو میں نے ان سے کہا کہ آپ واقف ہیں کہ مجھ پر حج فرض ہے مجھے بھی لے چلئے وہ مجھے لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ پر حج فرض ہے اور ابومعقل کے پاس جوان اُونٹ موجود ہے مجھے سواری کے لئے دلوا دیجئے تو ابومعقل نے کہا کہ یہ اُونٹ تو میں اللہ کی راہ میں دے چکا ہوں اب تو یہ صدقہ، زکوٰۃ یا خیرات ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو دے دو تاکہ اس پر سوار ہو کر حج کو چلی جائے۔ حج بھی فی سبیل اللہ ہے یعنی حج بھی راہِ خدا میں داخل ہے۔

مُسافر کو زکوٰۃ دینا جائز ہے

ایسا مُسافر جس کے پاس سفر میں بقدرِ ضرورت مال نہ ہو اگرچہ اس کے وطن میں اس کے پاس کتنا ہی مال کیوں نہ ہو اس کو مالِ زکوٰۃ دیا جا سکتا ہے جس سے وہ اپنے سفر کی ضروریات پُوری کرے اور وطن واپس جا سکے اور اس کا ثبوت لفظ ابن سبیل سے ہے۔ سبیل کے معنی راستہ اور ابن کا لفظ اصل میں تو بیٹے کے لئے بولا جاتا ہے لیکن عربی محاورات میں ابن اب اور اخ وغیرہ کے الفاظ ان چیزوں کے لئے بھی بولے جاتے ہیں جن کے ساتھ ان کا گہرا تعلق ہو اسی محاورہ کے مطابق ابن سبیل راہ گیر و مُسافر کو کہا جاتا ہے کیونکہ ان کا گہرا تعلق راستہ قطع کرنے اور منزل مقصود پر پہنچنے سے ہے اور مصارف زکوٰۃ میں اس سے مُراد وہ مُسافر ہے جس کے پاس سفری ضروریات کو پُورا کرنے اور گھر تک پہنچنے کے لئے مال نہ ہو تو ایسے مُسافر کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔

حرف فی کے استعمال کی حکمت

صدقات کے مذکورہ آٹھ مصارف میں سے پہلے چار مصارف کو حرف لام کے تحت بیان کیا اور پچھلے چار مصارف میں سابقہ طرز بدل کر لام کی جگہ حرف فی استعمال کیا اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ آخری چار مصارف بہ نسبت پہلے چار کے زیادہ مستحق ہیں کیونکہ حرف فی ظرفیت کے لئے بولا جاتا ہے لہٰذا معنی یہ ہوں گے کہ صدقات کو ان لوگوں کے اندر رکھنا چاہیئے اور ان کے زیادہ مستحق ہونے کی وجہ ان کا زیادہ محتاج ہونا ہے کیونکہ جو شخص کسی کا مملوک غلام ہو وہ بہ نسبت

عام فقراء کے زیادہ تکلیف میں ہے اسی طرح جو کسی کا قرض دار ہے اور قرض خواہ اس سے تقاضہ کرتا ہے تو وہ عام غربا اور فقراء سے زیادہ تنگی میں ہوتا ہے کہ اس کو اپنے اخراجات کی فکر سے بھی زیادہ قرض کی اُدائیگی کی فکر ہوتی ہے۔

لفظ فی کے اعادہ کی حکمت

ساتویں مصرف وَفِي سَبِيلِ اللهِ میں لفظ فی کو دوبارہ ذکر کر کے اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ یہ مصرف پہلے سب مصارف سے زیادہ مستحق ہے اس لئے منقطع الغزاۃ یعنی وہ مجاہد یا غازی جس کے پاس آلاتِ حرب یا ضروریات جنگ خریدنے کے لئے مال نہ ہو اسی طرح وہ شخص جس پر حج فرض ہونے کے بعد اتنا مال نہ بچے جس سے وہ فریضۂ حج اُدا کر سکے تو ایسے اشخاص صدقات کے زیادہ مستحق ہیں اس لئے کہ ان کو مال دینے سے دو فائدے حاصل ہوں گے (۱) غریب مفلس کی امداد (۲) دوسرے ایک دینی فریضہ کی ادائیگی میں تعاون۔

احناف و شوافع کا مشہور اختلاف

احناف اور شوافع کے درمیان مشہور اختلاف یہ ہے کہ احناف کے نزدیک صدقاتِ مفروضہ مستحقین زکوٰۃ کی تمام اقسام کو بھی دے سکتے ہیں اور ان اقسام میں سے کسی ایک قسم کو دیں باقیوں کو نہ دیں تو بھی جائز ہے۔ شوافع کے نزدیک زکی کیلئے زکوٰۃ کو مستحقین زکوٰۃ کی تمام اقسام پر تقسیم کرنا ضروری ہے اور ہر ایک قسم کے کم از کم تین افراد کو زکوٰۃ دے۔

شوافع کی دلیل یہ ہے کہ چونکہ یہاں پر اضافت حرف لام کے ساتھ ہے جو کہ استحقاق کیلئے ہوتی ہے لہٰذا تمام اقسام زکوٰۃ کی مستحق ہونگی اور پھر ہر ایک قسم کو جمع کے صیغہ کے ساتھ ذکر کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ مذکورہ تمام اقسام کے تمام افراد پر زکوٰۃ تقسیم کیجائے مگر چونکہ تمام افراد کو زکوٰۃ دینا محال ہے لہٰذا ہر ایک قسم کے کم از کم تین تین افراد کو زکوٰۃ دینا ضروری ہے تاکہ جمع کا اطلاق درست ہو۔

مذکورہ دلیل کا احناف یہ جواب دیتے ہیں کہ آیت میں اضافت مصارفِ زکوٰۃ کو بیان کرنے کے لئے ہے نہ کہ استحقاق ثابت کرنے کے لئے کیونکہ حقیقتاً صدقات کا قبول کرنے والا اللہ تبارک و تعالیٰ ہے اور مذکورہ اقسام اپنے غلبۂ فقر و احتیاج کی وجہ سے مصرفِ زکوٰۃ بن گئے پھر اللہ تعالیٰ نے مصارف زکوٰۃ کو انہی مذکورہ اقسام میں منحصر کر دیا تاکہ ان کے ماسوا کسی اور کو زکوٰۃ نہ دیجائے یہی وجہ ہے کہ مزکی مال زکوٰۃ اپنے آباؤ و اجداد اپنی اُولاد بیوی یا بیوی اپنے شوہر یا اپنے مدبر مکاتب ام ولدہ عبد معتق البعض نابالغ مالدار بیٹے اور بنی ہاشم کو نہیں دے سکتا۔

باقی صیغہ جمع کے متعلق اصولیین کا مسلمہ قاعدہ ہے کہ جب لام پر جمع داخل ہو اور عہد یا استغراق کے لئے نہ ہو تو لام کے دخول سے جمع کی جمعیت باطل ہو جاتی ہے اب دو ہی صورتیں ہیں کہ لام جنس کے لئے ہو یا استغراق کے لئے مگر چونکہ استغراق میں احاطہ افراد ہوتا ہے جس پر عمل محال ہے (کہ تمام مستحقین کو زکوٰۃ دیجائے)

لہٰذا لام استغراق کے لئے نہیں ہوگا بلکہ جنس کیلئے ہوگا اور چونکہ جنس کا اطلاق قلیل کثیر سب پر ہوتا ہے اس لئے مصارف زکوٰۃ کی تمام اقسام کو بھی زکوٰۃ دے سکتے ہیں۔ اور کسی ایک قسم کے فرد واحد کو بھی زکوٰۃ دینا جائز ہے۔

مؤمنین سے زکوٰۃ لینا

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ اَلَمْ يَعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ۔ (سورۃ التوبۃ آیت ۱۰۳ و ۱۰۴)

آپ ان کے مالوں میں سے صدقہ لیجئے جس کے ذریعہ سے آپ ان کو پاک صاف کر دیں گے اور ان کے لئے دعا کیجئے بلاشبہ آپ کی دعا ان کے لئے موجب اطمینان ہے اور اللہ تعالیٰ خوب سنتے ہیں، خوب جانتے ہیں۔ کیا ان کو یہ خبر نہیں کہ اللہ ہی اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور وہی صدقات کو قبول فرماتا ہے اور یہ کہ اللہ ہی توبہ قبول کرنے میں اور رحمت کرنے میں کامل ہے۔

شانِ نزول: جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ تبوک کا اعلان فرمایا تو بعض مسلمان تو اعلان سنتے ہی فوراً تیار ہو گئے بعض نے کچھ تردد کے بعد جہاد میں شرکت کا فیصلہ فرمایا اور جو حقیقتاً معذور تھے انہوں نے شرکت سے عذر خواہی کی مگر بعض مسلمان بلا کسی عذر کے محض سستی اور کاہلی کی بنا پر شریک جنگ نہ ہوئے تھے پھر اپنے اس فعل پر نادم ہو کر انہوں نے اپنے آپ کو مسجد نبوی کے ستونوں سے باندھ لیا اور یہ عہد کیا تھا کہ جب تک ہماری توبہ قبول کر کے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں کھولیں گے ہم اسی طرح بندھے ہوئے قیدی رہیں گے۔ اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کھولنے کا حکم دیدیا اور جب وہ کھولدیئے گئے تو ان حضرات نے بطور شکریہ اپنا سارا مال صدقہ کرنے کے لئے پیش کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول کرنے سے انکار کر دیا کہ مجھے مال لینے کا حکم نہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی (خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ الخ) اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بجائے پورے مال

کے ایک تہائی مال کا صدقہ قبول فرمایا جیسا کہ آیت میں لفظ مِنْ سے اس طرف اشارہ موجود ہے کہ کُل مال نہ لیا جائے بلکہ اس کا بعض حصہ لیا جائے۔

زکوٰۃ حکومت کا ٹیکس نہیں عبادت ہے

زکوٰۃ کے ذریعہ اصحابِ اموال کو گناہوں سے پاک صاف کرنا مقصود ہے جو کہ عبادت ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے۔ صدقۃ تطہرہم وتزکیہم بہا آیت میں صدقہ سے عام صدقہ مُراد ہے۔ خواہ صدقہ نافلہ ہو خواہ صدقہ واجبہ (یعنی زکوٰۃ) ہو۔

صدقۃً میں ترکیبی اعتبار سے دو احتمال ہیں ایک یہ کہ تطہرہم صدقۃ کی صفت ہو تو مطلب ہو گا کہ آپ ان سے ان کے اموال کا صدقہ لے لیجئے جو ان کو گناہوں سے پاک کر دے یعنی اگر یہ لوگ صدقہ نہ کرتے تو گنہگار ہوتے اب صدقہ ادا کر کے گناہوں سے پاک ہو جائیں گے۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ تطہرہم سابقہ امرِ خذ کا جواب ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے کہ آپ ان لوگوں سے صدقہ لے لیجئے جس کے ذریعہ آپ ان کو گناہوں سے پاک کر دیں یعنی اگر آپ نے صدقہ وصول نہ کیا اور انہوں نے بھی ادا نہ کیا تو یہ لوگ گناہوں کی آلودگیوں سے بچ نہیں سکیں گے۔

معلوم ہوا کہ اللہ رب العزت نے عام حکومتوں کی طرح جو اپنے نظام حکومت چلانے کیلئے ٹیکس وصول کرتی ہیں اپنے بندوں پر بطور ٹیکس کے زکوٰۃ واجب نہیں کی بلکہ زکوٰۃ کا وجوب بطور عبادت کے ہے۔ زکوٰۃ کے ذریعہ اصحاب اموال کو گناہوں سے پاک صاف کرنا مقصود ہے جو کہ عبادت ہے۔

صدقہ لینے والا صدقہ دینے والے کیلئے دُعا کرے۔

عامل کو چاہیئے کہ صدقہ وصول کر کے صدقہ دینے والے کے لئے دُعاء مغفرت کرے جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے: "وصل علیہم اور ان کے لئے دُعاء مغفرت کرو" صاحب قاموس نے لکھا ہے کہ لغت میں صلوٰۃ کا معنی ہے دُعاء، رحمت استغفار۔ جب لفظ صلوٰۃ کی نسبت بندوں کی طرف کی جاتی ہے تو اس سے مُراد دعاء اور استغفار ہوتی ہے۔

بغویؒ نے لکھا ہے کہ صدقہ کا مال لیتے وقت امام پر واجب ہے کہ دینے والے کیلئے دعاء کرے، بعض علماء کے نزدیک

دُعا مستحب ہے اور بعض کے نزدیک واجب بعض کے نزدیک صدقہ واجبہ (زکوٰۃ) وصول کرتے وقت تو واجب ہے اور نفلی صدقہ وصول کرتے وقت مستحب ہے۔

بعض کا قول یہ ہے کہ امام پر تو واجب ہے مگر فقیر اگر مالدار سے لے تو لینے والے فقیر کے لئے دُعا کرنا مستحب ہے۔

بخاری شریف میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ نے فرمایا (ابو اوفیٰ ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے حدیبیہ کے موقع پر درخت کے نیچے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مُبارک پر تجدید بیعت کی تھی) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جب لوگ صدقہ کا مال پیش کرتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو دعا دیتے۔ اور فرماتے اے اللہ! ان پر رحمت نازل فرما۔ چنانچہ میرے باپ نے بھی جب اپنے صدقہ کا مال پیش کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے اللہ! آلِ ابی اوفیٰ پر رحمت نازل فرما۔

فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ

تو ایسا کیوں نہ کیا گیا کہ ان کی ہر بڑی جماعت میں سے ایک چھوٹی جماعت (جہاد میں) جایا کرے تاکہ (یہ باقی ماندہ لوگ) دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرتے رہیں۔ (القرآن)

کِتَابُ الصَّوْمِ

صوم کی قسمیں

صوم اور صیام کے لغوی معنی ہیں کھانے پینے، نکاح اور گفت گو سے باز رہنا۔ چنانچہ جو شخص بولنے یا کھانے سے باز رہے یا بولنا اور کھانا پینا چھوڑ دے تو اس شخص کو صائم کہتے ہیں۔

اصطلاحِ شرع میں نیت کے ساتھ صبح سے غروب تک کھانے پینے اور جماع سے باز رہنے کا نام صوم ہے حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک روزہ میں نیت شرط ہے رُکن نہیں لیکن مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک نیت اس کے ارکان میں سے ہے مگر اس اختلاف سے عملاً کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ اگر کوئی شخص بغیر نیت کئے روزہ رکھے تو روزہ بالاتفاق باطل ہو جائے گا نیت کے بغیر روزہ صحیح نہیں ہوگا۔

صوم (روزہ) کی آٹھ قسمیں ہیں (۱) فرض معین (۲) فرض غیر معین (۳) واجب معین (۴) واجب غیر معین۔ (۵) سُنّت (۶) مستحب نفل (۷) مکروہ تحریمی (۸) مکروہ تنزیہی۔

(۱) فرض معین وہ ہوتا ہے جس کا وقت معین مخصوص ہے جیسے رمضان المبارک کے روزے۔

(۲) فرض غیر معین یعنی جن فرض روزوں کا کسی خاص وقت میں رکھنا متعین نہ ہو جیسے رمضان المبارک کے قضا روزے (۳) واجب معین نذر متعین کے روزے ہیں یعنی کسی خاص تاریخ میں روزہ رکھنے کی نذر مانی ہو (۴) واجب غیر متعین مثلاً نذر غیر معیّن کے روزے یا کفّارات کے روزے (۵) روزوں میں کوئی روزہ سُنّتِ مؤکدہ نہیں ہے مسنون روزے سے مُراد وہ روزے ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے رکھے ہوں اور آپ نے کثرت سے ان کی ترغیب دی ہو اس میں مندرجہ ذیل روزے شامل ہیں۔

(۱) عرفہ یعنی ۹ ذی الحجہ کا روزہ (۲) عاشورہ یعنی ۱۰ محرم کا روزہ (۳) ایامِ بیض یعنی قمری مہینے کی ۱۳/۱۴/۱۵ تاریخ کے روزے (۶) مستحب فرض واجب اور سُنّت روزوں کے علاوہ باقی تمام روزے مستحب ہیں مثلاً ہر ہفتہ میں دوشنبہ یعنی پیر اور پنجشنبہ یعنی جمعرات کا روزہ رکھنا، جمعہ کے دن کا روزہ۔ شش عید یعنی شوال کے مہینہ میں یوم عید الفطر کے بعد چھ دنوں کے روزے، ماہ محرّم کے پہلے عشرہ کا روزہ، ذی الحجہ کے پہلے عشرے کے روزے، ماہِ رجب کے

روزے، ماہ شعبان کے روزے۔ (۷) مکروہ تحریمی مندرجہ ذیل روزے ہیں۔

(۱) عید الفطر کے دن کا روزہ (۲) عید الاضحیٰ کے دن کا روزہ (۳) عید الاضحیٰ کے بعد تین دن یعنی گیارہ، بارہ، تیرہ تاریخ کے روزے۔ یہ روزے یا تو مکروہ تحریمی ہیں جو حرام کے قریب ہوتا ہے یا حرام ہیں۔

(۸) مکروہ تنزیہی روزوں میں سے چند یہ ہیں: (۱) ہفتہ یا صرف اتوار کا یا کسی ایسے دن کا روزہ جس میں غیر مسلم روزہ رکھتے ہوں (۲) صرف عاشورہ کا اکیلا روزہ[۳] (صرف اکیلا جمعہ کا روزہ بعض فقہاء کے نزدیک مکروہ تنزیہی ہے۔ (۴) رمضان المبارک شروع ہونے سے ایک یا دو دن پہلے روزہ رکھنا (۵) صوم الدہر یعنی ہر سال بغیر کوئی دن ناغہ کئے تمام عمر ہمیشہ روزے رکھنا (۶) صوم وصال یعنی دو دن یا کئی دن تک لگاتار روزے رکھنا کہ رات کو بھی افطار نہ کرے (۷) سکوت کا روزہ جس کو روزۂ مریم بھی کہتے ہیں یہ وہ روزہ ہے کہ اس میں کلام نہ کرے (۸) عورت کا اپنے خاوند کی اجازت کے بغیر نفلی روزہ رکھنا۔

روزے کی فضیلت

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعطیت امتی خمس خصال فی رمضان لو تعطھن امۃ قبلھم خلوف فم الصائم اطیب عند اللہ من ریح المسک وتستغفر لھم الحیتان حتی یفطروا ویزین اللہ عزوجل کل یوم جنتہ ثم یقول یوشک عبادی الصالحون ان یلقوا عنھم المؤنۃ ویصیر الیک وتصفد فیہ مردۃ الشیاطین فلا یخلصوا فیہ الی ما کانو یخلصون الیہ فی غیرہ ویغفر لھم فی آخر لیلۃ قیل یا رسول اللہ اھی لیلۃ القدر، قال لا ولکن

ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا کہ میری امت کو رمضان شریف کے بارے میں پانچ چیزیں مخصوص طور پر دی گئی ہیں جو پہلی امتوں کو نہیں ملی ہیں (۱) یہ کہ ان کے منہ کی بدبو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مشک سے زیادہ پسندیدہ ہے (۲) ان کے لئے دریا کی مچھلیاں تک دعا کرتی ہیں اور افطار کے وقت تک کرتی رہتی ہیں (۳) جنت ہر روز ان کے لئے آراستہ کی جاتی ہے۔ پھر حق تعالیٰ شانہ فرماتے ہیں کہ قریب ہے میرے نیک بندے دنیا کی مشقتیں اپنے اوپر سے پھینک کر تیری طرف آویں (۴) اس میں سرکش شیاطین قید کر دیئے جاتے ہیں کہ وہ رمضان میں اُن برائیوں کی طرف نہیں پہنچ سکتے جن کی طرف غیر رمضان میں پہنچ سکتے ہیں (۵) رمضان

العامل انما یوفّٰی اجرہ اذا قضٰی عملہ (رواہ احمد، والبزار والبیہقی ورواہ ابوالشیخ بن حبان فی کتاب الثواب الا ان عندہ وتستغفر لہم الملئکۃ بدل الحیتان، کذا فی الترغیب)

کی آخری رات میں روزہ داروں کے لئے مغفرت کی جاتی ہے، صحابۂ کرام نے عرض کیا کہ یہ شبِ مغفرت، شبِ قدر ہے؟ فرمایا نہیں بلکہ دستور یہ ہے کہ مزدور کو کام ختم ہونے کے وقت مزدوری دی جاتی ہے۔

روزہ کی فرضیت

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ اَیَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ فَمَنْ کَانَ مِنْکُمْ مَّرِیْضًا اَوْ عَلٰی سَفَرٍ فَعِدَّۃٌ مِّنْ اَیَّامٍ اُخَرَ وَعَلَی الَّذِیْنَ یُطِیْقُوْنَہٗ فِدْیَۃٌ طَعَامُ مِسْکِیْنٍ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَیْرًا فَھُوَ خَیْرٌ لَّہٗ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔ (سورۃ البقرہ آیت ۱۸۳ تا ۱۸۴)

اے ایمان والو! تم پر روزہ فرض کیا گیا جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا اس توقع پر کہ تم متقی بن جاؤ تھوڑے دنوں روزہ رکھ لیا کرو۔ پھر جو شخص تم میں سے بیمار ہو یا سفر میں ہو تو دوسرے ایّام کا شمار رکھنا ہے اور جو لوگ روزہ کی طاقت رکھتے ہوں ان کے ذمّہ فدیہ ہے کہ وہ ایک غریب کا کھانا ہے اور جو شخص خوشی سے خیر کرے تو یہ اس شخص کے لئے اور بھی بہتر ہے اور تمہارا روزہ رکھنا زیادہ بہتر ہے اگر تم خبر رکھتے ہو۔

اس آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے چند مسائل بیان فرمائے ہیں۔

(۱) روزہ کی فرضیت (۲) پچھلی اُمتّوں پر روزہ کا حکم (۳) روزہ کی فرضیت بالتدریج (۴) مریض کے روزے کے احکام (۵) مسافر کے روزے کے احکام (٦) روزہ کی قضا (۷) شیخ فانی کے روزے کے احکام (۸) روزہ فدیہ

روزہ جسطرح اُمتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام پر فرض ہے اِسی طرح پچھلی امتوں پر بھی فرض تھا جیسا کہ قرآن مجید کا ارشاد ہے۔ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ اے ایمان والو تم پر روزہ فرض کیا گیا جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اُمتِ محمدیہ علی صاحبہا الصّلوٰۃ والتّسلیم پر روزے کی فرضیت اس انداز سے فرمائی کہ ساتھ ساتھ تسلی بھی دیدی کہ روزہ عبادت بدنی ہے اور بھوک و پیاس کیوجہ سے نفس پر بڑی شاق گذرتی ہے مگر یہ عبادت صرف تمہارے ساتھ ہی خاص نہیں ہے بلکہ تم سے پہلی اُمتوں کی شریعتوں میں بھی روزہ فرض تھا اور چونکہ

یہ فطری بات ہے کہ جب کسی مشکل کام میں عام لوگ مبتلا ہو جائیں تو وہ کام سب کیلئے سہل اور آسان ہو جاتا ہے۔

روزہ پچھلی اُمتوں پر بھی فرض تھا۔

حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پہلے پہلے تمام امتوں پر روزہ فرض تھا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔
كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا۔ مگر یہاں تشبیہ مطلق روزے میں ہے تعیین ایام تعداد اور مقدار وقت میں تشبیہ نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ پچھلی اُمتوں کے روزے کی کوئی اور کیفیت ہو۔ جیسا کہ پچھلی اُمتوں پر رمضان کے علاوہ باقی ایام میں بھی روزے فرض تھے۔ مثلاً حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ میں ایام البیض کے روزے فرض تھے اور موسیٰ علیہ السلام کی قوم کیلئے یوم عاشورہ کا روزہ فرض تھا۔ حضرت مریم علیہا السلام کا روزہ چپ رہنا تھا۔ اور ایک قوم پر عشاء کے وقت سے کھانے پینے سے رُکے رہنے کا حکم تھا غالباً اُمت محمدیہ علیہا السلام پر ابتدائے اسلام میں یہ حکم تھا۔

مریض کے لئے روزہ نہ رکھنے کی اجازت

احناف کے نزدیک ایسا مریض جسکا مرض روزہ رکھنے سے بڑھ جائے یا بڑھنے کا اندیشہ ہو جیسے آنکھ کا درد سردی کا بخار تو ایسے مریض کے لئے روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے۔ فمن کان منکم مریضا مگر وہ مریض جس کے مرض میں اضافہ کا خوف تو نہیں مگر زیادہ کھانے کیوجہ سے مرض لاحق ہو گیا ہے اور اس کیلئے کھانا مضر ہے تو ایسے مریض کو افطار کی اجازت نہیں ہے۔
امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہر قسم کے مرض میں افطار کی اجازت ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایسے مرض میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے جسمیں ہلاکت یقینی ہو اور بچنے کا احتمال نہ ہو یا عضو کے بیکار ہونے کا اندیشہ ہو۔

مُسافر کے لئے روزہ نہ رکھنے کی اجازت

شریعت نے مسافر کو سفر کیوجہ سے روزہ نہ رکھنے کی اجازت دی ہے جسکا ثبوت مذکورہ آیت کے جملہ او علی سفر سے ہے اس جملہ سے مسافر کیلئے روزہ نہ رکھنے کی اجازت کے علاوہ اور بھی کئی مسائل کیطرف اشارہ ہوتا ہے۔
(۱) اوّل یہ کہ مطلقاً لغوی سفر یعنی اپنے گھر اور وطن سے باہر نکل جانا روزہ نہ رکھنے کی رخصت کیلئے کافی نہیں بلکہ سفر

کچھ طویل ہونا چاہئے کیونکہ علیٰ سفر کا مفہوم یہ ہے کہ وہ سفر پر سوار ہو جس سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ گھر سے پانچ دس میل باہر چلے جانا مراد نہیں مگر سفر کی مسافت قرآن مجید میں مذکور نہیں بلکہ رسُولِ اللہ صَلَّی اللہ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے بیان اور صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے تعامل سے امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور بہت سے فقہاء نے اسکی مقدار تین منزل یعنی وہ مسافت جسکو پیدل سفر کرنیوالا بآسانی تین روز میں طے کر سکے قرار دی ہے۔ اور بعد کے فقہاء نے میلوں کے اعتبار سے اڑتالیس میل مسافت لکھی ہے۔

روزہ نہ رکھنے کیلئے سفر ضروری ہے

مذکورہ لفظ اور علیٰ سفر سے دوسرا مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ وطن سے نکل جانیوالا مسافر اسی وقت تک رخصت سفر کا مستحق ہے جب تک اس کے سفر کا سلسلہ جاری ہے اور ظاہر ہے کہ آرام کرنے یا کچھ کام کرنے کیلئے کسی جگہ ٹھیرنا مطلقاً اس کے سلسلۂ سفر کو ختم نہیں کرتا جب تک کوئی معتد بہ مقدار قیام نہ ہو اور اس معتد بہ قیام کی مدت نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے بیان سے پندرہ یوم ثابت ہے۔ جو شخص کسی ایک مقام پر پندرہ ایام ٹھیرنے کی نیت کرے تو وہ علیٰ سفر نہیں کہلاتا بلکہ مقیم ہو جاتا ہے لہٰذا وہ رخصت سفر کا بھی مستحق نہیں یعنی نمازیں پوری پڑھے گا اور روزے رکھے گا۔ اس سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص متفرق شہروں اور بستیوں میں پندرہ دن ٹھہرے تو وہ بدستور مسافر کے حکم میں رہ کر رخصت سفر کا مستحق رہیگا کیونکہ وہ علیٰ سفر کی حالت میں ہے۔

فرضیتِ روزہ کی ترتیب

روزہ کی فرضیت اس طرح ہوئی کہ پہلے سال میں صرف ایک روزہ۔ یوم عاشورہ کا فرض کیا گیا پھر اس کی فرضیت منسوخ ہوگئی اور اس کی جگہ ہرماہ تین دن ایام بیض یعنی تیرھویں، چودھویں، پندھویں تاریخ کے روزے فرض ہوئے بعد ازاں ایام بیض کے روزوں کی فرضیت منسوخ ہوکر رمضان المبارک کے مہینے کے روزے فرض ہوئے مگر ابتداء میں رمضان کے روزوں میں اختیار تھا چاہے تو روزے رکھے اور چاہے تو ایک روزہ کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلائے جس کی مقدار نصف صاع گندم ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وعلی الذین یطیقونہ فدیۃ طعام مسکین یعنی جو لوگ روزہ رکھنے کی طاقت کے باوجود روزہ نہیں رکھتے تو ایک مسکین کو کھانا کھلادیں پھر بیان کیا کہ فدیہ دینے سے روزہ رکھنا بہتر ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے۔ وان تصوموا خیر لکم پھر یہ اختیار کا حکم بھی منسوخ ہوگیا اور عشاء سے لے کر اگلے روز مغرب تک دن رات روزہ رکھنے کا حکم ہوا آدمی غروبِ آفتاب کے بعد افطار کرتا، کھانا کھاتا، پانی پیتا، بیوی سے متمتع ہوتا۔ یہ سب کچھ عشاء سے پہلے پہلے کرلیتا۔ عشاء کی نماز کے بعد تمام رات اور اگلا دن غروب آفتاب تک پھر یہ تمام چیزیں ممنوع تھیں پھر آیت: علم اللہ انکم کنتم تختانون انفسکم فتاب علیکم وعفا عنکم فالئٰن باشروھن وابتغوا ما کتب اللہ لکم وکلوا واشربوا حتّٰی یتبیّن لکم الخیط الابیض من الخیط الاسود من الفجر

یعنی رات کے روزہ کا حکم منسوخ ہوگیا اور روزہ کا وقت ہمیشہ کے لئے صبح صادق سے غروب آفتاب تک مقرر ہوگیا اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ رمضان المبارک کا روزہ یکبارگی فرض نہیں ہوا، بلکہ بندوں کی آسانی کے پیشِ نظر درجہ بدرجہ ترتیب وار فرض قرار دیا گیا تاکہ وہ اس عبادت کے عادی ہوجائیں۔

روزہ کی قضا،

مریض اور مسافر کو اپنے فوت شدہ روزوں کی تعداد کے مطابق دوسرے دنوں میں روزے رکھنا واجب ہے فعدۃ من ایام اخر جو شخص تم میں سے بیمار ہو یا سفر میں ہو تو دوسرے ایام کا شمار رکھنا ہے۔ اس میں بتلانا تو یہ مقصود تھا کہ مرض اور سفر کی مجبوری سے جو روزے چھوڑے گئے ہیں ان کی قضاء ان لوگوں پر واجب ہے اس مضمون کے لئے

فعلیہ القضاء کا مختصر جملہ بھی کافی تھا مگر اس کے لئے بجائے فعدۃ من ایام اُخر فرما کر اشارہ کر دیا کہ مریض اور مُسافر پر فوت شدہ روزوں کی قضا صرف اس صورت میں واجب ہے جبکہ مریض صحت کے بعد اور مسافر مقیم ہونے کے بعد اتنے دِنوں کی مہلت پائے جن میں قضا کر سکے۔ تو اگر کوئی شخص اتنے دن سے پہلے ہی مر گیا تو اس پر قضا یا فدیہ کی وصیّت لازم نہیں ہوگی۔

شیخِ فانی روزہ کے بدلے فدیہ دیدے

اگر کوئی شخص اتنا بوڑھا اور لاغر ہو جائے کہ روزہ رکھنے کی مشقّت برداشت نہیں کر سکتا تو اس کے لئے شرعًا اجازت ہے کہ روزہ کے بدلے فدیہ دیدے ارشاد باری تعالیٰ ہے، وعلی الذین یطیقونہ فدیۃ طعام مسکین اور جو لوگ روزہ کی طاقت رکھتے ہوں ان کے ذمہ ایک مسکین کا کھانا فدیہ ہے۔

بظاہر آیت سے شیخ فانی کے لئے رخصت کا مسئلہ ثابت نہیں ہوتا کیونکہ آیت کا ظاہری مفہوم یہ ہے کہ جو لوگ روزہ رکھنے کی طاقت کے باوجود روزہ نہیں رکھتے ان پر ایک غریب کا کھانا فدیہ ہے جبکہ شیخ فانی روزہ رکھنے سے عاجز ہوتا ہے لہٰذا فقہاء کرام نے اس کی مختلف توجیہات بیان کی ہیں۔

بعض نے کہا کہ یطیقونہ کے بعد اس کا معطوف ولا یصومون محذوف ہے تو اب مطلب یہ ہوگا کہ جو لوگ روزہ کی طاقت رکھتے ہیں اور پھر وہ روزہ نہیں رکھتے پس اس روزہ کا بدلہ ایک غریب کا کھانا ہے۔

یا یطیقونہ کے بعد شرط محذوف ہے وعلی الذین یطیقونہ ان لم یصوموا ان لوگوں پر جو روزے کی طاقت رکھتے ہیں اگر روزہ نہ رکھیں تو ایک غریب کا کھانا بطور بدلہ دینا ہے۔

ابتداء اسلام میں جب ان پر روزہ فرض ہوا تو وہ روزے کے عادی نہ تھے لہٰذا ان کو روزہ رکھنے یا نہ رکھنے کا اختیار دیدیا گیا تھا مگر روزہ نہ رکھنے کی صورت میں ایک غریب کو کھانا کھلانا فرض کیا گیا تھا جب آیت فمن شھد منکم الشھر فلیصمہ نازل ہوئی تو روزہ نہ رکھنے کا اختیار منسوخ ہو گیا اب طاقت والے پر روزہ رکھنا فرض ہے۔ اب اس آیت کی رُو سے جو لوگ روزہ رکھنے کی طاقت کے باوجود قصداً روزہ نہیں رکھتے تو ان پر قضاء و کفّارہ ہے فدیہ نہیں ہے جب روزہ رکھنے کی طاقت والے کیلئے روزہ نہ رکھنے کا اختیار اور فدیہ کا حکم نہ رہا تو معلوم ہوا کہ یہ آیت اور فدیہ کا حکم شیخِ فانی کے لئے ہے یعنی وہ بوڑھے مرد اور بوڑھی عورتیں جو روزہ رکھنے کی طاقت نہیں رکھتے ان کو روزہ رکھنے میں

مشقت ہوتی ہے تو ان کے لئے روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے اور ہر روزہ کے بدلہ میں ایک غریب کا کھانا بطور فدیہ دے دیں۔ اس مقام پر فقہاء کرام سے اور توجیہات بھی منقول ہیں مگر طوالت کے پیش نظر ان کو ترک کیا جاتا ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حاملہ اور مرضعہ کا بھی یہی حکم ہے۔

روزہ کا فدیہ

مطلق فدیہ کا ثبوت تو قرآن مجید کی آیت فدیۃ طعام مسکین سے ہے مگر فدیہ کی مقدار کے بارے میں آیت خاموش ہے۔ آیت میں فدیہ کے متعلق فرمایا گیا کہ ایک مسکین کا کھانا ہے جس کی تقدیر شریعت نے نصف صاع گندم یا اسکی قیمت سے کی ہے۔ نصف صاع ہمارے مروجہ سیر اسّی تولہ کے حساب سے تقریباً پونے دو سیر کا ہوتا ہے اسکی بازاری قیمت معلوم کر کے کسی غریب کو بطور ملک دے دینا ایک روز کا فدیہ ہے۔

رخصت افطار

— اللہ تبارک وتعالیٰ نے بندوں پر آسانی وسہولت کیلئے حالت سفر میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت دیدی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر یعنی اللہ تعالیٰ حالتِ سفر میں تمہیں افطار کی رخصت دیکر تم پر آسانی کرنا چاہتے ہیں اور تم پر روزہ رکھنے کو واجب قرار دیکر تمہیں تنگی میں مبتلا کرنا نہیں چاہتے۔

آیت میں یسر سے مراد حالتِ سفر میں روزہ نہ رکھنے کی رخصت ہے اور عسر سے مراد حالت سفر یا حالتِ مرض میں روزہ رکھنے کی مشقت ہے۔ مذکورہ آیت کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ حالتِ سفر میں روزہ رکھنا منع ہے بلکہ اگر کوئی شخص حالتِ سفر میں سہولت سے روزہ رکھ سکتا ہے تو اسکو روزہ رکھنا چاہیئے جیسا کہ آیت وَان تصوموا خیر لکم اس پر دال ہے ہاں اگر کوئی شخص اس حال میں ہے کہ اسکو روزہ رکھنے میں مشقت اور تکلیف ہوتی ہے تو اس کیلئے روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے۔

اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو اللہ تعالیٰ کے احکامات پر اللہ تبارک وتعالیٰ کی مراد کیمطابق سب سے زیادہ عمل اور پیروی کرنیوالے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بذات خود بھی سفر میں روزہ رکھا ہے۔

اور ہر اُس شخص کیلئے جسکو سفر میں روزہ رکھنے سے مشقت نہ ہو روزہ رکھنے کو جائز قرار دیا ہے یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص سفر میں روزہ رکھ لے تو اس کے ذمہ سے روزہ ساقط ہو جاتا ہے اور اسپر بعد میں قضاء کرنا لازم نہیں کیونکہ قضاء کو لازم کرنے میں مشقت ہے۔

پُورے ماہ رمضان کے روزے ضروری ہیں

رمضان المبارک کا مہینہ اگر تیس ۳۰ دن کا ہے تو پورے تیس روزے رکھنا ضروری ہے جس مہینہ میں رمضان کے روزوں کی قضاء کر رہا ہے اگر وہ انتیس ۲۹ دن کا ہے تب بھی تیس ۳۰ ہی روزے رکھنا لازمی ہے قرآن مجید کا ارشاد ہے ولتکملوا العدۃ اور تعداد کو پُورا کرو۔ اگر کسی شخص نے پورے ماہ رمضان کے روزے نہیں رکھے اور ماہ رمضان تیس ۳۰ دنوں پر مشتمل تھا تو اب اس شخص کیلئے جائز نہیں کہ وہ ایسے مہینہ میں روزے رکھے جو انتیس ۲۹ دنوں پر مشتمل ہو۔ بلکہ اسپر لازم ہے کہ تیس روزے پورے کرے کیوں کہ قرآن مجید کی آیت ولتکملوا العدۃ تعداد کے پُورا کرنے کا تقاضہ کر رہی ہے۔

جو لوگ انتیس ۲۹ دنوں پر مشتمل مہینے کے روزوں پر اقتصار کرنے کو جائز قرار دیتے ہیں وہ قرآن کریم کے مذکورہ حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں

آیت کے اس جملہ سے علاوہ ازیں اور بھی متعدد مسائل ثابت ہوتے ہیں۔

رمضان کے روزوں کی قضاء فی الفور واجب نہیں

آیت کے مذکورہ جملے ولتکملوا العدۃ سے دوسرا مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ رمضان المبارک کے روزوں کی قضاء فی الفور واجب نہیں بلکہ پوری عمر میں جب چاہے قضاء کر سکتا ہے۔ اس لئے کہ اصل مقصد تو تعداد کا پورا کرنا ہے چاہے فی الفور قضاء کرے یا عمر کے کسی حصہ میں قضاء کرے۔

رمضان کے روزوں کی قضاء میں تسلسل واجب نہیں

آیت کے مذکورہ جملہ ولتکملوا العدۃ سے تیسرا مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ رمضان کے روزوں کی قضاء میں مسلسل

بلا ناغہ روزے رکھنا بھی جائز ہے اور وقفہ سے روزے رکھنا بھی جائز ہے چونکہ آیت کا مقصود روزوں کی
کی تعداد کا پورا کرنا ہے اور دونوں صورتوں میں حاصل ہو جاتا ہے خواہ پے در پے قضاء کرے یا جدا جدا۔

رمضان کے روزوں کی قضا میں تاخیر سے فدیہ لازم نہیں ہوتا

آیت کے مذکورہ حصہ ولتکملوا العدۃ سے چوتھا مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص رمضان کے روزوں
کی قضاء میں تاخیر کر دے تو اسکی وجہ سے اس پر کوئی فدیہ لازم نہیں صرف قضاء لازم ہے کیونکہ مقصود اصلی تعداد کا
پورا کرنا ہے جو قضاء سے حاصل ہو جاتا ہے۔ اگر قضاء میں تاخیر کی وجہ سے فدیہ کو لازم قرار دیا جائے تو اس سے کتاب اللہ
پر زیادتی لازم آئے گی۔ جو درست نہیں۔

شک کے دن روزہ رکھنا منع ہے۔

آیت کے مذکورہ جملہ سے پانچواں مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ اگر کسی وجہ سے شعبان کی انتیس ۲۹ تاریخ کو رمضان کا چاند نظر
نہ آئے تو لازم ہے کہ ہم شعبان کے تیس ۳۰ دن شمار کریں یعنی اگلے دن کا روزہ نہ رکھیں بلکہ شعبان کے تیس ۳۰
دن پورے شمار کرنے کے بعد روزہ رکھیں جیسا کہ نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا ارشادِ گرامی ہے۔
صوموا الرؤیتہ وافطروا الرؤیتہ یعنی چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر افطار کرو اگر چاند
نظر نہ آئے تو شعبان کے تیس ۳۰ دن شمار کرو۔

شوال کا چاند دیکھ کر تکبیر کہنے کا حکم

شوال المکرم کا چاند دیکھکر تکبیر کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرنا چاہیئے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔
ولتکبروا اللہ علی ما ھداکم ترجمہ:۔ اور تاکہ تم لوگ اللہ کی بزرگی بیان کرو، جیسا کہ اس کی تائید حضرت عبداللہ ابن عباس
رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے ہوتی ہے آپ فرماتے ہیں کہ مسلمانوں پر لازم ہے کہ جب شوال کا چاند دیکھیں
تو اس وقت سے عید سے فراغت تک اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کریں یعنی تکبیر پڑھیں۔ اسیطرح زھری نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام
سے روایت کرتے ہیں کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام عید الفطر کے دن عید گاہ جاتے وقت تکبیر کہتے تھے اور نماز کی ادائیگی کے بعد
قطع کر دیتے تھے۔

روزے کے مسائل:

أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَائِكُمْ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ كُنتُمْ تَخْتَانُونَ أَنفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنكُمْ فَالْآنَ بَاشِرُوهُنَّ وَابْتَغُوا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ وَلَا تُبَاشِرُوهُنَّ وَأَنتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَقْرَبُوهَا كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ آيَاتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ (سورۃ البقرۃ آیت ۱۸۷)

تم لوگوں کے واسطے شب میں اپنی بیویوں سے مشغول ہونا حلال کر دیا گیا کیونکہ وہ تمہارے اوڑھنے بچھونے ہیں اور تم ان کے اوڑھنے بچھونے ہو ——— خدا تعالیٰ کو اس کی خبر تھی کہ تم خیانت کے گناہ میں اپنے کو مبتلا کر رہے تھے۔ خیر، اللہ تعالیٰ نے تم پر عنایت فرمائی اور تم سے گناہ کو دھو دیا۔ سو اب ان سے ملو ملاؤ اور جو تمہارے لئے تجویز کر دیا ہے اس کا سامان کرو اور کھاؤ اور پیو اس وقت تک کہ تم کو سفید خط صبح کا متمیز ہو جائے سیاہ خط سے پھر رات تک روزے کو پورا کیا کرو اور ان بیویوں سے اپنا بدن بھی مت ملنے دو جس زمانے میں کہ تم لوگ اعتکاف والے ہو مسجدوں میں یہ خداوندی ضابطے ہیں سو ان سے نکلنے کے نزدیک بھی مت ہونا اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنے احکام لوگوں کے واسطے بیان فرمایا کرتے ہیں اس امید پر کہ وہ لوگ پرہیز رکھیں۔"

آیت کا شانِ نزول

صحیح بخاری شریف وغیرہ میں بروایت براء ابن عازب وغیرہ مذکور ہے کہ ابتداء میں جب رمضان کے روزے فرض کئے گئے تو افطار کے بعد کھانے، پینے اور بیبیوں کے ساتھ اختلاط کی صرف اس وقت تک اجازت تھی جب تک سو نہ جائے، سو جانے کے بعد یہ سب چیزیں حرام ہو جاتی تھیں۔ بعض صحابہ کرام کو اس میں مشکلات پیش آئیں قیس بن صرمہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ، دن بھر مزدوری کر کے افطار کے وقت گھر پہنچے تو گھر میں کھانے کیلئے کچھ نہ تھا بیوی نے کہا کہ میں کہیں سے کچھ کھانے کا انتظام کر کے لاتی ہوں جب وہ واپس آئیں تو دن بھر تھکان کی

وجہ سے ان کی آنکھ لگ گئی جب بیدار ہوئے تو کھانا حرام ہو چکا تھا۔
اگلے دن اسی طرح روزہ رکھا دوپہر کو ضعف کی وجہ سے بے ہوش ہو گئے۔ اسی طرح بعض صحابۂ کرامؓ سونے کے بعد اپنی بیبیوں کے ساتھ اختلاط میں مبتلا ہو کر پریشان ہوئے جیسا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے رمضان کی رات میں اپنی بیوی سے جماع کیا صبح کو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے واقعہ بیان کیا۔
ان واقعات کے بعد یہ آیت نازل ہوئی جس میں پہلا حکم منسوخ کر کے غروب آفتاب کے بعد سے طلوع صبح صادق تک پوری رات کھانے پینے اور مباشرت کی اجازت دے دی گئی اگرچہ سو کر اٹھنے کے بعد ہو بلکہ سو کر اٹھنے کے بعد آخر شب میں سحری کھانا سنت قرار دیا گیا جس کا ثبوت روایاتِ حدیث میں واضح ہے اس آیات میں اسی کا حکم بیان کیا گیا ہے۔

رمضان کی راتوں میں بیوی کیساتھ جماع کی حلت

اللہ تبارک و تعالیٰ نے رمضان المبارک کی راتوں میں بیویوں سے جماع کرنے کو حلال قرار دیا ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے احل لکم لیلۃ الصیام الرفث الیٰ نسائکم ترجمہ تم لوگوں کے لئے روزے کی شب میں اپنی بیویوں سے مشغول ہونا حلال کر دیا گیا۔
رفث کا معنی ہے کہ جو باتیں اشارۃً و کنایۃً کرنی چاہئیں ان کو صاف الفاظ میں کرنا یہاں رفث سے مراد جماع ہے جیسا کہ احکام القرآن میں ہے کہ رفث سے بالاتفاق جماع مراد ہے۔ اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی رفث سے کی تفسیر جماع سے فرمائی ہے۔

جماع سے مقصود توالد و تناسل ہو محض شہوت پوری کرنا نہ ہو

بیوی سے جماع کرنے میں نیک اولاد کی تمنا ہونی چاہیئے محض شہوت کا پورا کرنا مقصود نہ ہو۔
ارشاد باری تعالیٰ ہے فالئٰن باشروھن وابتغوا ماکتب اللہ لکم ترجمہ: عورتوں سے مباشرت کرو اور اس سے تمہارا مقصد وہ ہونا چاہیئے جو تمہارے لئے مقرر کیا گیا ہے یعنی توالد و تناسل (اولاد پیدا کرنا اور نسل بڑھانا) کہ اس سے بچہ پیدا ہو گا جو لا الٰہ الا اللہ کہے گا یہاں تک کہ اسلام کو دوگنی چوگنی طاقت ملے گی کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شادی بیاہ کرو، خوب اولاد پیدا کرو تاکہ میں اپنی امت کی کثرت پر فخر کروں

اگرچہ مُردہ بچہ ہی کیوں نہ ہو۔ وطی سے مقصود بہائم کی طرح محض شہوت کا پُورا کرنا ہی نہ ہو جیسا کہ تم نے کل رات کیا۔

روزہ کی حالت میں جان بُوجھ کر کھانے سے کفّارہ لازم ہوتا ہے

امام فخرالاسلام نے لکھا ہے کہ آیت ثم اتموا الصیام الی اللیل میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ کھانے پینے سے بھی کفّارہ لازم آئے گا اس لئے کہ اللہ تبارکؔ و تعالیٰ نے اس اُمّت کیلئے وہ چیزیں جائز کر دیں جو پہلے رمضان کی راتوں میں حرام تھیں اور وہ تین چیزیں ہیں (۱) کھانا (۲) پینا (۳) جماع۔ ان تینوں میں سے جماع کو مقدّم کیا اور پھر کھانے پینے کا ذِکر کیا اس کے بعد فرمایا ثم اتموا الصیام الی اللیل معلوم ہُوا کہ روزہ ان تینوں چیزوں سے رُکنے کا نام ہے تو جس طرح حالتِ صوم میں جماع کرنے سے کفّارہ لازم ہوتا ہے اسی طرح کھانے پینے سے بھی کفّارہ لازم آئیگا ایسا نہیں جیسا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ کفّارہ صرف جماع سے واجب ہوگا اور دلیل میں اعرابی والی حدیث پیش کرتے ہیں کہ یہ حُکم صرف جماع کے ساتھ خاص ہے۔

روزہ کا شروع کرنے کے بعد پُورا کرنا ضروری ہے۔

آیت ثم اتموا الصیام الی اللیل اس بات کا بھی تقاضہ کرتی ہے کہ جس روزہ کا رکھنا صحیح ہو اس کو شروع کرنے کے بعد اس کا پُورا کرنا ضروری ہے خواہ وہ روزہ فرض ہو یا نفل ہو اور اتموا امر کا صیغہ ہے اور اللہ تبارکؔ و تعالیٰ کے اَوامر وجوب کے لئے ہوتے ہیں لہٰذا نفلی یا فرض روزہ شروع کرنے کے بعد کسی شخص کیلئے بھی بغیر کسی عُذر کے اس سے نکلنا جائز نہیں اور جب بظاہر اس آیت سے اس کا گذرنا اور پُورا کرنا لازم ہُوا تو صائم پر اس کا وجوب صحیح ہے تو پھر اگر وہ اس کو فاسد کرے گا تو اس کی قضا لازم ہو گی۔ دیگر واجبات کی طرح۔

لفظ اِلیٰ کا اِستعمال

لفظ اِلیٰ غایت یعنی انتہا ء کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اور غایت کبھی مغیا کے حُکم میں داخل ہوتی ہے جیسے اِلی المرافق میں مرفق یَد میں داخل ہے اور وضو میں یَد کا مرفق سمیت دھونا فرض ہے۔ اسی طرح کبھی غایت مغیا کے حکم سے خارج ہوتی ہے جیسے اتموا الصیام اِلیَ اللیل میں لیل حکم صوم میں داخل نہیں۔

اب یہ کیسے معلوم ہو کہ کس مقام پر غایت مغیا میں داخل ہوتی ہے اور کس مقام پر غایت مغیا سے خارج ہوتی ہے اس کے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ غایت کی دو قسمیں ہیں (۱) ایک غایت ہوتی ہے اسقاط ماوراء کے لئے یعنی غایت کے علاوہ جو چیز غایت کے بعد مذکور ہے اس کو غایت سے پہلے جو چیز مذکور ہے اس کے حکم سے ساقط کرنے کیلئے۔

(۲) دوسری غایت امتداد حکم کے لئے ہوتی ہے یعنی جو چیز غایت سے پہلے مذکور ہے اس کے حکم کو غاۃ تک کھینچنے اور لمبا کرنے کے لئے۔ رہا یہ سوال کہ یہ کیسے معلوم ہو کہ غایت اسقاط ماوراء کیلئے کب ہوگی اور امتداد حکم کے لئے کب ہوگی اس کے معلوم کرنے کا قاعدہ یہ ہے کہ غایت کے ماقبل یعنی صدر کلام کو دیکھیں گے کہ وہ غایت اور اس کے مابعد کو شامل ہے یا نہیں اگر شامل ہے تو غایت اسقاط ماوراء کیلئے ہوگی جیسے فاغسلوا وجوھکم وایدیکم الی المرافق۔ آیت میں لفظ اید : ید کی جمع ہے اور ید کا اطلاق انگلیوں کے سروں سے کاندھوں تک ہوتا ہے۔ لہذا پورے ہاتھ کا دھونا فرض ہونا چاہیئے تھا مگر جب مرافق پر الیٰ داخل ہو گیا تو اس نے مرافق کے ماسوا، عضد یعنی بازو کو دھونے کے حکم سے ساقط کر دیا اب صرف مرافق یعنی کہنیوں سمیت ہاتھوں کا دھونا فرض ہے اور کہنیوں کے علاوہ باقی ہاتھ دھونے کے حکم سے ساقط ہے۔

اور اگر غایت کا ماقبل یعنی صدر کلام غایت یا اس کے مابعد کو شامل نہ ہو تو اس وقت غایت امتداد حکم کیلئے ہوگی جیسے اتموا الصیام الی اللیل میں صوم مطلقاً نفس کو کھانے پینے اور جماع سے روکنے کو کہتے ہیں۔ خواہ یہ روکنا ایک گھنٹہ ہی کیوں نہ ہو مگر جب حکم دیا گیا اتموا الصیام الی اللیل تو لفظ الیٰ نے مطلق روکنے کے حکم کو رات تک کھینچ دیا لہذا اب روزہ کو رات تک پورا کرنا ضروری ہے۔ اگر کسی شخص نے غروب آفتاب سے ایک منٹ پہلے افطار کر لیا تو اس کا روزہ نہیں ہوگا۔

محلِ وطی فرج ہے

جماع پاکی کے ایام میں آگے کی طرف سے جو کہ موضع حرث (یعنی بچے کی پیدائش کی جگہ ہے) کرنا چاہیئے حالت حیض یا پیچھے کی طرف سے جو کہ محض شہوت کی جگہ ہے نہیں کرنا چاہیئے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے وابتغوا ما کتب اللہ لکم آیت کا مطلب یہ ہے کہ جماع کے ایام اور جماع کی جگہ وہی ہونی چاہیئے جو اللہ تبارک و تعالیٰ نے تمہارے لئے

مقرر کئے ہیں۔ دُوسرا مطلب آیت کا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اپنی لونڈیوں اور بیبیوں پر اکتفا کرو اور ان کے علاوہ دوسری عورتوں کی طرف رغبت مت کرو۔

رمضانُ المُبارک کی راتوں میں کھانا پینا حلال ہے۔

رمضان المبارک کی راتوں میں کھانے پینے کا حلال ہونا قرآن مجید کی آیت کلوا واشربوا حتّٰی یتبین لکم الخیط الابیض من الخیط الاسود من الفجر سے ثابت ہے یہ آیت حضرت صرمہ بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے بارے میں نازل ہوئی ہے جس کا تفصیلی واقعہ پہلے گذر چکا ہے۔ واقعہ کے اگلے روز جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صرمہ بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کو دیکھا کہ چہرہ متغیرہ ہے اور وہ بہت کمزور نظر آرہے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے ان سے حال دریافت کیا تو انھوں نے اپنا واقعہ بیان کیا جس پر یہ آیت نازل ہوئی لہٰذا رمضان کی راتوں میں کھانا پینا ان کی وجہ سے جائز ہُوا۔ جیسے مُباشرت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کی توبہ کی برکت سے جائز ہوئی تھی۔

سحری کا آخری وقت

سحری کا آخری وقت طلوعِ صبح صادق ہے جب صبح صادق کا یقین ہو جائے تو کھانا پینا بند کر دینا چاہیئے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے حتّٰی یتبین لکم الخیط الابیض من الخیط الاسود من الفجر۔ اس آیت میں رات کی تاریکی کو سیاہ خط اور صبح کی روشنی کو سفید خط سے تعبیر فرما کر روزہ شروع ہونے اور کھانا پینا حرام ہو جانے کا صحیح وقت متعین فرما دیا اور اس میں کمی زیادتی کے احتمالات کو ختم کرنے کے لئے حتّٰی یتبین کا لفظ بڑھا دیا جس میں یہ بتلایا گیا ہے کہ نہ تو وہمی مزاج لوگوں کی طرح صبح صادق سے کچھ پہلے ہی کھانے پینے وغیرہ کو حرام سمجھو اور نہ ہی ایسی بے فکری اختیار کرو کہ صبح کی روشنی کا یقین ہو جانے کے باوجود کھاتے پیتے رہو بلکہ کھانے پینے اور روزے کے درمیان حدِ فاصل صبح صادق کا تیقن ہے۔ اس یقین سے پہلے کھانے پینے کو حرام سمجھنا درست نہیں اور یقین کے بعد کھانے پینے میں مشغول رہنا بھی حرام اور مُفسدِ صوم ہے اگرچہ ایک ہی منٹ کیلئے ہو۔

سحری کھانے میں وُسعت اور گنجائش صرف اسی وقت تک ہے جبتک صبح صادق کا یقین نہ ہو۔ بعض صحابہ کرام کے ایسے واقعات کو بعض بیان کرنے والوں نے بیان کیا ہے کہ سحری کھاتے ہوئے صبح ہوگئی اور وہ بے پرواہی سے

کھاتے رہے ان کا یہ عمل اس پر مبنی تھا کہ ان کو صبح صادق ہونے کا یقین نہیں ہوا تھا اس لئے سحری سے روکنے والوں کی جلد بازی سے متاثر نہیں ہوئے۔

روزہ کا آخری وقت

لغت میں صوم کا معنیٰ مطلق امساک یعنی اپنے نفس کو کھانے پینے سے روکے رکھنا خواہ ایک ساعت ہی کیلئے کیوں نہ ہو۔ مگر اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے فرمان اتموا الصیام الی اللیل کے ذریعہ روزہ کا آخری وقت بیان فرما کر اسکو مقید کر دیا کہ روزے کو رات تک پورا کرنا ضروری ہے یہاں بھی الی کی غایت مغیا میں داخل نہیں ہوگی کیونکہ الصوم کے لغوی معنی مطلق امساک کے ہیں اگرچہ ایک ساعت ہی کیوں نہ ہو۔ اگر غایت مذکور نہ ہوتی تو اس کا اطلاق ایک ساعت پر ہی ہوتا مگر غایت یعنی الی کے ذکر نے حکم صوم کو لیل (رات) تک دراز کر دیا۔ باقی خود لیل اپنے ماقبل یعنی حکم صوم میں داخل نہیں بلکہ اپنی اصل پر باقی ہے۔

اعتکاف مسجد میں ضروری ہے!

اعتکاف کے لغوی معنی کسی جگہ ٹھیرنے کے ہیں۔ قرآن و سنت کی اصطلاح میں خاص شرائط کے ساتھ مسجد میں ٹھیرنے اور قیام کرنے کا نام اعتکاف ہے۔ مسجد کے علاوہ اعتکاف کرنا جائز نہیں لفظ وانتم عاکفون فی المساجد مساجد کے عموم معلوم ہوتا ہے کہ اعتکاف ہر مسجد میں ہو سکتا ہے مگر حضرات فقہاء کرام نے جو یہ شرط بیان کی ہے کہ اعتکاف صرف اسی مسجد میں ہو سکتا ہے جس میں جماعت ہوتی ہو غیر آباد مسجد جہاں جماعت نہ ہوتی ہو اس میں اعتکاف درست نہیں۔ یہ شرط درحقیقت لفظ مسجد کے مفہوم ہی سے معلوم ہوتی ہے کیونکہ مساجد کے بنانے کا اصل مقصد جماعت کی نماز ہے ورنہ تنہا نماز تو ہر جگہ دکان، مکان وغیرہ پر ہو سکتی ہے معلوم ہوا کہ اعتکاف کے لئے مسجد ضروری ہے بغیر مسجد کے اعتکاف جائز نہیں۔

اعتکاف میں مباشرت منع ہے

روزہ کی رات میں کھانا پینا، بیوی سے مباشرت کرنا سب کا حلال ہونا اوپر بیان ہو چکا ہے حالت اعتکاف میں کھانے پینے کا تو وہی حکم ہے جو سب کے لئے ہے مگر مباشرت نساء کا حکم مختلف ہے کہ وہ روزہ کی رات معتکف کیلئے جائز

نہیں ارشاد باری تعالیٰ ہے ولا تباشروھن وانتم عاکفون فی المساجد اس آیت میں اسی حکم کا بتلانا مقصود ہے یعنی ان بیبیوں سے اپنا بدن بھی مت ملنے دو جس زمانے میں کہ تم لوگ اعتکاف والے ہو مسجدوں میں

اعتکاف کے لئے روزہ شرط ہے

اعتکاف بغیر روزے کے جائز نہیں ہے کیوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اعتکاف کو روزے کے ساتھ بیان کیا ہے ثم اتموا الصیام الی اللیل ولا تباشروھن وانتم عاکفون فی المساجد خلاصہ کلام یہ ہے کہ لغت میں اعتکاف صرف ٹھہرنے کو کہتے ہیں اور فقہا کرام کے نزدیک اعتکاف کا معنی ہے روزہ دار کا نیت کے ساتھ مسجد جماعت میں ٹھیرنا، صاحب کشاف نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ مسجد کی قید کتاب اللہ ہی سے مفہوم ہے اور امام صاحب نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ صائم کی قید بھی کتاب اللہ سے مستفاد ہے۔

روزہ کی حالت میں جائز باتوں سے بھی احتیاط کرنی چاہیئے

روزہ میں کھانے پینے اور مباشرت کی جو ممانعت ہے یہ سب اللہ کی حدود ہیں ان کے قریب بھی مت جاؤ، تلک حدود اللہ فلا تقربوھا کیونکہ قریب جانے سے حد شکنی کا احتمال ہے یہی وجہ ہے کہ روزے کی حالت میں کلی کرنے میں مبالغہ کرنا مکروہ ہے جس سے پانی کے اندر جانے کا خطرہ ہو منہ کے اندر کسی دوا کا استعمال کرنا مکروہ ہے، بیوی سے بوس وکنار مکروہ ہے۔ اسی طرح سحری کھانے میں احتیاطاً وقت ختم ہونے سے دو چار منٹ پہلے کھانے پینے سے رکنا اور افطار میں دو، تین منٹ مؤخر کرنا بہتر ہے ایسی بے پرواہی اس ارشادِ خداوندی کے خلاف ہے۔

ماہِ رمضان سے متعلق احکام

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًی لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰی وَالْفُرْقَانِ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْیَصُمْهُ وَمَنْ كَانَ مَرِیْضًا اَوْ عَلٰی سَفَرٍ فَعِدَّةٌ

ماہ رمضان ہے جسمیں قرآن مجید بھیجا گیا جسکا وصف یہ ہے کہ لوگوں کیلئے ہدایت ہے اور واضح الدلالت ہے منجملہ ان کتب کے جو کہ ہدایت ہیں اور فیصلہ کرنیوالی ہیں سو جو شخص اس ماہ میں موجود ہو اسکو ضرور اس میں

مِنْ اَيَّامٍ اُخَرَ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝

(سورۃ البقرۃ آیت ۱۸۵)

روزہ رکھنا چاہئے اور شخص بیمار ہو یا سفر میں ہو تو دوسرے ایام کا شمار رکھنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو تمہارے ساتھ آسانی کرنا منظور ہے اور تمہارے ساتھ دشواری منظور نہیں اور تاکہ تم لوگ شمار کی تکمیل کیا کرو اور تاکہ تم لوگ اللہ تعالیٰ کی بزرگی بیان کرو اس پر کہ تم کو طریقہ بتلا دیا اور تاکہ تم لوگ شکر ادا کیا کرو۔

روزہ رکھنے اور افطار کرنے میں چاند کے نظر آنے کا اعتبار ہے

روزہ رکھنے اور افطار کرنے کا دارو مدار چاند نظر آنے پر ہے رمضان المبارک کا چاند دیکھ کر روزہ رکھیں گے اور شوال کا چاند دیکھ کر روزہ چھوڑ دیں گے اور اسی پر مہینہ کا اطلاق ہوتا ہے خواہ انتیس دن کا ہو یا تیس دن کا، ارشاد باری تعالیٰ ہے شھر رمضان الذی شہر کی اضافت رمضان کیطرف ہے اور رمضان کا آغاز و اختتام چاند کے نظر آنے پر موقوف ہے۔

قرآن مجید ماہِ رمضان میں نازل ہوا

قرآن مجید ماہِ رمضان المبارک میں نازل ہوا اس کا ثبوت قرآن مجید کی آیت شھرُ رمضانَ الّذی اُنزل فیہ القرآن سے ہے، جس کے دو مطلب ہیں ایک یہ کہ پورا قرآن مجید ایک ہی دفعہ لوحِ محفوظ سے آسمان دُنیا پر بیتُ العزّت میں ماہ رمضان میں نازل کر دیا گیا اور دُوسرا مطلب یہ ہے کہ بیت العزّت سے بذریعہ جبرائیلِ امین رسُولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ اطہر پر رمضان المبارک کے مہینہ میں قرآن مجید کے نزول کا آغاز ہُوا اور پھر بحسبِ ضرورت تھوڑا تھوڑا نازل ہوتا رہا اس طرح تئیس سال کے عرصہ میں مکمل قرآن مجید نازل ہو گیا۔

شبِ قدر رمضانُ المبارک میں ہے۔

آیت کے مذکورہ جملہ اُنزل فِیہ القرآن سے دُوسرا مسئلہ یہ معلوم ہُوا کہ شبِ قدر بھی رمضان المبارک میں ہے کیونکہ اس جملہ سے اتنی بات معلوم ہو گئی کہ قرآنِ کریم ماہ رمضان میں نازل ہُوا ہے اور دوسرے مقام پر سورہ قدر میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے اِنّا انزلناہ فی لیلۃ القدر ہم نے اسے لیلۃ القدر میں نازل کیا۔ دونوں آیتوں

میں تطبیق یہی ہے کہ قرآن پاک رمضان المبارک کی ایک معین رات جو شب قدر کے نام سے مشہور ہے میں اترا لہٰذا ثابت ہوا کہ شب قدر رمضان ہی میں ہے۔

جو شخص رمضان کا مہینہ پائے اُس پر روزہ رکھنا فرض ہے

جو شخص ماہِ رمضان میں موجود ہو اس پر روزہ رکھنا فرض ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے فمن شھد منکم الشھر فلیصمہ، ماہِ رمضان میں موجود حاضر ہونے کا مطلب یہی ہے کہ وہ رمضان کو ایسی حالت میں پائے کہ اس میں روزہ رکھنے کی صلاحیت موجود ہو یعنی مسلمان عاقل بالغ مقیم حیض و نفاس سے پاک ہو۔

اس لئے جس شخص کا پورا رمضان اس حالت میں گذر گیا کہ اس میں روزہ رکھنے کی مطلق صلاحیت ہی نہیں تھی جیسے کافر نابالغ مجنون تو یہ لوگ اس حکم کے مخاطب ہی نہیں اس لئے ان پر گذشتہ رمضان کے روزے فرض ہی نہیں ہوئے اور جس میں صلاحیت ذاتی طور پر موجود ہے مگر کسی وقتی عذر کی وجہ سے مجبور ہو گئے جیسے حیض و نفاس والی عورت یا مریض و مسافر تو انہوں نے ایک حیثیت سے ماہ رمضان بحالتِ صلاحیت پالیا اس لئے آیت کا حکم ان کے حق میں ثابت ہو گیا مگر وقتی عذر کی وجہ سے اس وقت روزہ رکھنا معاف ہے البتہ بعد میں قضا کرنا لازم ہے۔

روزہ کی فرضیت کا سبب مطلق ماہِ رمضان ہے

روزہ کی فرضیت کا سبب مطلق شہود شہر رمضان ہے جس کا ثبوت قرآن مجید کی آیت فمن شھد منکم الشھر فلیصمہ، سے ہے۔ جو شخص اس ماہ میں موجود ہو اس کو اس میں ضرور روزہ رکھنا چاہئے۔ فقہاء کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ رمضان کے روزہ کے وجوب کا سبب مطلق ماہِ رمضان یعنی دن رات دونوں ہیں یا صرف دن ہے نیز پورا رمضان سبب ہے یا بعض کافی ہے شمس الائمہ کا مذہب یہ ہے وجوبِ صوم کا سبب مطلق شہود شہر رمضان یعنی رات دن دونوں کیونکہ شہر دونوں کے مجموعہ کا نام ہے لہٰذا جو شخص رمضان کی پہلی رات روزہ رکھنے کا اہل تھا پھر مجنون ہو گیا اور مہینہ گذرنے کے بعد اس کو افاقہ ہوا تو اس پر قضا لازم ہے۔

اکثر فقہاء کا مذہب یہ ہے کہ ہر دن کا پہلا جزء اُس دن کے روزے کا سبب ہے کیونکہ ہر روز علیحدہ مستقل عبادت ہے اور اس کے وجوب کا سبب بھی ہر دن علیحدہ ہے۔ بعض کے نزدیک روزہ کا سبب رات کا آخری جزء ہے۔

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ
(القرآن)
كِتَابُ الْحَجِّ

میں تصرف کرنے سے بچے۔ میقات، عبارت ہے قلب سے۔ مکہ عبارت ہے مرتبہ الٰہیہ سے۔ کعبہ عبارت ہے ذات سے حجر اسود عبارت ہے لطیفۂ انسانیت سے۔ حجر اسود کا سیاہ ہونا عبارت ہے تقاضہ بشریہ کے ساتھ ملوث ہونے سے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حجر اسود دودھ سے بھی زیادہ سفید تھا لیکن بنی آدم کے گناہوں نے اس کو سیاہ کر دیا۔ تو اسی کی طرف اشارہ ہے۔

حج کی فضیلت

عن ابی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه قال سُئِلَ رسول الله صلی الله علیه وسلم ای العمل افضل قال ایمان بالله و رسوله قیل ثم ماذا قال الجهاد فی سبیل الله قیل ثم ماذا قال حج مبرور۔ متفق علیه (صحیح بخاری شریف و مسلم شریف بحوالہ مشکوٰۃ المصابیح)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ کون سا عمل افضل ہے۔ فرمایا، اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ ایمان لانا، کہا گیا، پھر کون سا، فرمایا اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔ کہا گیا پھر کون سا، فرمایا، مقبول حج۔

وعنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من حج لله فلم یرفث ولم یفسق رجع کیوم ولدته اُمه (بخاری شریف و مسلم شریف بحوالہ مشکوٰۃ المصابیح)

انہی ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ کے لئے حج کرے اور اپنی بیوی سے صحبت نہ کرے اور گناہ کا کام نہ کرے وہ لوٹ آتا ہے اور گناہوں سے اس طرح پاک ہوتا ہے گویا اس کی ماں نے اس کو آج جنا ہے۔"

وعنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم العمرة الی العمرة کفارة لما بینهما والحج المبرور لیس له جزاء الا الجنة۔ متفق علیه، صحیح بخاری شریف وصحیح مسلم شریف بحوالہ مشکوٰۃ المصابیح)

انہی ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک عمرہ دوسرے عمرہ تک درمیانی گناہوں کا کفارہ ہے اور حج مبرور کا بدلہ جنت ہے۔

احکام حج

فِيهِ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ مَقَامُ إِبْرَاهِيمَ وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ

اس میں کھلی نشانیاں ہیں منجملہ ان کے ایک مقام ابراہیم ہے اور جو شخص اس میں داخل ہو جائے وہ امن والا ہو جاتا ہے اور

مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْہِ سَبِیْلًا وَمَنْ کَفَرَ فَاِنَّ اللّٰہَ غَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ (سورہ آل عمران آیت ۹۷)

اللہ کے واسطے لوگوں کے ذمہ اس کا حج کرنا ہے یعنی اس شخص کے ذمہ جو طاقت رکھے وہاں تک کے سبیل کی اور جو شخص منکر ہو تو اللہ تعالیٰ تمام جہان والوں سے غنی ہیں۔

حج کی فرضیت

سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۱۹۷ کے انداز بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے حج اور عمرہ دونوں فرض نہیں تھے بلکہ مستحب تھے جب قرآن مجید کی آیت وَلِلّٰہِ علی الناس حج البیت الخ نازل ہوئی تو حج فرض ہوگیا اور عمرہ مستحب ہی رہا پھر حج بھی مطلقاً فرض نہیں ہے بلکہ صرف اس شخص پر فرض ہے جو مکہ تک آنے جانے کی استطاعت رکھتا ہو۔

حج کی فرضیت کیلئے استطاعت شرط ہے

حج کی فرضیت کے لئے استطاعت شرط ہے جس کا ثبوت من استطاع الیہ سبیلا سے ہے۔ تفسیر بیضاوی وحسینی میں ہے کہ استطاعت کی تفسیر میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کے نزدیک استطاعت سے مراد یہ ہے کہ آدمی تندرست ہو اس کے پاس بیت اللہ تک آنے جانے کا خرچ موجود ہو اور راستہ محفوظ ہو۔

حج کی فرضیت پچھلی اُمتوں پر

وَلِکُلِّ اُمَّۃٍ جَعَلْنَا مَنْسَکًا لِّیَذْکُرُوا اسْمَ اللّٰہِ عَلٰی مَا رَزَقَھُمْ مِّنْ بَھِیْمَۃِ الْاَنْعَامِ فَاِلٰھُکُمْ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ فَلَہٗ اَسْلِمُوْا وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِیْنَ ○ (سورۃ الحج آیت ۳۴)

اور ہم نے ہر اُمت کے لئے قربانی کرنا اس غرض سے مقرر کیا تھا کہ وہ ان مخصوص چوپایوں پر اللہ کا نام لیں جو اس نے ان کو عطا فرمائے تھے سو تمہارا معبود ایک ہی خدا ہے تو تم ہمہ تن اسی کے ہو کر رہو اور آپ گردن جھکا دینے والوں کو خوشخبری سنا دیجئے۔

لفظ منسک قرآن مجید میں کئی معنوں میں مستعمل ہوا ہے (۱) بمعنی قربانی (۲) افعال حج (۳) مطلق عبادت۔ یہاں تینوں معنی مراد ہو سکتے ہیں منسک بمعنی قربانی ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ قربانی کا حکم جو اس اُمت کو دیا گیا ہے کوئی

نیا حکم نہیں ہے بلکہ پچھلی تمام امتوں پر بھی قربانی فرض تھی۔

(۲) اگر منسک سے مراد افعالِ حج ہوں تو معنیٰ ہوگا کہ حج جیسے اس امّت پر فرض ہے پچھلی امتوں پر بھی حج فرض کیا گیا تھا۔

(۳) منسک بمعنی مطلق عبادت ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے عبادت گذاری پچھلی سب امتوں پر فرض کی تھی۔

بیت اللہ کے احکام اور اس کا مامون ہونا

وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهِيْمَ مُصَلًّى وَعَهِدْنَا اِلٰى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ

(سورۃ البقرۃ آیت ۱۲۵)

اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے کہ جس وقت ہم نے خانۂ کعبہ کو لوگوں کا معبد اور (مقام امن ہمیشہ سے) مقرر رکھا اور مقامِ ابراہیم کو (کبھی کبھی) نماز پڑھنے کی جگہ بنالیا کرو اور ہم نے حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل (علیہما السلام) کیطرف حکم بھیجا کہ میرے (اس) گھر کو خوب پاک رکھا کرو بیرونی اور مقامی لوگوں (کی عبادت) کے واسطے اور رکوع وسجدہ کرنیوالوں کے واسطے

اس آیت میں بیت اللہ کا قابلِ تعظیم اور امن والا ہونا مذکور ہے۔

بیت اللہ مرجع خلائق ہے

اللہ تبارک وتعالیٰ نے بیت اللہ کو یہ خاص فضیلت بخشی ہے کہ وہ ہمیشہ مرجع خلائق بنا رہیگا اور لوگ بار بار اس کی طرف جانے اور لوٹنے کے آرزومند رہیں گے۔ جیسا کہ قرآن مجید کی آیت واذجعلنا البیت مثابۃ للناس میں لفظ مثابۃ اس پر دال ہے۔ امامِ تفسیر حضرت مجاھد رحمہ اللہ نے فرمایا لا یقضی احد منھما وطرا (قرطبی) یعنی کوئی آدمی اسکی زیارت سے کبھی سیر نہیں ہوتا بلکہ ہر مرتبہ پہلے سے زیادہ زیارت اور طواف کا شوق لیکر لوٹتا ہے۔ اور بعض علماء نے فرمایا کہ حج کی قبولیت کی علامت میں سے ہے کہ وہاں سے لوٹنے کے بعد پھر وہاں جانے کا شوق دل میں پائے چنانچہ عام طور پر اس کا مشاہدہ کیا جاتا ہے کہ پہلی مرتبہ جتنا شوق زیارت بیت اللہ کا ہوتا ہے دوسری مرتبہ اس شوق میں اضافہ ہوجاتا ہے۔ اور جوں جوں بار بار زیارت کرتا رہتا ہے یہ شوق اور بڑھتا رہتا ہے۔

بیت اللہ امن کی جگہ ہے

بیت اللہ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے امن کی جگہ بنایا ہے جس پر قرآن کریم کی آیت ۱۹ اذ جعلنا البیت مثابة للناس وامنا شاھد ہے لفظ امنا اس جگہ مامن یعنی جائے امن کے معنی میں ہے اور لفظ بیت سے مراد صرف بیت اللہ یعنی خانہ کعبہ ہی نہیں بلکہ پورا حرم مراد ہے۔

قرآن کریم میں بیت اللہ اور کعبہ کا لفظ بول کر پورا حرم مراد لینے کے اور بھی شواھد موجود ہیں جیسے ارشادِ باری تعالیٰ ہے ھدیًا بالغ الکعبة اسمیں لفظ کعبہ بول کر پورا حرم مراد لیا گیا ہے چونکہ اسمیں قربانی کا ذکر ہے اور بیت کعبہ کے اندر تو قربانی نہیں ہوتی اور نہ وہاں قربانی کرنا جائز ہے اسلئے معنی آیت کے یہ ہوئے کہ ہم نے حرم مکہ کو جائے امن بنا دیا۔ اور جائے امن بنا دینے سے مراد یہ حکم دینا ہے کہ حرم محترم کو عام قتل وقتال سے دور رکھیں۔

چنانچہ زمانۂ جاھلیت میں بھی عربوں کے ہاتھ میں ملت ابراہیمی کے جو کچھ آثار باقی رہ گئے تھے ان میں یہ بھی تھا کہ حرم میں اگر کسی کو اپنے باپ اور بھائی کا قاتل بھی ملتا تو وہ اس سے انتقام نہیں لیتا تھا اور عام جنگ وقتال کو بھی حرم میں حرام سمجھتے تھے شریعت اسلام میں بھی یہ حکم اسی طرح باقی رکھا گیا فتح مکہ کے وقت صرف چند گھنٹوں کیلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے ارض حرم میں قتال کو جائز کیا گیا تھا مگر اسی وقت پھر ہمیشہ کیلئے حرام کر دیا گیا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے خطبہ میں اسکا اعلان فرما دیا۔

حرم کے امن والی جگہ ہونے کی دلیل باری تبارک وتعالیٰ کا یہ فرمان بھی ہے اولم یروا انا جعلنا حرما امنا ویتخطف الناس من حولھم کیا وہ نہیں سوچتے اور دیکھتے کہ ہم نے حرم کو امن کی جگہ بنایا حالانکہ لوگ اس کے اردگرد سے اچک لیے جاتے ہیں۔

بیت اللہ کے امن والی جگہ ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ وہ جنون جذام اور برص جیسی مہلک بیماریوں سے امن کی جگہ ہے یعنی بیماریوں سے محفوظ ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ مکہ جبارین کے ہاتھوں سے محفوظ ہے۔ واقعات بتلاتے ہیں کہ جس نے اسے تباہ کرنے کا ارادہ کیا وہ ہلاک کر دیا گیا جیسے اصحاب فیل ہلاک کر دیئے گئے تھے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جن جانوروں کا شکار کیا جاتا ہے۔ ان کیلئے یہ محفوظ جگہ ہے۔ یہاں تک کہ جب کوئی شیر یا بھیڑیا کسی ہرن کا پیچھا کرتا ہے اور ہرن حرم میں داخل ہو جاتے تو شیر بھیڑیا اسکا تعاقب چھوڑ دیتے ہیں۔ امام زاہد نے ان سب امور کو بیان کیا ہے۔ قاضی بیضاوی اور

صاحب حسینی لکھتے ہیں کہ حرم مکہ میں جو شخص داخل ہوا اُسے اللہ تعالیٰ دوزخ سے محفوظ رکھیں گے۔

مقامِ ابراہیمؑ پر نماز پڑھنے کا حکم

بیتُ اللہ کے طواف سے فارغ ہوکر دو رکعت پڑھنا امامِ اعظم ابوحنیفہ رحمۃُ اللہ کے نزدیک واجب ہے جو کعبہ کے اطراف میں جہاں چاہیں پڑھ سکتے ہیں مگر مقام ابراہیم کے نزدیک پڑھنا مستحب ہے جس کا ثبوت قرآن مجید کی آیت واتخذوا من مقام ابراھیم مصلّٰی سے ہے۔

مقام میم کی فتح کے ساتھ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کھڑے ہونے کی جگہ جس سے مُراد وہ پتھر ہے جس میں ان کے دو قدموں کا نشان ہے اور مصلّٰی کا معنی جائے نماز ہے۔ آیت مذکورہ میں اُمر استحباب کے لئے ہے نہ کہ وجوب کے لئے کیونکہ کعبہ کے اردگرد جہاں کوئی چاہے نماز پڑھ سکتا ہے کسی مقام کی تخصیص نہیں۔

صاحب بیضاوی رحمۃُ اللہ علیہ نے آیت مذکورہ کے نزول پر روایت نقل کی ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت عمرؓ کا ہاتھ پکڑے ہوئے انہیں بتایا کہ یہ مقامِ ابراہیمؑ ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ کیا ہم اسے جائے نماز نہ بنالیں نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے اس کا حکم نہیں دیا گیا، تو سورج غروب ہونے سے پہلے پہلے یہ آیت نازل ہوگئی صاحب بیضاوی رحمۃُ اللہ بھی آیت میں اُمر کے بارے میں استحباب کے قائل ہیں۔

صاحب بیضاوی رحمۃُ اللہ لکھتے ہیں کہ کہا جاتا ہے کہ اس آیت میں طواف کی دو رکعت کا حکم ہے کیونکہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی علیہ السلام نے مقامِ ابراہیمؑ کا قصد کیا اور اس کے پیچھے دو رکعت ادا کیں اور یہ آیت پڑھی واتخذوا من مقام ابراھیم مصلّٰی۔ صاحب تفسیرات احمدیہ فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ اس صورت میں بھی اُمر استحباب ہی کیلئے رہیگا اگر کوئی یہ وہم کرے کہ اگر اس سے مُراد طواف کی دو رکعتیں ہیں اور یہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کے نزدیک واجب ہیں لہٰذا اُمر وجوب کے لئے ہوگا تو یہ وہم غلط ہے کیونکہ ہمارے نزدیک اگرچہ ہر سات چکر کے بعد دو رکعت واجب ہیں لیکن ان کا مقامِ ابراہیم پر ادا کرنا تو واجب نہیں ہے کیونکہ یہ کعبہ کی اطراف میں کہیں بھی ادا کی جاسکتی ہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ وہاں ادا کرنا مستحب ہے پس یہ اُمر استحباب ہی کے لئے مفید ہوگا وجوب کیلئے نہیں۔

(اس پر صاحب ہدایہ کا حوالہ دیکر فرماتے ہیں کہ) شاید اسی وجہ سے صاحب ہدایہ نے ان دو رکعتوں کے وجوب پر اس آیت سے استدلال نہیں کیا بلکہ حدیث سے استدلال کیا ہے۔ حدیث یہ ہے کہ طواف کرنے والا ہر اسبوع (سات چکر)

کے بعد دو رکعت نماز ادا کرے۔

آگے فرماتے ہیں کہ صاحب ھدایہ کا آیت کو چھوڑ کر حدیث سے استدلال ہمارے قول کی تائید ہے۔ بعض مفسرین نے مصلّٰی کا معنیٰ بجائے دُعا، کیا ہے۔ بعض کے نزدیک مقام ابراہیم سے مُراد تمام حرم ہے بعض کے نزدیک مقام ابراہیم مُراد مواضع مناسک ہیں۔ بعض نے اس سے صرف مسجد یا صرف بیتُ اللہ یا صرف مکہ مُراد لیا ہے۔

بیتُ اللہ کو پاک رکھنے کا حُکم

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے گھر یعنی بیتُ اللہ کو ہر قسم کی نجاست سے پاک رکھنے کا حکم دیا ہے ــــ

ـــــــ جس میں ظاہری نجاسات اور گندگی سے طہارت بھی داخل ہے اور باطنی نجاسات یعنی کفر و شرک اخلاقِ رذیلہ، بُغض، حسد، کینہ، حرص، تکبّر، غرور، ریا، نام و نمود سے پاکی بھی شامل ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

ان طھرا بیتی للطائفین والعاکفین والرکع السجود: ( )

"اور ہم نے (حضرت) ابراہیم اور حضرت) اسمٰعیل (علیہما السلام) کی طرف حکم بھیجا کہ میرے اس گھر کو خوب پاک رکھا کرو، بیرونی اور مقامی لوگوں (کی عبادت) کے واسطے اور رکوع اور سجدے کرنے والوں کے واسطے۔"

اس آیت طہارت کے لفظ بیتی میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ یہ حکم تمام مساجد کے لئے عام ہے کیونکہ مساجد بیوت اللہ ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فی بیوت اذن اللہ ان ترفع ویذکر فیھا اسمہ یسبح لہ فیھا بالغدو والاصال۔

"وہ ایسے گھروں میں جا کر عبادت کرتے ہیں جن کی نسبت اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ ان کا ادب کیا جاتا ہے اور ان میں اللہ کا نام لیا جائے ان (مسجدوں) میں ایسے لوگ صبح و شام اللہ کی پاکی (نمازوں میں) بیان کرتے ہیں۔"

بیتُ اللہ کی تعظیم، وجوبِ حج، مذبوحہ جانوروں کا کھانا، ایفاءِ نذر، حلق اور طوافِ زیارت کا بیان

وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِیْمَ مَكَانَ الْبَیْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِیْ شَیْــٴًـا وَّ طَهِّرْ بَیْتِیَ لِلطَّآىٕفِیْنَ وَ الْقَآىٕمِیْنَ وَ الرُّكَّعِ السُّجُوْدِ وَ اَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ

(ترجمہ) اور جب ہم نے ابراہیمؑ کو خانہ کعبہ کی جگہ بتلا دی (اور حکم دیا) کہ میرے ساتھ کسی چیز کو شریک مت کرنا اور میرے اس گھر کو طواف کرنے والوں اور (نمازمیں) قیام و رکوع و سجدہ کرنے والوں کے واسطے پاک رکھنا اور ـــــ

يَأْتُوكَ رِجَالًا وَعَلَىٰ كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِن كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ ۝ لِّيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ فِي أَيَّامٍ مَّعْلُومَاتٍ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُم مِّن بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ ۖ فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْبَائِسَ الْفَقِيرَ ۝ ثُمَّ لْيَقْضُوا تَفَثَهُمْ وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ ۝

(سورۃ الحج آیت نمبر ۲۶ تا ۲۹)

لوگوں میں حج کا اعلان کر دو لوگ تمہارے پاس چلے آئیں گے پیادہ اور دُبلی اُونٹنیوں پر بھی جو کہ دُور دراز راستوں سے پہنچی ہوں گی تاکہ اپنے فوائد کے لئے آموجود ہوں اور تاکہ ایّامِ مقررہ میں ان مخصوص چوپایوں پر اللہ کا نام لیں جو خدا تعالیٰ نے ان کو عطا کئے ہیں۔ سو ان جانوروں میں سے تم بھی کھایا کرو اور مصیبت زدہ محتاج کو بھی کھلایا کرو۔ پھر لوگوں کو چاہیئے کہ اپنا مَیل کچیل دُور کر دیں اور اپنے واجبات کو پورا کریں اور اس مامون گھر کا طواف کریں۔

اللہ تعالیٰ کیساتھ کسی کو شریک کرنا منع ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو عبادت میں شریک کرنا منع ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے ان لا تشرک بی شیئا یعنی میری عبادت میں کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ ظاہر ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام میں شرک کرنے کا کوئی احتمال نہیں تھا ان کی بُت شکنی اور شرک کرنے والوں کا مقابلہ اور اس میں سخت ترین آزمائش کے واقعات پہلے ہو چکے تھے اس لئے اس سے مُراد عام لوگوں کو سُنانا ہے کہ شرک سے پرہیز کریں۔

بیت اللہ کو پاک رکھنے کا حکم

اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کو طواف کرنیوالوں اور نماز پڑھنے والوں کیلئے پاک رکھنے کا حکم دیا ہے وطہر بیتی للطائفین والقائمین والرکع السجود : اور میرے گھر کو پاک کیجئے۔ اس وقت اگرچہ گھر موجود نہیں تھا مگر بیت اللہ دراصل در و دیوار اور تعمیر کا نام نہیں بلکہ اس ارضِ مقدسہ کا نام ہے جس میں بیت اللہ پہلے بنایا گیا تھا اور اب دوبارہ بنانے کا حکم دیا جا رہا ہے وہ بقعہ مبارکہ اور مکان بہرحال موجود تھا اس کو پاک کرنے کا حکم اس لئے دیا گیا کہ اس زمانہ میں بھی قوم جرہم اور قوم عمالقہ نے یہاں کچھ بُت رکھے ہوئے تھے جن کی پوجا پاٹ ہوتی تھی اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ حکم آئندہ آنے والوں کو سُنانا ہو اور پاک کرنے سے مُراد جیسے کفر و شرک سے پاک رکھنا ہے لیسے

ہی ظاہری نجاسات اور گندگیوں سے پاک رکھنا بھی مُراد ہے اور سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو اس خطاب کرنے سے دوسرے لوگوں کو اہتمام کی فکر دلانا مقصود ہے کہ جب خلیلُ اللہ کو اس کا حکم ہُوا جو خود اس پر عامل تھے تو ہمیں کس کا کتنا اہتمام کرنا چاہیئے۔

صفا اور مروہ کے درمیان دوڑنا ،

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ ۝ (سُورہ البقرہ آیت نمبر ۱۵۸)	تحقیق صفا و مروہ منجملہ یادگار خداوندی ہیں سو جو شخص حج کرے بیتُ اللہ کا یا عمرہ کرے اس پر ذرا بھی گناہ نہیں ان دونوں کے درمیان آمد و رفت کرنے میں اور جو شخص خوشی سے کوئی اَمرِ خیر کرے تو حق تعالیٰ قدر دانی کرتے ہیں خُوب جانتے ہیں۔

شانِ نزول

صفا اور مروہ مکّہ مکرمہ کے دُو پہاڑوں کے نام ہیں ان میں سے پہلا سخت قِسم کا املس پتّھر ہے اور دُوسرا سفید پتّھر ہے، اہلِ جاہلیت ان دونوں کے درمیان دَوڑا کرتے تھے اور اساف و نائلہ پر ہاتھ پھیرا کرتے تھے یہ دُو بُت تھے ایک صفا پر ایک مروہ پر جب اسلام آیا اور بُت توڑ دیئے گئے تو مسلمان ان پہاڑوں کے درمیان طواف کے لیئے نکلے پھر مخالفتِ کفّار کے ارادہ سے ان کے درمیان سعی کو ترک کر دیا، انہوں نے یہ سمجھا کہ ایسا کرنا گناہ ہے تو اللہ تعالیٰ نے بتلایا کہ جو کوئی حج یا عُمرہ کرے تو اس پر ان کے درمیان طواف یعنی سعی کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

صفا و مروہ کے درمیان سعی واجب ہے۔

حج اور عمرہ کے طواف کے بعد صفا و مروہ کے درمیان دوڑنا یعنی سات چکّر لگانا واجب ہے جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے: فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا۔ امام احمد بن حنبل رحمۃُ اللہ کے نزدیک سعی بین الصفا والمروۃ سُنّت ہے۔ صاحبِ کشاف اور صاحب بیضاوی رحمہا اللہ کے کہنے کے مطابق حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک بھی یہی ہے اگرچہ آیت سے تو سعی کی اباحت معلوم ہوتی ہے۔ مگر چُوں کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ نے سعی بین الصفا والمروۃ کی ہے اسلئے جانب فعل کو ترجیح حاصل ہے لہٰذا سعی سنّت ہے

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سعی رکن ہے اسلئے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ سعی کیا کرو کیوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے سعی کو تم پر فرض کیا ہے احناف کے نزدیک سعی واجب ہے کیوں کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اور صحابہ کرامؓ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ہمیشہ کرتے رہے اور کبھی ترک نہیں کیا، لہٰذا سعی واجب ہے اس کے ترک سے دم واجب ہوگا۔

حج کے ایام وشرائط عرفات و مزدلفہ میں ٹھیرنے کے احکام

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى وَاتَّقُوْنِ يٰاُولِي الْاَلْبَابِ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاِذَا اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ وَاِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۔

(سورۃ البقرہ آیت ۱۹۷)

حج کے چند مہینے ہیں جو کہ معلوم ہیں سو جو شخص ان میں حج مقرر کرلے تو پھر نہ کوئی فحش بات ہے نہ کوئی بے حکمی نہ کسی قسم کا نزاع زیبا ہے اور جو نیک کام کروگے خدا تعالیٰ کو اسکی اطلاع ہوتی ہے اور خرچ ضرور لے لیا کرو کیوں کہ سب سے بڑی بات خرچ میں بچا رہنا ہے اور اے ذی عقل لوگو! مجھ سے ڈرتے رہو تم کو اس میں بھی ذرا گناہ نہیں کہ معاش کی تلاش کرو جو تمہارے پروردگار کی طرف سے ہے پھر جب تم لوگ عرفات سے واپس آنے لگو تو مشعر حرام کے پاس خدا تعالیٰ کی یاد کرو اور اسطرح یاد کرو جسطرح تم کو بتلا رکھا ہے اور حقیقت میں قبل اسکے تم محض ہی ناواقف تھے پھر تم سب کو ضرور ہے کہ اسی جگہ ہو کر واپس آؤ جہاں اور لوگ جاکر وہاں سے واپس آتے ہیں اور خدا تعالیٰ کے سامنے توبہ کرو یقیناً اللہ تبارک وتعالیٰ معاف کردیں گے اور مہربانی فرمادیں گے۔

آیت کا شانِ نزول

آیت کریمہ کا واقعہ نزول یہ ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں عرب نے جسطرح تمام عبادات و معاملات کو مسخ کر کے طرح طرح کی بے ہودہ رسمیں ان میں شامل کر دی تھیں اور عبادت کو بھی کھیل تماشہ بنا دیا تھا۔ اسی طرح افعالِ حج میں بھی طرح طرح کی بے ہودگیاں کرتے تھے۔ منیٰ کے عظیم اجتماع میں ان کے خاص خاص بازار لگتے تھے، نمائش ہوتی تھی، تجارت کے فروغ کے ذرائع لگائے جاتے تھے۔ اسلام آیا اور حج مسلمانوں پر فرض کیا گیا تو اُن بے ہودہ رسموں کا قلع قمع کیا گیا صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین جو اللہ تبارک و تعالیٰ کی رضا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر مرمٹ جانے والے تھے اب ان کو یہ خیال ہوا کہ ایامِ حج میں تجارت کرنا مزدوری کر کے کچھ کما لینا یہ بھی جاہلیت کی پیداوار ہے شاید اسلام میں اسکی مطلقاً حرمت و ممانعت ہو جائے یہاں تک کہ ایک صاحب حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس آئے اور یہ سوال کیا کہ ہمارا پیشہ پہلے سے یہ ہے کہ ہم اونٹ کرائے پر چلاتے ہیں اور ہم اُن کے ساتھ جاتے ہیں اور حج کرتے ہیں کیا ہمارا حج نہیں ہوگا۔

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا! کہ ایک شخص رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہوا تھا اور آپ صلّی اللہ علیہ وسلم سے وہی سوال کیا تھا جو تم مجھ سے کر رہے ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسوقت کوئی جواب نہیں دیا یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی۔ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اس شخص کو بُلایا اور فرمایا کہ ہاں تمہارا حج صحیح ہے۔ اس آیت نے یہ واضح کر دیا کہ اگر کوئی شخص دورانِ حج کوئی بیع و شراء یا مزدوری کرے جس سے کچھ نفع ہو جائے تو اسمیں کوئی گناہ نہیں۔ ہاں کفارِ عرب نے حج کو جو تجارت کی منڈی اور نمائش گاہ بنا لیا تھا، اسکی اصلاح قرآن کریم کے دو لفظوں سے کر دی گئی ایک تو یہ کہ جو کچھ کمائیں اسکو اللہ کا فضل اور عطا سمجھ کر حاصل کریں شکر گذار ہوں، محض سرمایہ سمیٹنا مقصود نہ ہو فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ میں اسی طرف اشارہ ہے۔ دوسرے لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ کے لفظ نے یہ بتا دیا کہ اس کمائی میں تم پر کوئی گناہ نہیں جسمیں ایک اشارہ اس طرف ہے کہ اگر اس سے بھی اجتناب کیا جائے تو بہتر ہے کیوں کہ اخلاص کامل میں فرق آتا ہے۔

ایامِ حج،

مذکورہ آیت میں وقتِ حج، ممنوعاتِ حج، وقوفِ عرفہ، وقوفِ مزدلفہ وغیرہ کا بیان ہے۔
حج کا وقت اور اسکا زمانہ جانے پہچانے مشہور و معروف مہینے ہیں کسی پر مخفی نہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ

ہے اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمَاتٌ یہاں مضاف محذوف ہے ای زمان الحج یعنی حج کا وقت اور اسکا زمانہ مشہور و معروف ہے ۔ یہ وقت ہمارے نزدیک شوال، ذیقعدہ اور ذی الحجہ کے پہلے دس روز ہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دسویں ذی الحج کی رات تک ہے پس دسویں کا دن اسمیں شامل نہیں ۔ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک پورا ذی الحج اسمیں شامل ہے۔ بیضاوی شریف میں ہے کہ آئمہ کے مابین اختلاف کا مبنیٰ یہ ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک وقت حج سے مراد احرام کا وقت ہے اور احرام یوم نحر میں صحیح نہیں ۔ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک وہ وقت جسمیں حج کے علاوہ اور مناسک مستحسن نہیں لہٰذا ان کے نزدیک یہ ذی الحجہ میں عمرہ صحیح نہ ہوگا۔ احناف کے نزدیک وقت سے مراد اس کے اعمال وافعال کا وقت ہے اور یہ اسی وقت میں ہوتے ہیں جسکا ہم نے ذکر کیا ۔

ممنوعاتِ حج

حج کا احرام باندھنے والے کیلئے کچھ منفی آداب واحکام ہیں جن سے حالت احرام پرہیز کرنا لازم و واجب ہے اور وہ تین چیزیں ہیں۔ رفث، فسوق، جدال ۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے فَمَنْ فرض فیھن الحج فلا رفث ولا فسوق ولا جدال فی الحج سو جو شخص ان میں حج مقرر کرلے تو پھر نہ کوئی فحش بات ہے نہ کوئی بے حکمی ہے نہ کسی قسم کا نزاع زیبا ہے۔

رفث کی ممانعت

رفث ایک جامع لفظ ہے جسمیں عورت سے مباشرت اور اسکے مقدمات یہاں تک کہ زبان سے عورت کیساتھ اس کی کھلی گفتگو بھی داخل ہے محرم کیلئے حالت احرام میں یہ سب چیزیں حرام ہیں تعریض وکنایہ کا کچھ مضائقہ نہیں جیسا کہ فلا رفث سے مفہوم ہوتا ہے۔

فسوق کی ممانعت

ولا فسوق، فسوق کے لفظی معنی خروج کے ہیں قرآن کریم کی اصطلاح عدول حکمی اور نافرمانی کو فسوق کہا جاتا ہے جو اسی عام معنی کے اعتبار سے سب گناہوں کو شامل ہے اسی لئے بعض حضرات نے اس جگہ عام معنی ہی مراد لئے ہیں مگر حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اس جگہ فسوق کی تفسیر محظورات احرام سے فرمائی ہے۔ یعنی وہ کام جو حالت احرام میں ممنوع و ناجائز ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ اس مقام کے مناسب یہی تفسیر ہے کیوں کہ عام گناہوں

کی ممانعت احرام کے ساتھ خاص نہیں۔

وہ چیزیں جو حالتِ احرام میں منع ہیں

وہ چیزیں جو اپنی اصل کے اعتبار سے تو جائز ہیں مگر احرام کی وجہ سے ناجائز ہو جاتی ہیں۔ (۱) اوّل عورت کے ساتھ مباشرت اور اس کے تمام متعلقات یہاں تک کہ کھلی گفتگو بھی۔ (۲) دوسرے بری جانوروں شکار خواہ خود کرے یا شکاری کو تبلائے۔ (۳) بال یا ناخن کٹوانا۔ (۴) خوشبو کا استعمال۔ یہ چار چیزیں تو مرد و عورت دونوں کیلئے حالتِ احرام میں ناجائز ہیں۔ باقی دو چیزیں مردوں کے ساتھ خاص ہیں یعنی سلے ہوتے کپڑے پہننا، سر اور چہرے کو ڈھانپنا۔ امام اعظم ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک حالتِ احرام میں چہرے کو ڈھانپنا عورت کیلئے بھی ناجائز ہے اس لئے یہ بھی دیگر مشترک ممنوعاتِ احرام میں شامل ہے۔

حالتِ احرام یا حج میں نیکی کی ترغیب

جو چیزیں حالتِ احرام میں منع ہیں انکو بیان کرنے کے بعد خیر یعنی نیکی پر آمادگی کیلئے فرمایا! وما تفعلوا من خیر یعلمہ اللہ تم جو نیکی بھی کرو اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے لہٰذا تم بدکلامی کی جگہ خوش گفتاری فسوق کے بجائے نیکی و تقویٰ اور جدال کی بجائے اتفاق اور اخلاقِ حسنہ کو اختیار کرو۔

سفرِ حج میں ضروریاتِ سفر کا ساتھ لینا ضروری ہے

سفرِ حج میں ضروریاتِ سفر کا ساتھ لینا ضروری ہے جو لوگ حج وعمرہ کیلئے۔ بے سرو سامانی کے ساتھ نکل کھڑے ہوتے ہیں اور دعویٰ یہ کرتے ہیں کہ ہم اللہ پر توکل کرتے ہیں پھر راستے میں بھیک مانگنا پڑتی ہے جسکی وجہ سے خود بھی تکلیف اٹھاتے ہیں اور دوسروں کو بھی پریشان کرتے ہیں۔ انکی ھدایت اور اصلاح کیلئے حکم ہوا۔ وَتَزَوَّدُوا فَاِنَّ خَیْرَ الزَّادِ التَّقْوٰی اور خرچ ضرور لے لیا کرو۔ کیوں کہ سب سے بڑی بات خرچ میں بچا رہنا ہے۔ معلوم ہوا کہ سفرِ حج میں ضروریاتِ سفر ساتھ لینا چاہیئے یہ توکل کے منافی نہیں بلکہ توکل کی حقیقت یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دیتے ہوتے اسباب و وسائل کو اپنی طاقت کے مطابق حاصل اور جمع کرے پھر اللہ تعالیٰ پر توکل کرے۔ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم سے توکّل کی یہی تفسیر منقول ہے۔ بالکل ترکِ اسباب کا نام توکّل رکھنا جہالت ہے۔

سفرِ حج میں تجارت یا مزدوری کرنا جائز ہے

سفرِ حج میں تجارت اور مزدوری کا جواز قرآن کریم کی آیت لَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّکُمْ سے معلوم ہوتا ہے۔ یعنی تم پر اسمیں کوئی گناہ نہیں کہ تم سفرِ حج میں تجارت یا مزدوری کے ذریعہ کچھ روزی کماؤ اور اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا رزق حاصل کرو۔

عرفات اور مزدلفہ میں ٹھیرنا

وقوفِ عرفہ کے بعد عرفات سے واپسی میں رات کو مزدلفہ میں قیام اور اسکا خاص ذکر واجب ہے ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفَاتٍ فَاذْکُرُوا اللّٰہَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ وَاذْکُرُوْہُ کَمَا ھَدٰکُمْ یعنی پھر جب تم عرفات سے واپس آنے لگو تو مشعر حرام کے پاس خدا تعالیٰ کی یاد کرو، اور اس طرح یاد کرو جسطرح تم کو تبلا رکھا ہے۔ اور حقیقت میں اللہ تعالیٰ کے تبلانے سے پہلے تم محض ہی ناواقف تھے۔

وقوفِ عرفہ فرض ہے

عرفات میں ٹھہرنا فرض ہے اور اسکی فرضیت قرآن مجید کی آیت ثُمَّ اَفِیْضُوْا مِنْ حَیْثُ اَفَاضَ النَّاسُ سے ثابت ہے ابوبکر جصاص نے فرمایا کہ مذکورہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ وقوفِ عرفہ فرائضِ حج میں سے ہے اس لئے کہ اسمیں افاضہ کا حکم ہے جو مقتضی للوجوب ہے اور یہ افاضہ بغیر وقوفِ عرفہ کے ممکن نہیں ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ وقوفِ عرفہ فرض ہے۔

عرفات کی وجہ تسمیہ اور مشعرِ حرام و مزدلفہ کی علمی تحقیق

عرفات: عرفہ کی جمع ہے یہ میدان حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے بنایا گیا تھا جب آپ نے اسے دیکھا تو پہچان لیا۔ یا یہ کہ حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما السلام یہاں ایک دوسرے سے ملے اور ایک دوسرے کو پہچان

لیا، یا یہ کہ لوگ یہاں ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں۔

مشعرِ حرام ایک پہاڑ کا نام ہے جس پر امام کھڑا ہوتا ہے اور یہی صحیح ہے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مشعرِ حرام، عرفہ اور وادی محسر کے درمیان کا نام ہے لیکن یہ صحیح نہیں۔ مشعر کے معنی نشان کے ہیں۔ چونکہ یہ عبادت کا نشان ہے اس لئے اس کو مشعر کہتے ہیں اور عزت کی وجہ سے حرام سے موصوف ہے۔

مزدلفہ: مزدلفہ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ یہاں حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما السلام اکٹھے ہوئے اور ایک دوسرے کے قریب ہو گئے یا یہ کہ یہاں جمع بین الصلوتین ہوتی ہے۔
یا یہ کہ یہاں لوگ قیام کر کے قربِ الٰہی حاصل کرتے ہیں۔

حجِ تمتّع کے احکام

فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ

(سورۃ البقرۃ آیت ۱۹۶)

پھر جب تم امن کی حالت میں ہو تو جو شخص عمرہ سے اس کو حج کے ساتھ ملا کر منتفع ہوا ہو تو جو کچھ قربانی میسر ہو پھر جس شخص کو قربانی کا جانور میسر نہ ہو تو تین دن کے روزے ہیں حج میں اور سات ہیں جب کہ حج سے تمہارے لوٹنے کا وقت آجائے۔ یہ پورے دس دن ہوئے یہ اس شخص کیلئے ہے جس کے اہل مسجد حرام کے قرب میں نہ رہتے ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ سزائے سخت دیتے ہیں۔

اقسامِ حجّ

حج اور عمرہ کی ادائیگی کی تین صورتیں ہیں۔ افراد، قران، تمتع۔

(۱) **افراد:** حج افراد کا طریقہ یہ ہے کہ حج کا احرام باندھے اور اس کے اعمال وافعال ادا کرے۔
اسی طرح جب عمرہ کا احرام باندھے تو اسی کے اعمال وافعال ادا کرے۔

حجِ قِرانؔ

قِران کا طریقہ یہ ہے کہ حج اور عمرہ دونوں کے لئے ایک ہی احرام باندھے پھر پہلے عمرہ کرے یعنی بیتُ اللہ کا طواف اور صفا و مروہ کے درمیان سعی کرے۔ عمرہ سے فارغ ہوکر افعالِ حج شروع کرے یعنی طوافِ قدوم کرے اس کے بعد سعی کرے اور حج کے پُورے اعمال وافعال حسبِ معمول بجالائے۔

حجِ تمتّعؔ

مذکورہ آیت میں حج تمتّع کے احکام کا ذکر ہے۔

تمتّع کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے عمرہ کا احرام باندھے پھر مکّہ مکرمہ میں داخل ہوکر عمرہ کے افعال اُدا کرکے بعد ازاں احرام کھول دے، اُب حالتِ احرام میں جو چیزیں منع تھیں مثلاً سِلے ہوئے کپڑے پہننا، خوشبو لگانا، سر منڈوانا سب جائز ہوگئیں۔ ان سے مستفید ہوتا رہے۔ پھر ذوالحج کی آٹھ تاریخ کو مکّہ ہی سے حج کا احرام باندھے اور اس سے پہلے احرام باندھنا افضل ہے اور مناسکِ حج اُدا کرکے حج کو مکمّل کرے فاذا امنتم فمن تمتع بالعمرة الی الحج۔

—— یہ اس شخص کا تمتّع ہے جو اپنے ساتھ قربانی کا جانور نہیں لے گیا۔ اور اگر تمتّع کرنے والا اپنے ساتھ قربانی کا جانور بھی لے جائے تو عمرہ کرنے کے بعد احرام نہیں کھول سکتا۔ بلکہ حج کی ادائگی تک حالتِ احرام میں رہے گا۔

تمتّع کی قُربانی

جو شخص حالتِ امن میں حج اور عمرہ تمتّع کی صُورت میں اُدا کرے تو اس پر اُونٹ، گائے، بکری میں سے جو اُسے مُیسّر ہو قربانی کرنا لازم ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے فما استیسر من الھدی تاکہ اس طرح وہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا شکر بجالائے کہ اس نے حج و عُمرہ دو عبادتیں ایک ساتھ اُدا کرنے کی توفیق بخشی۔ یہ قربانی دَم نسک کہلاتی ہے جو قربانی کی طرح یوم نحر میں ذبح کی جائیگی اور اس کا کھانا جائز ہے اور قربانی اس کے قائم مقام نہیں ہوگی بلکہ یہ دَم شکر علیحدہ ذبح کرنا ہوگا تفسیر کشاف اور تفسیر بیضاوی سے معلوم ہوتا ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ کے نزدیک اس کا کھانا جائز نہیں کیونکہ یہ دم جبر ہے اور احرامِ حج کے وقت ذبح کی جائیگی۔

قربانی کا جانور میسّر نہ ہونے کی صورت میں دس روزے رکھے۔

جس شخص کی مالی حیثیت قربانی کرنے کی نہ ہو اس پر دس روزے رکھنا اس طرح واجب ہیں کہ تین روزے تو ایام حج ہی کے اندر رکھے یعنی نویں ذی الحج تک پورے کرے باقی سات روزے حج سے فارغ ہو کر جہاں چاہے جب چاہے رکھے خواہ وہیں مکہ مکرمہ میں رہ کر پورے کرے یا گھر واپس آکر دونوں اختیار ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے فمن لم یجد فصیام ثلثة ایام فی الحج وسبعة اذا رجعتم تلك عشرة كاملة۔
اگر کوئی شخص تین روزے ایام حج میں نہ رکھ سکا تو پھر امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ اور اکابر صحابہؓ کے نزدیک اس کیلئے قربانی کرنا ہی لازم و متعین ہے جب قدرت ہو حرم میں ہی قربانی کرادے۔

حج تمتع حدود مکہ سے باہر رہنے والوں کیلئے جائز ہے۔

حج تمتع ان لوگوں کے لئے جائز ہے جو مکۃ المکرمہ کی حدود سے باہر رہنے والے ہیں اور جو لوگ مکہ کی حدود کے اندر رہتے ہیں ان کے لئے حج تمتع جائز نہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ ذالك لمن لم یكن اهله حاضری المسجد الحرام: آیت کا مطلب یہ ہے کہ تمتع اس شخص کیلئے ہے جس کے اہل و عیال مسجد کے قریب نہ ہوں یعنی وہ مکہ یا اس کے باہر میقات کا رہنے والا نہ ہو بلکہ اس کی رہائش میقات سے باہر ہو۔ جس کی رہائش میقات کے اندر ہو اس کیلئے حج تمتع جائز نہیں کیونکہ وہ حج کے مہینوں کے علاوہ بھی کسی وقت عمرہ کر سکتا ہے۔ لہٰذا اس کے لئے حج افراد ہی جائز ہے بخلاف باہر رہنے والے کے کہ اس کے لئے تمتع جائز ہے کیونکہ وہ زیادہ عرصہ تک مکہ میں نہیں ٹھیر سکتا۔ لہٰذا اس کے لئے قران یا تمتع افضل ہے تاکہ وہ حج اور عمرہ دونوں نعمتوں سے مشرف ہو جائے۔

احکام حج و عمرہ میں خلاف ورزی اور کوتاہی باعث عذاب ہے

حج اور عمرہ کے احکام میں خلاف ورزی اور کوتاہی کرنا عذاب کا سبب ہے کیونکہ آیت کے اختتام پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا ہے جس کے معانی اللہ تبارک وتعالیٰ کی خلاف ورزی سے ڈرنے اور بچنے کے ہیں تقویٰ اختیار نہ کرنے کی صورت میں سخت عذاب کی وعید ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے واتقوا الله واعلموا ان الله شدید العقاب۔ یعنی جو شخص جان بوجھ کر اللہ تعالیٰ کے احکام

کی خلاف ورزی کرتا ہے اس کے لئے اللہ تعالیٰ کا سخت عذاب ہے۔

حالت احرام میں شکار کی حرمت اور چوپایوں کی حلت شعائر اللہ کی حرمت اور ھدی و قلائد وغیرہ کا بیان

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ۭ اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَاۗىِٕرَ اللّٰهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَاۗىِٕدَ وَلَآ اٰۗمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا ۭ وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا ۭ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ۘ وَتَعَاوَنُوْا عَلَي الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۠ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَي الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝

(سورة المائدہ آیت ١ و ٢)

اے ایمان والو! عہدوں کو پورا کرو تمہارے لئے تمام چوپائے جو مشابہ انعام کے ہوں حلال کئے گئے ہیں مگر جن کا ذکر آگے آتا ہے لیکن شکار کو حلال مت سمجھنا جس حالت میں کہ تم احرام میں ہو۔ بے شک اللہ تعالیٰ جو چاہیں حکم کریں، اے ایمان والو بے حرمتی نہ کرو خدا تعالیٰ کی نشانیوں کی اور نہ حرمت والے مہینے کی اور نہ حرم میں قربانی ہونے والے جانوروں کی اور نہ ان جانوروں کی جن کے گلے میں پٹے پڑے ہوں اور نہ ان لوگوں کی جو کہ بیت الحرام کے قصد سے جا رہے ہوں اپنے رب کے فضل اور رضا مندی کے طالب ہوں اور جس وقت تم احرام سے باہر آجاؤ تو شکار کر لیا کرو اور ایسا نہ ہو کہ تم کو کسی قوم سے جو اسی سبب سے بغض ہے کہ انہوں نے تم کو مسجد حرام سے روک دیا تھا وہ تمہارے لئے اس کا باعث ہو جائے کہ تم حد سے نکل جاؤ۔ اور نیکی اور تقویٰ میں ایک دوسرے کی اعانت کرتے رہو۔ اور گناہ اور زیادتی میں ایک دوسرے کی اعانت مت کرو۔ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرا کرو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والے ہیں۔

چوپائے حلال ہیں

سوائے ان چوپایوں کے جن کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے سورۃ المائدہ کی آیت ٣ حرمت علیکم المیتة الخ

میں حرام قرار دیا ہے باقی چوپائے حلال ہیں جن کا حلال ہونا سورۃ المائدہ کی آیت ۱ احلت لکم بھیمۃ الانعام تمہارے لئے چوپائے حلال کر دیئے گئے سے ثابت ہے۔ بھیمۃ ان جانوروں کو کہا جاتا ہے جنہیں قوت تمیز نہ ہو اور انعام سے مراد چوپائے ہیں۔ آیت زیر بحث میں ان جانوروں کی حلت مراد ہے جنکو اہل جاہلیت نے اپنے لئے حرام قرار دے دیئے تھے جیسے بحیرہ اور سائبہ۔ اگر آیت کو اپنے عموم پر باقی رکھا جائے اور یہی بہتر بھی ہے تاکہ الا مایتلی علیکم کا استثناء درست ہو یعنی تمہارے لئے جمیع بھیمۃ الانعام حلال کر دیئے گئے مگروہ بھیمۃ الانعام حلال نہیں کئے گئے جن کی حرمت آگے آنیوالی آیت تحریم یعنی حرمت علیکم المیتۃ الخ میں مذکور ہے۔ اس آیت میں تقریباً گیارہ چیزوں کو حرام قرار دیا گیا ہے۔

حالتِ احرام میں شکار منع ہے

اللہ تبارک وتعالیٰ نے احرام کی حالت میں شکار کو حلال سمجھنے سے منع فرمایا ہے۔ غیر محلی الصید و انتم حرم۔ یعنی شکار کو حلال مت سمجھنا جس حالت میں کہ تم احرام میں ہو۔ آیت کے صحیح مفہوم کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے ترکیبی اعتبار سے ماقبل کے ساتھ اس کے تعلق کو سمجھا جائے لہٰذا ترکیب میں غیر محلی الصید ماقبل احلت لکم میں لکم کی ضمیر سے حال واقع ہو رہا ہے اور وانتم حرم محلی الصید سے حال واقع ہو رہا ہے۔ تقدیر عبارت یہ ہوگی احلت لکم بھیمۃ الانعام حال کونکم غیر محلین الاصطیاد بھا فی حال الاحرام یعنی بھیمۃ الانعام کو تمہارے لئے حلال کر دیا گیا۔ درآں حالیکہ تم حالتِ احرام میں ان کے شکار کو حلال سمجھنے والے نہ ہو۔ مذکورہ تحقیق سے ایک اعتراض بھی دفع ہو گیا کہ بھیمۃ الانعام تو محرم غیر محرم سب کیلئے حلال ہیں تو پھر ان کو محرم کیلئے حلال نہ سمجھنے کا کیا مطلب ہے۔ جواب یہ ہے کہ بھیمۃ الانعام کو حلال نہ سمجھنے سے مراد انکے شکار کو حلال نہ سمجھنا ہے یہ مطلب نہیں ہے کہ انکی ذات کو بھی حلال نہ سمجھے۔ مذکورہ حکم یعنی محرم کیلئے شکار کی ممانعت صرف برّی یعنی خشکی کے جانوروں میں ہے نہ کہ پانی کے جانوروں کا شکار کیونکہ پانی کے جانوروں کا شکار کرنا محرم کیلئے بھی حلال ہے۔

حالتِ احرام میں شکار کی حُرمت اور اس کا کفّارہ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ۚ وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ	اے ایمان والو وحشی شکار کو قتل مت کرو جبکہ تم حالت احرام میں ہو اور جو کوئی تم میں سے اسکو جان بوجھ کر قتل کریگا تو اسپر پاداش واجب ہوگی جو کہ مساوی ہوگی اس جانور کی

بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ هَدْيًا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا لِّيَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ○

(سورۃ المائدہ آیت ۹۵)

جسکو اس نے قتل کیا ہے جسکا فیصلہ تم میں سے دو معتبر شخص کر دیں خواہ وہ پاداش خاص چوپایوں میں سے ہو بشرطیکہ نیاز کے طور پر کعبہ تک پہنچائی جائے اور خواہ کفارہ مساکین کو دیدیا جائے خواہ اس کے برابر روزے رکھ لئے جائیں تاکہ اپنے کئے کی شامت کا مزہ چکھے، اللہ تعالیٰ نے گذشتہ کو معاف کر دیا۔ اور جو شخص پھر ایسی ہی حرکت کرے گا تو اللہ تعالیٰ انتقام لیں گے اور اللہ تعالیٰ زبردست ہیں انتقام لے سکتے ہیں۔

خلاصہ آیت کریمہ میں بحالتِ احرام شکار کی حرمت ہے جسکی تفصیل پہلے لکھی جا چکی ہے یہاں صرف اتنا جان لینا ضروری ہے کہ صید سے مراد وہ حیوان ہے جو اصل خلقت کے اعتبار سے جنگلی اور محفوظ القتل ہو خواہ اسکا گوشت کھایا جاتا ہو یا نہ کھایا جاتا ہو۔ صاحب قاموس اور امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک صید کی یہی تعریف ہے۔ مگر وہ جانور کہ حالتِ احرام میں ان کے قتل کا جواز احادیث سے ثابت ہے انکو اس سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے یعنی سانپ بچھو چوہا چیل کوّا اور کٹ کھنے کتے کو قتل کرنا احادیث میں جائز قرار دیا گیا ہے

حالتِ احرام میں شکار کرنیوالے پر کفارہ واجب ہے

حالتِ احرام میں جان بوجھ کر شکار کرنے سے محرم پر کفارہ واجب ہو جاتا ہے۔ وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ اور تم (یعنی محرمین) میں سے جس نے جان بوجھ کر شکار کو قتل کیا تو پھر پاداش واجب ہے اس جانور کے برابر جسکو اس نے قتل کیا ہے۔ جمہور علماء و آئمہ اربعہ کے نزدیک حالتِ احرام میں شکار کرنے کی پاداش ہر حال واجب ہے خواہ قصداً قتل کیا ہو یا اپنے احرام کو بھول کر قتل کیا ہو یا غلطی سے قتل کیا ہو یا حرمت معلوم نہ ہونیکی حالت میں شکار کیا ہو یا کسی کے اکراہ سے ایسا کیا ہو۔ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک قربانی کا جانور قیمت میں شکار کے برابر ہونا چاہیئے (یعنی مثل معنوی مراد ہے) کیونکہ مثل مطلق تو وہی ہوتا ہے جو صورت اور حقیقت دونوں میں مثل ہو یعنی قربانی کا جانور ہم نوع ہو اور یہ بالاجماع مراد نہیں لا محالۃ مثل معنوی ہی مراد ہو گا یعنی جو قیمت میں شکار کے برابر ہو۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ بعض قسم کے شکار کی تو بالاجماع قیمت ہی کا حساب لگانا ضروری ہے مثلاً اس جانور کا شکار

کیا ہو جس کا اُونٹ، گائے بھینس، بکری، مینڈھے وغیرہ میں سے کوئی مثل نہ ہو یا کبوتر سے چھوٹا ہو مثلاً چڑیا ٹڈی وغیرہ ہو لہذا مثل معنوی مُراد لینا ہی ضروری ہے۔

شکار کی مثل کا فیصلہ دو معتبر شخص کریں۔

جمہور علماء اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک پاداش یا مثل ہونے کے فیصلے کے لئے دو شخصوں کا ہونا ضروری ہے اور دونوں کا نیک صالح ہونا بھی ضروری ہے جیساکہ آیت یحکم بہ ذوا عدل منکم جسکا فیصلہ تم میں سے دو معتبر شخص کریں" کا تقاضہ ہے اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا عمل بھی اسی بات کا شاہد ہے۔

شکار کی جزاء کو کعبہ تک پہنچانا،

خواہ وہ پاداشں خاص چوپایوں میں سے ہو بشرطیکہ نیاز کے طور پر کعبہ تک پہنچائی جائے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: هَدْيًا بَالِغَ الْكَعْبَةِ۔

مساکین کو بطور کفارہ طعام دینا

قصور کرنے والے کو اختیار ہے خواہ دم ذبح کرے یا بطور کفارہ مسکینوں کو کھانا دیدے اور یہ اختیار قرآن کریم کی آیت او کفارة طعام مسکین سے ثابت ہے۔

طعام کے بدلے روزے رکھنا جائز ہے،

شکار کے کفارہ کے طور پر حیوان دے یا اس کی قیمت کے مساوی طعام مسکین کو کھلائے یعنی ہر مسکین کو صدقہ فطر کی بقدر طعام دیدے۔ اور اگر طعام نہ دے تو اس حیوان کی قیمت میں جتنا طعام آسکتا ہے اس کے وزن کا اندازہ کرے اور دیکھے کہ نصف صاع کے اعتبار سے کتنے فقراء پر تقسیم کیا جا سکتا ہے ان کی تعداد کے مطابق روزے رکھے یعنی ہر نصف صاع کے عوض ایک روزہ رکھے۔

شکار کے احکام

يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ قُلْ اُحِلَّ	لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا جانور ان کیلئے

لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۙ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ ۫ فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ

(سورۃ المائدہ آیت ۴)

حلال کیے گئے ہیں آپ فرما دیجئے کہ تمہارے لیے کل حلال جانور حلال رکھے ہیں اور جن شکاری جانوروں کو تم تعلیم دو اور تم ان کو چھوڑ بھی اور ان کو اس طریقہ سے تعلیم دو جو تم کو اللہ (تعالیٰ) نے تعلیم دیا ہے۔ تو ایسے شکاری جانور جس شکار کو تمہارے لیے پکڑیں اس کو کھاؤ اور اس پر اللہ کا نام بھی لیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہا کرو بیشک اللہ تعالیٰ جلدی حساب لینے والے ہیں۔

پاکیزہ اور ستھری چیزیں حلال ہیں

لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حلال جانوروں کے متعلق سوال کرتے تھے کہ کون سے جانور حلال ہیں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرمایا کہ قُل اُحل لکم الطیبٰت آپ فرما دیجئے کہ تمہارے لئے سب حلال جانوروں کو حلال رکھا گیا ہے۔ **طیبٰت** سے مراد وہ چیزیں ہیں جو خراب اور ناپاک قسم کی نہ ہوں بلکہ شرعی طریقے پر ذبح کئے ہوئے حلال جانور اور وہ اشیاء جنہیں طبائع سلیمہ پسند کریں اور ان سے نفرت نہ کریں **طیبٰت** سے مراد وہ چیزیں بھی ہو سکتی ہیں جنہیں کتاب وسنّت اور اجماع وقیاس سے حرام نہیں کیا گیا۔

سکھلائے ہوئے شکاری جانوروں کے شکار کی حلت

سکھلائے ہوئے شکاری جانوروں کا شکار کیا ہوا جانور حلال ہے ارشادِ باری تعالیٰ ہے وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ یہاں آیت کا خطاب مسلمانوں کو ہے لہٰذا اگر غیر مسلم، مجوسی، بت پرست شکاری جانور چھوڑے تو شکار حلال نہیں۔ جوارح سے مراد شکار کرنے والے جانور ہیں خواہ درندے ہوں یا پرندے جیسے کتا، چیتا عقاب، شکرہ، باز، شاہین وغیرہ یعنی جن کی کچلیاں اور پنجے ہوتے ہیں امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا یہی قول ہے اور ایک روایت کے مطابق امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک بھی جوارح کا یہی مطلب ہے کشاف اور بیضاوی میں بھی یہی لکھا ہے۔

شکار کے حلال ہونے کے لئے زخمی ہونا شرط ہے

شکار کے حلال ہونے کیلئے اسکا زخمی ہونا شرط ہے جیسا کہ لفظ من الجوارح سے معلوم ہوتا ہے تفسیر مدارک میں ہے کہ جوارح جراحت سے مشتق ہے لہٰذا شکار کے حلال ہونے کیلئے اسکا زخمی ہونا ضروری ہے ۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا یہی مذہب ہے جیسا کہ صاحب ھدایہ نے لکھا ہے ۔

اپنے ارادہ سے کتے یا باز کو شکار کے پیچھے چھوڑنا

کتے اور باز کے کئے ہوئے شکار کے حلال ہونے کیلئے شرط ہے کہ انکو شکار کے ارادے سے شکار کے پیچھے چھوڑا جائے اور یہ نہ ہو کہ وہ خودبخود کسی شکار کے پیچھے دوڑ کر اسکو شکار کر لیں جیسا کہ مذکورہ آیت میں لفظ مکلبین اسپر شاہد ہے یہ لفظ دراصل تکلیب سے مشتق ہے جسکے اصل معنی کتوں کو سکھلانے کے ہیں پھر عام شکاری جانوروں کو سکھلانے کیلئے شکار پر چھوڑنے کے معنی میں بھی استعمال ہونے لگا ۔ صاحب جلالیں اس جگہ مکلبین کی تفسیر ارسال سے کرتے ہیں جس کے معنی ہیں شکار پر چھوڑنا اور تفسیر قرطبی میں بھی یہی نقل کیا گیا ہے ۔

سکھلائے ہوئے ہونے کی شناخت

کتے اور باز کے سکھلانے اور سدھانے کا یہ اصول ہے کہ جب تم کتے کو شکار پر چھوڑو تو وہ شکار کو پکڑ کر تمہارے پاس لے آئے یا روکے رکھے خود اسکو نہ کھانے لگے جیسا کہ قرآن کریم کی آیت فکلوا مما امسکن علیکم سے ثابت ہے اور باز کیلئے یہ اصول ہے کہ جب تم اسکو واپس بلاؤ تو وہ فوراً آجائے اگرچہ وہ شکار کے پیچھے جا رہا ہو جب یہ شکاری جانور ایسے سدھ جائیں تو اس سے ثابت ہوگا کہ وہ جو شکار کرتے ہیں تمہارے لئے کرتے ہیں، اپنے لئے نہیں کرتے اب ان شکاری جانوروں کا شکار تمہارا شکار سمجھا جائیگا اور اگر کسی وقت وہ اس تعلیم کے خلاف کریں مثلاً کتا خود شکار کو کھانے لگے یا باز تمہارے بلانے پر واپس نہ آئے تو یہ شکار تمہارا نہیں رہا اس لئے اسکا کھانا جائز نہیں ۔

شکار کو بسم اللہ پڑھ کر چھوڑنا شرط ہے

شکار کے بغیر ذبح کے حلال ہونے کیلئے چوتھی شرط یہ ہے کہ جب شکاری کتے یا باز کو شکار پر چھوڑو تو بسم اللہ کہکر چھوڑو ارشاد باری تعالٰی ہے واذکر سم اللہ علیہ جب یہ چاروں شرطیں پوری ہوں گی تو اگر جانور تمہارے پاس آنے تک دم توڑ چکا ہو تب بھی حلال ہے ذبح کرنے کی ضرورت نہیں ورنہ بغیر ذبح کئے تمہارے لئے حلال نہیں۔

محرم کیلئے خشکی کا شکار حرام اور بحری شکار حلال ہے

اُحِلَّ لَکُمْ صَیْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّکُمْ وَلِلسَّیَّارَةِ وَحُرِّمَ عَلَیْکُمْ صَیْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ۔

(سورۃ المائدہ آیت نمبر ۹۶)

تمہارے لئے دریا کا شکار پکڑنا اور اس کا کھانا حلال کیا گیا تمہارے انتفاع کے واسطے اور مسافروں کے واسطے اور خشکی کا شکار پکڑنا تمہارے لئے حرام کیا گیا ہے جب تک تم حالت احرام میں رہو اللہ تعالٰی سے ڈرو جس کے پاس جمع کئے جاؤ گے۔

بحری شکار جائز ہے

بحری شکار وہ ہوتا ہے جو پانی کے بغیر زندہ نہ رہ سکے پھر بحری شکار کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) ایک وہ شکار جو کھایا جاتا ہے دوسرا وہ جو کھایا نہیں جاتا، تمام شکار جائز ہیں، ماکول اللحم کو تو دیگر فوائد کے علاوہ کھانا بھی جائز ہے جبکہ غیر ماکول کو کھانے کے سوا اس کے تمام اجزاء سے نفع حاصل کرنا جائز ہے۔ احل لکم صید البحر وطعامه متاعا لکم وللسیارہ۔

حالت احرام میں برّی جانوروں کا شکار حرام ہے

برّی شکار سے مراد وہ جانور ہیں جن کی پیدائش اور پلنا خشکی میں ہو، مگر بعض جانور جن کی پیدائش تو خشکی میں ہوتی ہے مگر بعض اوقات پانی میں زندگی گذارتے ہیں جیسے بطخ حالت احرام میں ایسے جانوروں کا شکار کرنا حرام ہے اور احرام کھولنے کے بعد ان کا شکار کرنا حلال ہو جاتا ہے۔ ارشاد باری تعالٰی ہے: وحرم علیکم صید

البِرِّ مادتو حرمًا۔

حج وعمرہ کا پورا کرنا اوران کی ادائیگی سے مانع کا موجود ہونا۔

وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖٓ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ۔ (سورۃ البقرۃ آیت ۱۹۶)

اور حج اور عمرہ کو اللہ تعالیٰ کے واسطے پورا پورا ادا کرو پھر اگر روک دیئے جاؤ تو قربانی کا جانور جو کچھ میسر ہو اور اپنے سروں کو اس وقت تک مت منڈواؤ جب تک کہ قربانی اپنے موقع پر نہ پہنچ جائے۔ البتہ اگر کوئی تم میں سے بیمار ہو یا اس کے سر میں کچھ تکلیف ہو تو فدیہ دے دے، روزہ سے یا خیرات دینے سے یا ذبح کر دینے سے۔

خلاصہ: مذکورہ آیت حج اور عمرہ کے اتمام اوران سے رک جانے کے بارے میں ہے حج اور عمرہ کے اتمام کا حکم واتموا الحج والعمرۃ للہ میں ہے اللہ تبارک وتعالیٰ نے حج وعمرہ کے پورا کرنے یعنی بتمام وکمال ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔

عمرہ کا رکن اس کی شرط وجوب حج اور سنیت عمرہ کی توجیہ،

سوال: سوال ہوتا ہے کہ احناف کے نزدیک حج فرض اور عمرہ سنت ہے لہٰذا اَتِمُّوا کا اطلاق درست نہیں کیونکہ امر اگر وجوب کیلئے ہے تو پھر حج کی طرح عمرہ بھی واجب ہونا چاہیئے جیسا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ کا مسلک ہے۔ اور اگر امر استحباب کیلئے ہے تو پھر حج بھی عمرہ کی طرح سنت ہونی چاہیئے اور یہ بات تو تمام مذاہب کے خلاف ہے۔

جواب: پہلا جواب تو یہ ہے کہ امر استحباب کیلئے ہے حج اور عمرہ ابتدائے اسلام میں دونوں مستحب تھے پھر حج قرآن کریم کی دوسری آیت وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا سے فرض ہوگیا اور عمرہ اپنے حال پر رہا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ زاھدی اور مدارک میں ہے کہ اَتِمُّوا یہاں وجوب ہی کے لئے ہے۔ مطلب یہ

ہے کہ شروع کرنے کے بعد دونوں کو پورا کرو اور اس میں کوئی شک نہیں کہ نہ صرف عمرہ بلکہ تمام نوافل کا شروع کرنے کے بعد پورا کرنا واجب ہے۔

حج کے موانع کا بیان

حج یا عمرہ کا احرام باندھنے کے بعد کوئی شخص کسی مانع یا عارض کے پیش آنے کے سبب حج یا عمرہ نہ کرسکے تو اس کو احصار کہتے ہیں حکم احصار کی مشروعیت کا واقعہ اس طرح پیش آیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین عمرہ کا احرام باندھ کر مقام حدیبیہ پر پہنچے تو کفارِ مکہ نے مکہ مکرمہ میں داخل ہونے اور عمرہ ادا کرنے سے روک دیا جس پر یہ حکم نازل ہوا۔ فان احصرتم فما استیسر من الھدی: یعنی اگر تم حج اور عمرہ کی ابتداء کردو اور گھر سے احرام باندھ کر چل پڑو پھر کسی سبب مثلاً بیماری، خوفِ دشمن وغیرہ سے رک دیے جاؤ اور احرام کھولنا چاہو تو تم پر ایک جانور کی قربانی لازم ہے جو تمہیں آسانی سے میسر ہو اونٹ، گائے، بکری وغیرہ۔

احصار کے سبب میں فقہاء کرام کا اختلاف

احناف کے نزدیک احصار کا سبب عام ہے خواہ مرض ہو، خواہ دشمن کا خوف یا ان کے علاوہ کوئی اور سبب ہو جبکہ امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ کے نزدیک احصار کا سبب صرف خوفِ دشمن ہو سکتا ہے۔
شوافع کی دلیل ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول ہے لاحصر الاحصر العدو یعنی دشمن کے روکنے سوا اور کوئی رکاوٹ نہیں۔ احناف کی دلیل نبی علیہ الصلوۃ والسلام کا فرمانِ مبارک ہے کہ جس کی ہڈی وغیرہ ٹوٹ جائے یا وہ لنگڑا ہو جائے تو احرام کھولدے اور اس پر آئندہ سال حج فرض ہوگا۔

محصر کی ھدی کا مذبح حرم ہے

هُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْهَدْيَ مَعْكُوفًا أَنْ يَبْلُغَ مَحِلَّهُ۔ (سورۃ الفتح آیت ۲۵)	وہ لوگ ہیں جنہوں نے کفر کیا اور تم کو مسجد حرام سے روکا اور (نیز) قربانی کے جانور کو جو رُکا ہوا رہ گیا اس کو موقع پر پہنچنے سے روکا۔

آیت مذکورہ سے معلوم ہوتا ہے کہ محصر عن الحج والعمرۃ یعنی جس کو احرام باندھنے کے بعد کسی وجہ سے

دخولِ مکہ سے روکدیا گیا ہو اس پر بالاتفاق یہ تو لازم ہے کہ قربانی کرکے احرام سے حلال ہو لیکن اس بات میں اختلاف ہے کہ یہ قربانی اسی جگہ ہو سکتی ہے جہاں وہ روکدیا گیا ہے یا دوسری قربانیوں کی طرح اس کے لئے بھی حدودِ حرم کے اندر ہونا شرط ہے۔ احناف کے نزدیک اس کے لئے بھی حدودِ حرم شرط ہے۔ حنفیہ کی دلیل یہی آیت ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے قربانی کے لئے ایک خاص محل قرار دیا ہے جس سے کفار نے مسلمانوں کو روک دیا تھا۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ اس قربانی کے لئے بھی دوسری قربانیوں کی طرح حدودِ حرم میں ہونا شرط ہے۔

محصر کے لئے احرام کھولنا اس وقت تک جائز نہیں جبتک کہ اس کی قربانی اپنے موقع پر پہنچ کر ذبح نہ ہو جائے

چونکہ احرام سر منڈوانے کے بعد کھل جاتا ہے اس لئے فرمایا ولا تحلقوا رؤسکم حتّٰی یبلغ الھدی محلہ اور اپنے سروں کو اس وقت تک مت منڈواؤ جب تک قربانی اپنے موقع پر نہ پہنچ جائے۔ یہاں سر منڈوانا احرام کھولنے سے کنایہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ احصار کی صورت میں اس وقت تک احرام سے باہر نہ آؤ جب تک ھدی اپنے حلال ہونے کی جگہ نہ پہنچ جائے یعنی جبتک یہ یقین نہ کرلو کہ بھیجا ہوا جانور اپنے مذبح منیٰ تک پہنچ چکا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ حرم، تمام کا تمام ہدی کا محل ہے کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا فرمان ہے: ثم محلھا الی البیت العتیق

حالت احرام میں کوئی بال منڈوانے پر مجبور ہو جائے تو فدیہ دے

اگر کوئی شخص حالتِ احرام میں بیمار ہو جائے اور اسے جلدی سر منڈانے کی ضرورت ہو یا اس کے سر میں کوئی تکلیف زخم یا جوئیں وغیرہ ہوں تو اس کیلئے یہ ضروری نہیں کہ وہ منیٰ میں پہنچنے تک سر منڈوانے سے باز رہے بلکہ اسے ضرورت کے پیشِ نظر اسی وقت سر منڈوانے کی رخصت ہے مگر اس کو سر منڈوانے کے عوض فدیہ دینا ہوگا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فمن کان منکم مریضًا اوبہ اذی من رأسہٖ ففدیۃ من صیام او صدقۃ او نسک

فدیہ چونکہ مجمل تھا اور اس کے بیان کی ضرورت تھی لہٰذا اسے من صیام او صدقۃ او نسک سے بیان کردیا اور کعب بن عجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے ثابت ہے کہ روزے تین ہیں اور صدقہ چھ مساکین کو تین صاع کھانا دینا ہے اور نسک ایک بکری ذبح کرنا ہے

دوسری آیت کا شانِ نزول

بغوی نے لکھا ہے کہ آیت کا شانِ نزول حطم کے متعلق ہوا تھا جس کا نام شریح بن صبیعہ بکری تھا یہ مدینہ منورہ میں آیا اور اپنے سواروں کو پیچھے چھوڑ کر تنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ آپ لوگوں کو کس بات کی طرف بلاتے ہیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں دعوت دیتا ہوں لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کے اقرار کی، نماز پابندی سے ادا کرنے کی اور زکوٰۃ دینے کی، وہ کہنے لگا بہتر ہے، مگر میرے ساتھ کچھ سردار اور بھی ہیں جن کی رائے کے بغیر میں کسی کام کو طے نہیں کر سکتا امید ہے کہ میں مسلمان ہو جاؤں گا اور ان کو ساتھ لے کر آؤں گا۔ شریح کے آنے سے پہلے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما چکے تھے کہ تمہارے پاس قبیلہ ربیعہ کا ایک شخص آئیگا جو شیطان کی زبان سے کلام کرے گا غرض شریح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے نکل کر چلا گیا، آپنے فرمایا کہ کافر منہ لے کر آیا تھا اور عہد شکن پشت کے ساتھ چلا گیا، شریح مدینہ سے نکل کر جنگل میں مدینہ والوں کے اونٹوں کی طرف سے گذرا اور گلہ کو ھنکا کرلے گیا، لوگوں نے اس کا پیچھا کیا مگر گرفتار نہ کر سکے، پھر جب دوسرا سال ہوا تو یہ بنی بکر کے حاجیوں کے ساتھ حج کرنے کے لئے یمامہ سے روانہ ہوا اس وقت اس کے ساتھ بڑا تجارتی مال بھی تھا اور اونٹوں کی گردنوں میں اس نے قلادہ بھی ڈال رکھا تھا مسلمانوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ حضور! یہ حطم حج کیلئے نکلا ہے، آپ ہم کو اجازت دے دیجئے کہ ہم اس سے نمٹیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس نے تو قربانی کے جانوروں کے گلے میں قلادے ڈال رکھے ہیں۔

مسلمانوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ حرکت تو ہم زمانۂ جاہلیت میں کیا کرتے تھے، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دینے سے انکار کر دیا، اس پر اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

شعائر اللہ کی حرمت اور ھدی و قلائد وغیرہ کے احکام

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰہِ وَلَا الشَّھْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْھَدْیَ وَلَا الْقَلَآئِدَ الخ

(سورۃ المائدہ، آیت ۲)

اے ایمان والو بے حرمتی نہ کرو خدا تعالیٰ کی نشانیوں کی اور نہ حرمت والے مہینوں کی نہ حرم میں قربانی ہونے والے جانوروں کی اور نہ ان جانوروں کی جن کے گلے میں پٹے پڑے ہوئے ہوں۔

شعائر اللہ کی حرمت

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت مجاھد رحمۃ اللہ کے فرمان کے مطابق شعائر اللہ سے مراد احکام حج

ہیں مثلاً کعبۃ اللہ کا طواف صفا و مروہ کے درمیان سعی وقوف عرفہ وقوف مزدلفہ، رمی الجمار، احرام، طواف، حلق قربانی وغیرہ وغیرہ ہیں۔ شعائر اللہ کو حلال قرار دینے سے مُراد ان کی توہین کرنا ہے اور حاجیوں کے افعال میں رکاوٹ پیدا پیدا کرنا ہے مشرکین حج کرتے اور قربانی کرتے اور قربانی کے جانور کعبہ کو بھیجا کرتے تھے مسلمانوں نے ان کو لوٹنا چاہا تو اس کی ممانعت میں یہ آیت نازل ہوئی۔

حُرمت والے مہینوں کا احترام

حُرمت والے چار مہینے ہیں (رجب، ذیقعدہ، ذی الحجہ اور محرم) یہ اسلام سے پہلے ماہ حرام کہلاتے تھے ان میں امن عامہ ہو جاتا تھا، لڑائیاں بند ہو جاتی تھیں جب لوگ تین ماہ یعنی ذیقعدہ، ذی الحجہ اور محرّم میں مسلسل امن سے تنگ آجاتے تو شیخ مجاز سے درخواست کرتے کہ ماہ محرّم کو اس سال حلال کر دیا جائے اور محرّم کے بجائے صفر کو حرام بنا دیا جائے، اس پر قبائل عرب کا سردار عکاظ کے میلہ میں اس تبدیل حُرمت و حلّت کا اعلان کر دیتا تھا۔ اسی کو نسی کہتے تھے اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس تبدیلی کی ممانعت فرمادی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ ولا الشھر الحرام یعنی حرمت والے مہینے کی بے حُرمتی نہ کرو۔

قربانی کے جانوروں سے تعارض کی ممانعت

اور نہ قربانی کے ان جانوروں کی مزاحمت کو حلال سمجھو جو کعبۃ اللہ کو قربانی کے لئے بھیجا گیا ہو جیسا کہ ولا الھدی سے معلوم ہوتا ہے۔ قربانی کے جانور اُونٹ، گائے، بکری تھے۔

قلادہ پہنے ہوئے قربانی کے جانوروں سے تعرض کی ممانعت

قلائد قلادۃ کی جمع ہے ہار یا وہ چیزیں جو ہار کی طرح استعمال کی جائیں۔ ہدی کے گلے میں جوتی یا کسی درخت کی چھال لٹکا دی جاتی تھی تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہ جانور کعبہ کو جا رہا ہے۔ اور کوئی اس سے تعرض نہ کرے۔

بیتُ اللہ کی زیارت کے ارادہ سے جانے والوں کی مزاحمت کی ممانعت

اللہ تبارک و تعالیٰ نے کعبۃ اللہ کی زیارت کے لئے جانے والوں سے مزاحمت یعنی ان کو قتل کرنے یا لوٹنے سے منع فرمایا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے ولا آمین البیت الحرام اور نہ ان لوگوں کی بے حرمتی کرو جو بیت الحرام کے

قصد سے جارہے ہوں۔

تجارت کے لئے کعبہ جانے والوں کے قتل کی ممانعت،

جو لوگ حج یا تجارت کرنے کے لئے بیت حرام کو جارہے ہوں ان کو قتل کرنا منع ہے جس کا ثبوت قرآن مجید کی آیت یبتغون فضلا من ربھم و رضوانا سے ہے یعنی جو اپنے رب کے فضل اور رضامندی کے طالب ہوں، رب کا دنیاوی فضل تو تجارتی رزق ہے اور اخروی فضل ثواب ہے مطلب یہ ہوا کہ حج یا تجارت کیلئے بیت اللہ کا سفر کرنے والوں کو قتل کرنا منع ہے۔

احرام سے فراغت کے بعد شکار کرنا حلال ہے

حالتِ احرام میں شکار کرنا حرام تھا لہٰذا حالتِ احرام کے ختم ہونے کے بعد شکار کرنا حلال ہو جائیگا۔ واذا حللتم فاصطادوا اور جب وقت تم احرام سے باہر آجاؤ تو شکار کیا کرو۔

آیت کے اس حصہ کا تعلق غیر محلی الصید وانتم حرم کے ساتھ ہے یعنی ہم نے تم پر حالتِ احرام میں شکار کرنے کو حرام قرار دیا ہے پس جب تم احرام سے باہر آجاؤ تو شکار کی اجازت ہے۔ یہاں فاصطادوا کا امر اباحت کیلئے ہے جیساکہ اصولِ فقہ کا قانون ہے کہ جب امر حضر کے بعد واقع ہو تو اکثر و بیشتر اباحت کیلئے ہوتا ہے کبھی وجوب کیلئے بھی استعمال ہوتا ہے۔

ھدی اور قلائد کی مشروعیت،

جَعَلَ اللّٰہُ الْکَعْبَۃَ الْبَیْتَ الْحَرَامَ قِیٰمًا لِّلنَّاسِ وَالشَّھْرَ الْحَرَامَ وَالْھَدْیَ وَالْقَلَآئِدَ ذٰلِکَ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ یَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَاَنَّ اللّٰہَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ۝

(سورۃ المائدہ آیت ۹۷)

خدا نے کعبہ کو جو کہ ادب کا مکان ہے لوگوں کے قائم رہنے کا سبب قرار دیا ہے اور عزت والے مہینے کو بھی اور حرم میں قربانی ہونے والے جانور کو بھی اور ان جانوروں کو بھی جن کے گلے میں پٹے ہوں یہ اس لئے تاکہ تم اس بات کا یقین کرلو کہ بیشک اللہ تعالیٰ تمام آسمانوں اور زمین کے اندر کی چیزوں کا علم رکھتے ہیں اور بیشک اللہ تعالیٰ سب چیزوں کو خوب جانتے ہیں

آیت میں اشہر حرام ھدی اور قلائد جو کہ شعائر اللہ میں سے ہیں کی حرمت کی تفصیل سابقہ سورۃ المائدہ کی آیت ۲ کے تحت گذر چکی ہیں۔

ہدی کا عیب سے سالم ہونا واجب ہے۔

ذٰلِكَ وَمَنْ يُعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ وَاُحِلَّتْ لَكُمُ الْاَنْعَامُ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ ذٰلِكَ وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ مَحِلُّهَآ اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ۔

سورۃ الحج آیت نمبر ۳۰ تا ۳۳

یہ بات تو ہو چکی اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے محترم احکامات کی وقعت کریگا سو یہ اس کے حق میں اسکے رب کے نزدیک بہتر ہے اور ان مخصوص چوپایوں کو باستثناء ان کے جو تمکو پڑھ کر سنا دیئے گئے ہیں تمہارے لئے حلال کر دیا گیا پس تم لوگ گندگی یعنی بتوں سے کنارہ کش رہو اور جھوٹی بات سے کنارہ کش رہو، اس طور سے کہ اللہ ہی کیطرف جھکے رہو اس کے ساتھ شریک مت ٹھہراؤ اور جو شخص اللہ کے ساتھ شریک کرتا ہے تو گویا وہ آسمان سے گر پڑا پھر پرندوں نے اسکی بوٹیاں نوچ لیں یا اسکو ہوا نے کسی دور دراز جگہ لے جا پٹکا یہ بات ہو چکی جو شخص دین خداوندی کی ان یادگاروں کا پورا لحاظ رکھے گا تو ان کا یہ لحاظ رکھنا دل کے ساتھ ڈرنے سے ہوتا ہے تمکو ان سے ایک معین وقت تک فوائد حاصل کرنا جائز ہے پھر ان کے ذبح حلال ہونے کا موقع بیت عتیق کے قریب ہے۔

حرمات اللہ کی تعظیم

حرمات اللہ سے مراد اللہ تعالیٰ کی محترم اور معزز بنائی ہوئی چیزیں ہیں یعنی احکام شرعیہ ہیں۔ انکی تعظیم یعنی انکا علم حاصل کرنا اور اس پر عمل کرنا سرمایہ سعادت دنیا و آخرت ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ ومن یعظم حرمت اللہ فھو خیر

لہ عند ربہ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے محترم احکام کی وقعت کرے گا سو یہ اسکے حق میں اسکے رب کے نزدیک بہتر ہے

بُت پرستی سے اجتناب

بت پرستی سے پرہیز ضروری ہے۔ اس لئے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن مجید میں بتوں کو رجس قرار دیا ہے فاجتنبوا الرجس من الاوثان رجس کے معنی ناپاکی ہے اور اوثان، وثن کی جمع ہے جس کے معنی بت کے ہیں بتوں کو نجاست اسلئے کہا گیا ہے کہ وہ انسان کے باطن کو شرک کی نجاست سے بھر دیتے ہیں۔

جھُوٹ سے اِجتناب

حق کے خلاف جو کچھ ہوتا ہے وہ باطل اور جھوٹ میں داخل ہے خواہ شرک اور کفر ہوں یا معاملات اور شہادت میں جھوٹ بولنا ہو ارشادِ باری تعالیٰ ہے **واجتنبو قول الزور** قول زور سے مراد جھوٹ ہے مطلب یہ ہے کہ جھوٹی بات سے کنارہ کش رہو اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب کبیرہ گناہوں میں سب سے بڑے کبیرہ گناہ یہ ہیں (۱) اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھیرانا اور والدین کی نافرمانی کرنا، جھوٹی گواہی دینا، عام باتوں میں جھوٹ بولنا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری چیز "قول الزور" کو بار بار فرمایا۔

شعائر اللہ کی تعظیم دِل کے تقویٰ کی علامت ہے

شعائر شعیرۃ کی جمع ہے جس کے معنی علامت کے ہیں جو چیزیں کسی خاص مذہب یا جماعت کی علامت سمجھی جاتی ہوں وہ اس کے شعائر کہلاتی ہیں شعائر اسلام ان خاص احکام کا نام ہے جو عرف میں مسلمان ہونے کی علامت سمجھے جاتے ہیں۔ حج کے اکثر احکام ایسے ہی ہیں ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ وَمَنْ یُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ یعنی جو شخص دین خداوندی کی ان یادگاروں کا پورا لحاظ رکھے گا تو ان کا یہ لحاظ رکھنا دل کے ساتھ ڈرنے سے ہوتا ہے۔ آیت کریمہ سے ایک بات یہ معلوم ہوئی کہ شعائر اللہ کی تعظیم دل کے تقویٰ کی علامت ہے جیسا کہ آیت کا جملہ مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْب اس پر شاہد ہے یعنی انکی تعظیم وہی کرتا ہے جسکے دِل میں تقویٰ اور خوفِ خدا ہوتا ہے معلوم ہوا کہ تقویٰ کا تعلق اصل میں انسان کے دل سے ہے۔ اسمیں خوفِ خدا ہوتا ہے تو اسکا اثر سب اعمال و افعال میں دیکھا جاتا ہے۔

قربانی کے جانوروں سے نفع حاصل کرنے کی مذمّت

چوپائے جانوروں سے دودھ، سواری، بار برداری ہر قسم کے منافع حاصل کرنا سوقت تک حلال ہیں جب تک ان کو حرم مکہ میں ذبح کرنے کیلئے نامزد کر کے ھدی نہ بنالیا ہو، نامزد کر کے ھدی بنانے کے بعد نفع حاصل کرنا جائز نہیں فرمانِ باری تعالیٰ ہے۔ لکم فیھا منافع الی اجل مسمی تم کو ان سے ایک معین وقت تک فوائد حاصل کرنا جائز ہے ھدی اسی جانور کو کہا جاتا ہے جسکو حج یا عمرہ کرنے والا اس نیت سے اپنے ساتھ لے جاتے کہ اسکو حرم شریف میں ذبح کیا جائیگا۔

بحالتِ مجبوری ھدی پر سوار ہونا جائز ہے!

جب اسکو ھدی حرم کیلئے نامزد اور مقرر کر دیا تو پھر اس سے کسی قسم کا نفع حاصل کرنا جائز نہیں مگر بحالتِ مجبوری جائز ہے مثلاً اونٹ کو ھدی بناکر ساتھ لیا اور خود پیدل چل رہا ہے اور اس کے پاس سواری کیلئے کوئی دوسرا جانور موجود نہیں اور پیدل چلنا اس کیلئے مشکل ہو جائے تو ایسی مجبوری اور ضرورت کی بناہ پر ھدی پر سوار ہونا جائز ہے۔

محلِ ذبح حرم ہے

ھدی کا حرم میں ذبح کرنا ضروری ہے حرم سے باہر جائز نہیں ثم محلھا الی البیت العتیق پھر ان کے ذبح حلال ہونے کا موقع بیت عتیق کے قریب ہے۔ یہاں بیت عتیق سے مراد پورا حرم شریف ہے جو درحقیقت بیت اللہ ہی کا حریم خاص ہے جیسے سابقہ آیات میں مسجد حرام کے لفظ سے پورا حرم مراد لیا گیا ہے۔ یہاں بیت عتیق کے لفظ سے بھی پورا حرم مراد ہے اور محلھا میں محل کے معنی موضع حلول اجل کے ہیں یعنی ذبح کرنے کی جگہ مطلب یہ ہے کہ ھدی کے جانوروں کے ذبح کرنے کی جگہ بیت عتیق کے پاس ہے اور اس سے مراد پورا حرم ہے جو بیت عتیق ہی کے حکم میں ہے معلوم ہوا کہ ھدی کا حرم کے اندر ذبح کرنا ضروری ہے حرم سے باہر جائز نہیں پھر حرم عام ہے خواہ منحر منٰی ہو یا مکہ مکرمہ کی کوئی اور جگہ ہو

احکامِ قربانی

اور قربانی کے اُونٹ اور گائے (اور اسی طرح بھیڑ اور بکری	وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ

لَكُمْ فِيهَا خَيْرٌ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهَا صَوَافَّ فَإِذَا وَجَبَتْ جُنُوبُهَا فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ كَذَٰلِكَ سَخَّرْنَاهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ لَنْ يَنَالَ اللَّهَ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلَٰكِنْ يَنَالُهُ التَّقْوَىٰ مِنْكُمْ كَذَٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدَاكُمْ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِينَ

(سورۃ الحج آیت نمبر ۳٦ و نمبر ۳۷)

کو بھی ہم نے اللہ کے دین کی یادگار بنایا ہے ان جانوروں میں تمہارے (اور بھی) فائدے ہیں سو تم ان پر کھڑے ہو کر (ذبح کرنے کے وقت) اللہ کا نام لیا کرو پس جب وہ (کسی) کروٹ کے بل گر پڑیں (اور ٹھنڈے ہو جائیں) تو تم خود بھی کھاؤ اور بے سوالی اور سوالی (محتاج) کو بھی کھانے کو دو (اور ہم) نے ان جانوروں کو اسطرح تمہارے زیر حکم کر دیا تاکہ تم (اس پر اللہ تعالیٰ) کا شکر کرو اللہ کے پاس نہ اُن کا گوشت پہنچتا ہے اور نہ ان کا خون لیکن اسکے پاس تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ان جانوروں کو تمہارے زیر حکم کر دیا تاکہ تم (اللہ کی راہ میں انکو قربانی کر کے) اس بات پر اللہ کی بڑائی (بیان) کرو اس نے تم کو (اسطرح قربانی کرنے کی) توفیق دی۔ اور (اے محمد ﷺ) اخلاص والوں کو خوشخبری سنا دیجئے۔

احکامِ قربانی // اُونٹ کی قربانی کا طریقہ

پہلے یہ بیان ہو چکا ہے کہ شعائر ان خاص عبادات کا نام ہے جو دین اسلام کی علامات سمجھی جاتی ہیں قربانی بھی ان ہی میں سے ہے ایسے احکام کی پابندی زیادہ اہم ہے۔ اونٹ کی قربانی کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ اسکو کھڑے کھڑے نحر کیا جائے اسطرح کہ تین پاؤں پر کھڑا ہو اور ایک پاؤں بندھا ہوا ہو جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ والبدن جعلناها لكم من شعائر الله لكم فيها خير فاذكروا اسم الله عليها صوآف یعنی اور قربانی کے اونٹ اور گائے کو ہم نے اللہ کے دین کی یادگار بنایا ہے۔ ان جانوروں میں تمہارے اور بھی فائدے ہیں سو تم اُن پر کھڑے ہو کر ذبح کرنے کے وقت اللہ کا نام لیا کرو۔ آیت میں صواف بمعنی مصفوف ہے یعنی صف بستہ، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسکی تفسیر یہ بیان کرتے ہیں کہ جانور تین پاؤں پر کھڑا ہو اور ایک ہاتھ بندھا ہوا ہو یہ صورت قربانی کے اونٹ کے ساتھ مخصوص ہے اسکی قربانی کھڑے ہونے صورت میں سُنت ہے۔ باقی جانوروں کو لٹا کر ذبح کرنا سُنت ہے

اونٹ کے سوا باقی جانوروں کی قربانی کا طریقہ

اونٹ کے علاوہ باقی جانوروں کو لٹا کر ذبح کرنا مسنون ہے فاذا وجبت جنوبھا پس جب وہ کسی کروٹ کے بل گر پڑیں یہاں وجبت بمعنی سقطت ہے جیسے وجبت الشمس بمعنی سقطت کا محاورہ مشہور ہے۔ اس سے مراد جانور کی جان کا نکلنا ہے۔

قربانی کے گوشت کا خود کھانا اور صدقہ کرنا

قربانی کے گوشت کا قربانی کرنے والے کیلئے بذاتِ خود بھی کھانا حلال ہے اور مصیبت زدہ محتاج کو کھلانا بھی مستحب ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ فکلو منھا واطعموا القانع والمعتر یعنی جب وہ کسی کروٹ کے بل گر پڑیں تو تم خود بھی کھاؤ اور بے سوالی اور سوالی (محتاج) کو بھی کھلاؤ قانع سے مراد وہ محتاج فقیر ہے جو لوگوں سے سوال نہیں کرتا اپنی عزت اور فقر کے باوجود اپنی جگہ بیٹھ کر جو مل جائے اس پر قناعت کرتا ہے اور معتر جو ایسے مواقع پر جائے جہاں سے کچھ ملنے کی امید ہو خواہ زبان سے سوال کرے یا نہ کرے۔

عبادات میں اللہ کو اخلاص مطلوب ہے

قربانی جو ایک عظیم عبادت ہے اللہ تبارک و تعالیٰ کے پاس اسکا گوشت اور خون نہیں پہنچتا اور نہ ہی وہ قربانی کا مقصود ہے بلکہ اصل مقصود قربانی پر اللہ کا نام لینا اور دلی اخلاص کیساتھ حکم ربی کی بجا آوری ہے۔ قرآن مجید کا ارشاد ہے۔ لن ینال اللہ لحومھا ولا دماءُھا ولکن ینالہ التقویٰ منکم اللہ کے پاس نہ انکا گوشت پہنچتا ہے اور نہ انکا خون، لیکن اس کے پاس تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔ یہی حکم دوسری عبادت کا بھی ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیت اللہ کے حج کی فرضیت کے اعلان کا حکم

وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ یَاْتُوْکَ رِجَالًا وَّعَلٰی کُلِّ ضَامِرٍ یَّاْتِیْنَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ

اور (ابراہیمؑ سے یہ بھی کہا گیا کہ) لوگوں میں حج (کے فرض ہونے) کا اعلان کر دو، لوگ تمہارے پاس (حج کو) چلے آویں گے پیادہ

عَمِيقٍ ۝ لِّيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ فِي أَيَّامٍ مَّعْلُومَاتٍ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُم مِّن بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ ۖ فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْبَائِسَ الْفَقِيرَ ۝ ثُمَّ لْيَقْضُوا تَفَثَهُمْ وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ ۝

(سورۃ الحج آیت ۲۷ تا ۲۹)

بھی اور دُبلی اُونٹنیوں پر بھی جو کہ دُور دراز راستوں سے پہنچی ہوں گی تاکہ اپنے (دینیہ و دُنیویہ) فائدے کے لئے آموجود ہوں اور (اس لئے آدیں گے (تاکہ ایامِ مقررہ یعنی ایامِ قربانی) میں ان مخصوص چوپایوں پر (ذبح کے وقت) اللہ کا نام لیں (یعنی بسم اللہ، اللہ اکبر کہیں) جو اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا کئے ہیں، سوان (قربانی کے جانوروں میں سے تم (کو) بھی (اجازت مع الاستحباب ہے کہ) کھایا کرو اور مستحب یہ ہے کہ) مصیبت زدہ محتاج کو بھی کھلایا کرو۔ پھر لوگوں کو چاہیئے کہ اپنا مَیل کچیل دُور کردیں اور اپنے واجبات کو پُورا کریں اور (ان ہی ایامِ معلومات میں) اس مامون گھر (یعنی خانہ کعبہ) کا طواف کریں۔

حج کی فرضیت کا اعلان

اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ آپ لوگوں میں یہ اعلان کردیجئے کہ تم پر بیت اللہ کا حج فرض کردیا گیا ہے۔ لہٰذا اسکا حج کرو۔ وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ اس جملہ میں ترکیبی اعتبار سے دو احتمال ہیں اگر اس جملہ کا عطف ماقبل جملہ الا تشرک بی شیئًا پر یا وطہر بیتی پر ہو تو اس خطاب کے مخاطب حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ لوگوں میں بیت اللہ کے حج کیلئے اعلان کریں۔ اور اگر اسکا عطف جملہ سابقہ پر نہ کیا جائے بلکہ یہ جملہ مستانفہ ہو تو اس صورت میں اس آیت کا خطاب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوگا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حجۃ الوداع کے موقع پر لوگوں کو بیت اللہ کے حج کیلئے بلانے پکارنے یا دعوت دینے کا حکم ہے۔

حج کے دُنیاوی واُخروی فوائد

فریضہ حج کی ادائیگی میں دنیا وآخرت دونوں کے فائدے حاصل ہوتے ہیں دنیاوی فوائد تو بے شمار مشاہدہ میں آتے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حج وعمرہ کے سفر میں یہ خصوصیت رکھی ہے کہ اس سے کوئی شخص دنیاوی فقر وفاقہ میں مبتلا نہیں ہوتا بلکہ بعض روایات میں ہے کہ حج وعمرہ میں خرچ کرنا افلاس ومحتاجی کو دور کرتا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے لِیَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ یعنی

ان کی یہ حاضری دور دراز سفر طے کر کے اپنے ہی منافع کے لئے ہے۔ حج و عمرہ کے اخروی فوائد میں سے ایک یہ ہے جیساکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے اللہ کیلئے حج کیا اور اسمیں بے حیائی کی باتوں اور گناہوں کے کاموں سے بچتا رہا تو وہ حج سے ایسی حالت میں واپس آئیگا گویا کہ وہ اپنی ماں کے پیٹ سے آج پیدا ہوا ہے۔ یعنی جسطرح پیدائش کے وقت بچہ گناہوں سے معصوم ہوتا ہے یہ بھی ایسا ہی ہو جائیگا۔ (۲) بیت اللہ میں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے برابر ملتا ہے۔ (۳) نماز جیسی اہم عبادت میں سمت کا تعین اور توجہ الی اللہ بیت اللہ کے ذریعہ ہوتی ہے وغیرہ وغیرہ۔

قربانی کے وقت اللہ کو یاد کرنا

قربانی کا اصل مقصد تو اللہ تبارک وتعالیٰ کا ذکر ہے یعنی قربانی کے گوشت اور اس سے حاصل ہونے والے فوائد پر نظر نہیں ہونی چاہیئے بلکہ اصل چیز تو اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے جو ان دنوں میں قربانی کرنے کے وقت جانوروں پر کیا جاتا ہے۔ جو روح عبادت ہے قربانی کا گوشت اُن کیلئے حلال کر دیا گیا یہ مزید انعام ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ ویذکروا اسم اللہ فی ایام معلومات علیٰ ما رزقھم من بھیمۃ الانعام اور تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کے نام کا ذکر کریں۔ ایام معلوم میں ان چوپائے جانوروں پر جو اللہ نے انکو عطا فرمائے ہیں۔ ایام معلومات سے مراد وہی دن ہیں جن میں قربانی کرنا جائز ہے یعنی ذوالحجہ کی دسویں، گیارہویں، بارہویں تاریخیں اور ما رزقھم من بھیمۃ الانعام کے الفاظ عام ہیں اسمیں ہر طرح کی قربانی داخل ہے خواہ واجب ہو یا مستحب۔

قربانی کا گوشت کھانا حلال ہے

قربانی کے جانوروں کا گوشت کھانا مباح (جائز) اور حلال ہے واجب نہیں جسکا ثبوت قرآن مجید کی آیت فکلوا منھا واطعموا البائس الفقیر سے ہے سو ان جانوروں میں سے تم بھی کھایا کرو اور مصیبت زدہ محتاج کو بھی کھلایا کرو۔ مکہ معظمہ میں ایام حج میں مختلف قسم کے جانور ذبح کئے جاتے ہیں ایک قسم تو وہ ہے کہ کسی جرم کی سزا کے طور پر جانور کی قربانی واجب ہو جاتی ہے۔ جیسے کسی نے حرم شریف کے اندر شکار مار دیا اسی طرح جو کام حالت احرام میں ممنوع ہیں اگر کسی نے وہ کام کر لیا تو اس پر جانور کا ذبح کرنا لازم ہے اور واجب ہو جاتا ہے جسکو فقہا کی اصطلاح میں دم جنایت کہا جاتا ہے ایسے جانور کا گوشت کھانا خود اس شخص کیلئے بھی جائز نہیں اور دوسرے مالدار شخص کیلئے بھی کھانا جائز نہیں بلکہ یہ صرف فقراء اور مساکین کا حق ہے۔ باقی قربانی

کی دوسری قسمیں خواہ واجب ہوں یا نفلی دم تمتع ہو یا دم قران ان سب کا گوشت قربانی کرنیوالا خود بھی اور اس کے اعزا و احباب بھی خواہ وہ مالدار ہوں کھا سکتے ہیں۔ واطعموا البائس الفقیر میں بائس کے معنی بہت تنگدست مصیبت زدہ اور فقیر کے معنی حاجت مند کے ہیں۔ مطلب یہ ہیکہ قربانی کے گوشت میں سے انکو بھی کھلانا اور دینا مستحب اور مطلوب ہے

قربانی کے بعد ممنوعات احرام کی حلت اور حلق کا بیان

حالت احرام میں بالوں کا مونڈنا، کاٹنا، نوچنا، ناخن تراشنا اور خوشبو لگانا یہ سب چیزیں حرام ہوتی ہیں تو اُن کے نیچے میل کچیل جمع ہو جاتا ہے جو کہ ایک طبعی امر ہے جسکو دُور کرنے کیلئے اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا! ثم لیقضوا تفثھم یعنی جب حج میں قربانی سے فارغ ہو جاؤ تو اس میل کچیل کو دُور کرو مطلب یہ ہیکہ اب احرام کھول ڈالو، سر منڈ والو، ناخن کاٹ لو، زیر ناف بال صاف کر لو وغیرہ وغیرہ

نذر یا مَنّت کا پُورا کرنا واجب ہے

نذر (مَنّت) اسکو کہتے ہیں کہ جو کام کسی شخص پر شرعاً لازم یا واجب نہیں تھا اگر وہ شخص زبان سے یہ نذر کر لے اور منت مان لے کہ میں یہ کام کروں گا یا اللہ کیلئے مجھ پر لازم ہے کہ فلاں کام کروں تو یہ نذر ہو جاتی ہے جسکا حکم یہ ہے کہ اسکا پورا کرنا واجب ہو جاتا ہے اگرچہ اصل میں واجب نہیں تھا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے ولیوفوا نذورھم اپنے واجبات کو پورا کریں۔ ہاں اتنی بات ہے کہ اسکے واجب ہونے کیلئے باتفاق امت یہ شرط ہے کہ وہ شرعاً گناہ اور ناجائز نہ ہو۔ اگر کسی شخص نے گناہ کے کام کی نذر مان لی تو اسپر نذر ماننے سے اس کام کا کرنا لازم نہیں ہو جاتا بلکہ اس کے خلاف کرنا واجب ہے البتہ اسپر کفارہ قسم لازم ہو جائیگا۔
امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک و دیگر فقہائے کرام کے نزدیک یہ بھی شرط ہے کہ وہ کام ایسا نہ ہو جس کی جنس میں کوئی عبادت مقصودہ شرعیہ پائی جاتی ہو جیسے، نماز، روزہ، صدقہ، قربانی وغیرہ کہ انکی جنس میں شرعی واجبات اور عبادات مقصودہ ہیں تو اگر کوئی شخص نفلی نماز، روزہ، صدقہ، قربانی وغیرہ کی نذر مان لے تو وہ نفل اسکے ذمہ واجب ہو جاتی ہے اسکا پورا کرنا اس کے ذمہ واجب ہے آیت مذکورہ سے یہی حکم ثابت ہو رہا ہے کیونکہ آیت میں نذر کے ایفاء یعنی پورا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

طواف زیارت فرض ہے

طواف زیارت فرض ہے جو کہ دس ذی الحجہ کو رمی، جمرہ اور قربانی سے فراغت کے بعد کیا جاتا ہے جسکا ثبوت قرآن مجید کی

ولیطوفوا بالبیت العتیق سے ہے آیت میں طواف سے مراد طواف زیارت ہے جو کہ حج کا دوسرا رکن ہے۔ پہلا رکن وقوف عرفات ہے جو اس سے پہلے ۹ ذی الحجہ کو ادا کیا جاتا ہے طوافِ زیارت پر احرام کے سب احکام مکمل ہو کر پورا احرام کھل جاتا ہے

عمرہ میں حلق شرط ہے

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ لَا تَخَافُوْنَ ط (سورہ الفتح آیت ۲۷)

بیشک اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو سچا خواب دکھلایا جو مطابق واقع کے ہے کہ تم لوگ مسجد حرام (یعنی مکہ) میں انشاءاللہ ضرور جاؤ گے امن و امان کیساتھ کہ تم میں کوئی سر منڈاتا ہوگا اور کوئی بال کترتا ہوگا تم کو کسی طرح کا اندیشہ نہ ہوگا۔

صحیح بخاری شریف میں ہے کہ اگلے سال عمرہ قضاء میں حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک قینچی سے تراشے تھے یہ واقعہ عمرہ قضاء ہی کا ہے کیونکہ حجۃ الوداع میں تو آپ نے حلق فرمایا تھا۔

عید الاضحیٰ کی نماز سے پہلے قربانی منع ہے

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ (سورۃ الحجرات آیت ۱)

اے ایمان والو اللہ اور رسول کی اجازت سے پہلے تم سبقت مت کیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بیشک اللہ تعالیٰ (تمہارے سب اقوال کو) سننے والا (اور تمہارے سب افعال کو) جاننے والا ہے۔

ابن المنذر نے حسن کا بیان نقل کیا ہے کہ قربانی کے دن کچھ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے قربانی کر دی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ دوبارہ قربانی کریں اسپر یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی جسمیں قربانی میں اللہ اور اللہ کے رسول سے سبقت کرنے کی ممانعت ہے۔

تکبیراتِ تشریق و رمی الجمار

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِیْۤ اَیَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ ط فَمَنْ تَعَجَّلَ فِیْ یَوْمَیْنِ فَلَاۤ اِثْمَ عَلَیْهِ وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَاۤ اِثْمَ

اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو کئی روز تک پھر جو شخص دو دن میں تعجیل کرے اسپر بھی کچھ گناہ نہیں اور جو شخص دو دن

عَلَيْهِ لِمَنِ اتَّقٰى ۗ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ○
(سورۃ البقرہ ' ایت نمبر ۲۰۳)

میں تاخیر کرے اس پر گناہ نہیں اس شخص کے واسطے جو ڈرے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور خوب یقین رکھو کہ تم سب کو خدا ہی کے پاس جمع ہونا ہے۔

صاحب تفسیرات احمدیہ کے حوالے کے مطابق صاحب مدارک و دیگر مفسرین نے لکھا ہے کہ ایام معدودات سے مراد ایام تشریق ہیں اور زاھدی میں ہے کہ اس سے مراد یوم نحر اور ایام تشریق ہیں۔ اور ایام معلومات سے مراد ذوالحجہ کے پہلے دس دن ہیں لہٰذا ایام معلومات کا آخری دن ایام معدودات کا پہلا دن ہوگا۔

خلاصہ یہ کہ دونوں ذکر اللہ سے مراد نمازوں اور رمی جمار کے بعد تکبیر کہنا ہے جیسا کہ علماء نے ذکر کیا ہے ہم کہتے ہیں کہ اس سے مراد اگر نماز کے بعد کی تکبیریں ہیں تو یہ یوم عرفہ کی فجر سے لے کر عید کے آخری دن کی عصر تک امام صاحب کے نزدیک اور آخری یوم تشریق کی عصر تک صاحبین کے نزدیک ہر اس آدمی پر واجب ہیں جو باجماعت نماز ادا کرتے ہیں اور اسی پر عمل ہے۔ لہٰذا امر وجوب کیلئے ہوگا اور اگر ذکر اللہ سے مراد رمی جمار کے وقت تکبیر ہے تو یہ اگرچہ واجب ہے لیکن ہر رمی کے ساتھ تکبیر سنّت ہے۔ لہٰذا امر استحباب کے لئے ہوگا۔

حج اور عمرہ کیلئے کافر کا مسجد حرام میں داخل ہونا ناجائز ہے

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ۚ وَاِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖٓ اِنْ شَآءَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ○
(سورۃ التوبۃ آیت ۲۸)

اے ایمان والو! مشرک لوگ نرے ناپاک ہیں۔ سو یہ لوگ اس سال کے بعد مسجد حرام کے پاس نہ آنے پاویں اور اگر تم کو مفلسی کا اندیشہ ہو تو خدا تم کو اپنے فضل سے اگر چاہے گا محتاج نہ رکھے گا۔ بیشک اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے بڑا حکمت والا ہے۔

مشرکین نجس ہیں

مشرکین نجس ہیں اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ: نجس نون اور جیم کے فتح کے ساتھ عین نجاست کو کہتے ہیں۔ معنی یہ ہوئے کہ مشرکین عین نجاست ہیں' اس لیے کہ مشرکین نہ طہارت حاصل کرتے ہیں نہ غسل کرتے ہیں۔

اور نہ ہی نجاسات سے بچتے ہیں گویا کہ وہ نجاسات کے ساتھ مخلوط ہیں۔

حج و عمرہ کیلئے مشرکین کا بیت اللہ میں داخلہ منع ہے!

امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک حج یا عمرہ کی ادائیگی کے لئے تو مسجدِ حرام میں مشرکین کا داخلہ منع ہے، علاوہ ازیں نفس دخول مسجد حرام و دیگر مساجد میں منع نہیں ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: فلا یقربوا المسجد الحرام بعد عامھم ھذا۔ سو یہ لوگ اس سال کے بعد مسجد حرام کے پاس نہ آنے پاویں۔

امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک مطلقاً مشرکین کا مسجد حرام میں داخلہ منع ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک مسجد حرام کی طرح باقی مساجد میں بھی مشرکین کا داخل ہونا منع ہے۔

امامِ اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول کی تائیدِ اوّل،

امامِ اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول کی تائید مابعد جملہ بعد عامھم ھذا سے ہو رہی ہے کیونکہ اگر مطلقاً دخول منع ہوتا تو بعد عام کی قید کے ساتھ مقید کرنا مناسب نہیں ہے اس لئے کہ مطلق دخول تو کسی وقت بھی ہو سکتا ہے۔ بعد عامھم کی تقیید سے معلوم ہوا کہ عدم دخول سے مراد وہ دخول ہے جو ایک سال بعد ہوتا ہے اور ایسا دخول تو حج یا عمرہ کیلئے داخل ہونا ہے۔

امامِ اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول کی تائیدِ ثانی

امامِ اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے قول کی تائید باری تعالیٰ کے اس فرمانِ مبارک سے بھی ہوتی ہے وَاِنْ خفتم عیلۃ فسوف یغنیکم اللہ من فضلہ اور اگر تم کو مفلسی کا اندیشہ ہو تو خدا اگر چاہے گا تو تم کو محتاج نہیں نہیں رکھے گا بلکہ غنی کر دے گا۔ مطلب یہ ہے کہ اگر تم کو اس بات کا اندیشہ ہے کہ کافرین مسجد حرام میں آتے ہیں اور تجارت کرتے ہیں جس سے ہمارا معاش متعلق ہے اگر ہم نے ان کو مسجد حرام میں داخل ہونے سے روک دیا اور تجارت کا عمل فوت ہو گیا تو ہم فقر و احتیاج میں مبتلا ہو جائیں گے تو تم اس کا غم نہ کرو، اللہ تعالیٰ اگر چاہے گا تو تم کو اپنے فضل سے غنی کر دے گا اس معنی کے اعتبار سے مناسب ہے کہ یہاں نہی عن الدخول سے مراد ایامِ حج میں حج یا عمرہ کیلئے مسجد حرام میں داخل ہونے سے منع کرنا ہے۔ مطلق دخول منع نہیں ہے کیونکہ اگر نفس دخول منع ہوتا تو نفس عدم دخول سے تو فقر و احتیاج کا خوف نہیں ہوتا اس لئے کہ یہ بات ممکن ہے کہ شہر مکہ میں تجارت میں مشغول ہوں اور مسجد حرام میں داخل نہ ہوں۔

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ
سو ایسا کیوں نہ کیا جائے کہ ان کی ہر بڑی جماعت میں سے ایک چھوٹی جماعت (جہاد میں) جایا کرے تاکہ (یہ) باقی ماندہ لوگ دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرتے رہیں۔ (القرآن)
کتاب النکاح

کتاب النکاح

نکاح

نِکاح کے متعدد معانی ہیں۔ ملانا، جمع ہونا، مباشرت اور جماع۔ نیز نکاح کا لفظ عقد کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ لُغت کی رُو سے اصل میں اس کے معنی ہیں وطی، مُباشرت اور باہم ملنا، لیکن اس کا اطلاق مجاز مرسل کے طور پر عقد نکاح پر ہوتا ہے کیونکہ یہ مُباشرت کا ذریعہ ہے اس کے شرعی مفہوم کے بارے میں علماء کے تین اقوال ہیں۔

(۱) ایک تو یہ کہ نکاح کے معنی بالکل لغوی معنی کی طرح مباشرت کے اور مجازی معنی عقد نکاح کے ہیں چنانچہ جب یہ لفظ قرآن یا حدیث میں آئے اور کسی اور معنی کا قرینہ نہ ہو تو اس کے معنی وطی (مباشرت) کے ہوتے ہیں۔

دُوسرا قول یہ ہے کہ نکاح کے حقیقی معنی عقد کے ہیں اور مجازی معنی وطی کے ہیں۔

تیسرا قول یہ ہے کہ لفظ "نکاح" عقد اور وطی دونوں معنی میں مُشترک ہے اور یہی قول سب سے زیادہ قوی ہے کیونکہ احکام شرعیہ میں یہ لفظ کبھی تو عقد کے معنی میں آتا ہے اور کبھی وطی کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے بغیر اس کے کہ اس کے اوّل معنی کا ترک کرنا ملحوظ ہو، اس سے یہ ثابت ہُوا کہ لفظ دونوں معنوں میں حقیقی ہے۔ نکاح کے فقہی مفہوم کی تعبیر فقہا نے مختلف عبارتوں میں کی ہے لیکن سب کا مفہوم ایک ہے اور وہ یہ کہ عقد نکاح شارع نے اس لئے رکھا ہے کہ اس سے خود خاوند اپنی بیوی کے تمام جسم سے محظوظ ہو سکے۔ چنانچہ نکاح کے بعد خاوند اس انتفاع کا مالک ہو جاتا ہے اور یہ حق صرف اس کے لئے مخصوص ہوتا ہے، نکاح ایجاب و قبول سے منعقد ہو جاتا ہے جبکہ فریقین ایجاب و قبول میں ماضی کے صیغہ استعمال کریں یا ایک ماضی کا صیغہ استعمال کرے اور دُوسرا مستقبل کا نکاح کے منعقد ہونے کی شرط یہ ہے کہ دُو مسلمان عاقل بالغ اور آزاد گواہوں کی موجودگی میں ہو، یا ایک مسلمان مرد اور دو مسلمان عورتیں گواہ ہوں۔

اُمّ المؤمنین حضرت عائشۃ الصدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بیان کے مطابق زمانہ جاہلیت میں نکاح چار طرح کا تھا، ایک نکاح تو یہی تھا جو لوگ آج کل کرتے ہیں کہ ایک آدمی دوسرے کے پاس اس کی بیٹی کا پیغام بھیجتا تھا اور اسے

بُرے کر بیاہ لاتا تھا۔

دُوسرا نکاح اس طریقہ پر تھا کہ کوئی مرد اپنی بیوی سے کہہ دیتا تھا کہ جب ایام سے پاک ہو جائے تو تُو فلاں مرد کے پاس چلی جانا اور اس سے فائدہ حاصل کر لینا پھر شوہر اس عورت سے جُدا رہتا تھا اور اس کے قریب نہ جاتا تھا، جب تک اُس مرد کا حمل ظاہر نہ ہو جاتا تھا۔ یہ سب کچھ اس لئے کیا جاتا تھا کہ بچہ اچھی نسل کا پیدا ہو۔ اس نکاح کو نکاحِ استبضاع کہا جاتا تھا۔

نکاح کی تیسری قسم یہ تھی کہ دس سے کم کی تعداد میں چند آدمی جمع ہو کر ایک عورت سے صحبت کرتے تھے جب وہ حاملہ ہو جاتی اور اس کے بچہ پیدا ہوتا اور اسے کئی دن ہو جاتے تو وہ سب کو بلواتی ان میں سے کسی کی طاقت نہ ہوتی کہ وہ آنے سے انکار کرے جب سب جمع ہو جاتے تو وہ کہتی تم سب کو اپنا حال معلوم ہے جو کچھ تھا اور میرے یہاں تمہارا بچہ پیدا ہوا ہے اے فلاں یہ تیرا بیٹا ہے جو تیرا دل چاہے اس کا نام رکھ لے، تجھے اختیار ہے' وہ بچہ اس کا ہو جاتا اور وہ اسے انکار کی مجال نہ ہوتی۔

چوتھی قسم کا نکاح یہ تھا کہ بہت سے آدمی ایک عورت سے صحبت کر جایا کرتے تھے اور وہ کسی آنے والے کو منع نہیں کرتی تھی، دراصل یہ رنڈیاں ہوتی تھیں وہ نشانی کے لئے اپنے دروازے پر جھنڈے نصب کر دیتی تھیں کہ جو چاہے ان سے صحبت کر لے، جب ان میں سے کسی کا حمل ٹھیر جاتا اور بچہ پیدا ہو جاتا تو وہ سب جمع ہو کر علم قیافہ جاننے والے کو بلاتے وہ بچے کی جس سے مشابہت دیکھتے اس سے کہہ دیتے کہ یہ تیرا بیٹا ہے اور وہ اس کا بیٹا ہو جاتا اور بچہ اس کا بیٹا کہہ کر پکارا جاتا اور وہ مرد اس سے انکار نہیں کر سکتا تھا۔ پھر جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو سب قسم کی شادیاں باطل کر دی گئیں۔ صرف آج کل کی شادی کا مروجہ طریقہ جائز رکھا گیا۔

مُحرّمات کا بیان

وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا وَسَآءَ سَبِيْلًا حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ الْاَخِ وَبَنٰتُ الْاُخْتِ

اور تم ان عورتوں سے نکاح مت کرو جن سے تمہارے باپوں نے نکاح کیا ہو، مگر جو بات گذر گئی، گذر گئی۔ بے شک یہ بڑی بے حیائی ہے اور نہایت نفرت کی بات ہے اور بہت برا طریقہ ہے تم پر حرام کی گئیں ہیں تمہاری مائیں

وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِیْۤ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَاُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِیْ فِیْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِیْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِیْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَیْنَ الْاُخْتَیْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِیْنَ غَیْرَ مُسٰفِحِیْنَ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِیْضَةً وَلَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ فِیْمَا تَرٰضَیْتُمْ بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِیْضَةِ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِیْمًا حَكِیْمًا۔

(سورۃ النساء آیت ۲۲ تا ۲۴)

اور تمہاری بیٹیاں اور تمہاری بہنیں اور تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری خالائیں اور بھتیجیاں اور بھانجیاں اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا ہے اور تمہاری وہ بہنیں جو دودھ پینے کی وجہ سے ہیں اور تمہاری بیبیوں کی مائیں اور تمہاری بیبیوں کی بیٹیاں جو کہ تمہاری پرورش میں رہتی ہیں۔ ان بیبیوں میں سے جن کے ساتھ تم نے صحبت کی ہو اور اگر تم نے ان بیبیوں سے صحبت نہ کی ہو تو تم کو کوئی گناہ نہیں اور تمہارے ان بیٹوں کی بیبیاں جو کہ تمہاری نسل سے ہوں اور یہ کہ تم دو بہنوں کو ایک ساتھ رکھو، لیکن جو پہلے ہو چکا ہے بے شک اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے، بڑے رحمت والے ہیں اور وہ عورتیں جو کہ شوہر والیاں ہیں، مگر جو کہ تمہاری مملوک ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان احکام کو تم پر فرض کر دیا ہے اور ان عورتوں کے سوا اور عورتیں تمہارے لئے حلال کی گئی ہیں۔ یعنی یہ کہ تم ان کو اپنے مالوں کے ذریعے سے چاہو، اس طرح سے کہ تم بیوی بناؤ، صرف مستی ہی نکالنا نہ ہو، پھر جس طریق سے تم ان عورتوں سے منتفع ہوئے ہو، سو ان کو ان کے مہر دو جو کچھ مقرر ہو چکے ہیں، اور مقرر ہوئے، بعد بھی جن پر تم باہم رضامند ہو جاؤ۔ اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑے جاننے والے ہیں۔ بڑے حکمت والے ہیں۔

خلاصہ

ان آیات میں ان عورتوں کی تفصیل بیان کی گئی ہے جن سے نکاح کرنا حرام ہے۔ پھر بعض محرمات تو وہ ہیں جو کسی حال میں حلال نہیں ہوتیں جنہیں محرماتِ ابدیہ کہا جاتا ہے۔ اور بعض محرمات ابدیہ نہیں ہیں بلکہ وہ بعض حالات میں حلال بھی ہو جاتی ہیں۔ شروع کی تین قسمیں محرمات نسبیہ، محرمات رضاعیہ، محرمات بالمصاہرہ۔ یہ سب محرمات ابدیہ ہیں اور آخر کی ایک قسم منکوحہ عورتیں اس وقت تک کیلئے حرام ہیں جبتک وہ غیر کے نکاح میں ہیں۔

باپ کی منکوحہ سے نکاح حرام ہے

باپ کی منکوحہ سے نکاح کرنا حرام ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ولا تنکحوا ما نکح اٰباءکم من النساء الخ اور تم ان عورتوں سے نکاح مت کرو جن سے تمہارے باپوں نے نکاح کیا ہو۔

آیت میں مطلقاً باپ کی منکوحہ سے نکاح کرنے کو حرام قرار دیا گیا ہے خواہ باپ نے اس سے وطی کی ہو یا نہ کی ہو کیونکہ آیت میں ایسی کوئی قید نہیں ہے جس سے باپ کا وطی کرنا سمجھا جاتا ہو۔ لہٰذا کسی بھی عورت سے اگر صرف باپ کا عقدِ نکاح ہو جائے تو اس عورت سے بیٹے کے لئے نکاح کرنا کبھی حلال نہیں بلکہ ہمیشہ کے لئے حرام ہے۔

نکتہ

لفظ نکاح کی تحقیق کے باب میں یہ بات تحریر کی جا چکی ہے کہ لفظ نکاح کا لغوی معنی وطی ہے اس معنی کے اعتبار سے ہر وہ عورت جس سے باپ نے وطی کی ہو خواہ وطی حلال ہو جیسے منکوحہ بیوی سے وطی یا وطی حرام ہو جیسے اجنبیہ عورت سے زنا کرنا یا وطی بالملک ہو جیسے مملوکہ باندی سے وطی کرنا۔ بہرکیف باپ کی موطوءہ سے نکاح کرنا حرام ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر باپ نے کسی عورت سے زنا کر لیا ہو تو بھی بیٹے کو اس مزنیہ عورت سے نکاح کرنا حلال نہیں۔ اسی طرح اگر باپ نے اپنی مملوکہ باندی سے وطی کر لی ہو تو بھی بیٹے کے لئے اس مملوکہ باندی سے نکاح کرنا حلال نہیں ہے۔

ماں سے نکاح کی حُرمت

اپنی والدہ سے نکاح کرنا حرام ہے ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ حرمت علیکم اُمّھاتکم یعنی تم پر حرام کی گئی ہیں تمہاری مائیں۔ امھاتکم کے عموم میں دادیاں اور نانیاں سب داخل ہیں۔

بیٹی سے نکاح کی حُرمت

اپنی صلبی بیٹی سے نکاح کرنا حرام ہے۔ یہ حُرمت لفظ وبنٰتکو سے ثابت ہے۔ اسی طرح بیٹی کی بیٹی سے بھی اور بیٹے کی بیٹی سے بھی۔ خلاصہ یہ ہے کہ بیٹی، پوتی، پڑپوتی، نواسی، پڑنواسی ان سب سے نکاح کرنا حرام ہے اور سوتیلی لڑکی جو دوسرے شوہر کی ہو اور بیوی ساتھ لائی ہو، اس سے نکاح کرنے اور نہ کرنے میں تفصیل ہے جو اپنے مقام پر آئے گی۔

حقیقی بہن سے نکاح کی حُرمت

اپنی حقیقی بہن سے نکاح کرنا حرام ہے۔ واخواتکم۔ اسی طرح اس بہن سے بھی جو علاّتی (باپ شریک) اور اس بہن سے بھی جو اخیافی (ماں شریک) ہو نکاح کرنا حرام ہے۔

پھوپھی سے نکاح کی حُرمت

اپنے باپ کی حقیقی بہن اسی طرح علاّتی اور اخیافی بہن ان تینوں قسم کی بہنوں سے نکاح کرنا حرام ہے۔ اور یہ حرمت لفظ عمّٰتکم سے ثابت ہے۔ غرض کہ تینوں طرح کی پھوپھیوں سے نکاح نہیں ہو سکتا۔

خالہ سے نکاح کی حُرمت

اپنی والدہ کی بہن خواہ حقیقی بہن ہو یا علاّتی ہو یا اخیافی ہو، ہر ایک سے نکاح حرام ہے جیسا کہ وخٰلٰتکو سے ثابت ہے۔

بھتیجیوں سے نکاح کی حُرمت

بھائی کی لڑکیوں یعنی بھتیجیوں سے بھی نکاح حرام ہے خواہ حقیقی بھائی ہو یا علاتی ہو یا اخیافی ہو تینوں طرح کے بھائیوں کی لڑکیوں سے نکاح حرام ہے۔ جیسا کہ وبنت الاخ سے ثابت ہے۔

بھانجیوں سے نکاح کی حُرمت

بہن کی لڑکیوں یعنی بھانجیوں سے بھی نکاح کرنا حرام ہے اور یہاں بھی وہی تعمیم ہے کہ بہن خواہ حقیقی ہو یا علاتی ہو یا اخیافی ہو اس کی لڑکیاں شرعاً نکاح میں نہیں آسکتیں جیسا کہ وبنٰت الاخت سے ثابت ہے۔

رضاعی ماں سے نکاح کی حُرمت

جن عورتوں کا دُودھ پیا ہے اگرچہ وہ حقیقی مائیں نہ ہوں وہ بھی حُرمتِ نکاح میں والدہ کے حکم میں ہیں اور ان سے بھی نکاح حرام ہے خواہ تھوڑا سا دُودھ پیا ہو یا زیادہ، ایک مرتبہ پیا ہو یا کئی مرتبہ بہرکیف یہ حُرمت ثابت ہو جائیگی فقہاء کی اصطلاح میں اس حُرمت کو حُرمتِ رضاعت سے تعبیر کرتے ہیں جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے، وامھاتکم التی ارضعنکم ؛ اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تم کو دُودھ پلایا ہے۔

البتہ اتنی بات یاد رکھنا ضروری ہے کہ حُرمتِ رضاعت اسی مدت میں دُودھ پینے سے ثابت ہوتی جو بچپن میں دودھ پینے کا زمانہ ہوتا ہے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مُبارک ہے انما الرضاعة من المجاعة یعنی رضاعت سے جو حُرمت ثابت ہوگی وہ اسی زمانہ میں دُودھ پینے سے ہوگی جس زمانہ میں بچہ کا نشو و نما دُودھ پینے سے ہی ہوتا ہے۔

رضاعی بہن سے نکاح کی حُرمت

رضاعت کے رشتہ سے جو بہنیں ہیں ان سے بھی نکاح کرنا حرام ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔
واخواتکم من الرضاعة ؛ اور تمہاری وہ بہنیں جو دُودھ پینے کی وجہ سے ہیں۔ اس کی تفصیل یوں ہے کہ جب کسی لڑکی یا لڑکے نے ایامِ رضاعت میں کسی عورت کا دُودھ پی لیا، وہ عورت اس کی رضاعی ماں بن گئی اور اس عورت کا

شوہر اس کا باپ بن گیا اور اس عورت کی نسبی اولاد اس کے بہن بھائی بن گئے اور اس عورت کی بہنیں خالائیں بن گئیں اور اس عورت کا جیٹھ و دیور ان بچوں کے رضاعی چچا بن گئے اور اس عورت کے شوہر کی بہنیں ان بچوں کی پھوپیاں بن گئیں اور باہم ان سب میں حرمت رضاعت ثابت ہوگئی، نسب کے رشتہ سے جو نکاح آپس میں حرام ہے وہ رضاع کے رشتہ سے بھی حرام ہوجاتا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یحرم من الرضاعة ما یحرم من النسب —

ساس سے نکاح کی حرمت

بیویوں کی مائیں بھی شوہروں پر حرام ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے وامّھات نسآئکم یہاں بھی اُمّھات میں عموم ہے اس میں بیویوں کی نانیاں اور دادیاں خواہ نسبی ہوں یا رضاعی ہوں سب داخل ہیں۔

مدخول بہا بیوی کی بیٹیوں سے نکاح کی حرمت

اگر کسی شخص نے کسی عورت سے نکاح کیا اور نکاح کے بعد ہمبستری بھی کی ہو تو اس عورت کی وہ لڑکی جو سابق شوہر سے ہے۔ موجودہ شوہر پر حرام ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وربائبکم الّتی فی حجورکم من نسآئکم الّتی دخلتم بھن۔ اور تمہاری بیویوں کی بیٹیاں جو کہ تمہاری پرورش میں رہتی ہیں اُن بیبیوں سے کہ جن کے ساتھ تم نے صحبت کی ہو۔ اسی طرح اس کی پوتی، نواسی بھی حرام ہوگئیں ان سے بھی نکاح کرنا جائز نہیں لیکن اگر ہمبستری نہیں کی صرف نکاح ہوا ہے تو صرف نکاح سے مذکورہ اقسام حرام نہیں ہوجاتیں لیکن نکاح کے بعد اگر اس کو شہوت سے چھوا یا اس کی اندام نہانی کی طرف شہوت سے نگاہ کی یعنی نظر شہوت سے دیکھا تو یہ سب چیزیں ہمبستری کے حکم میں ہیں اس سے بھی اس عورت کی لڑکیاں وغیرہ حرام ہوجاتی ہیں۔

یہاں بھی لفظ نسآء میں تعمیم ہے لہٰذا اس عورت کی لڑکیاں، پوتی، نواسی بھی حرام ہوگئیں۔ جس کے ساتھ شبہ میں ہمبستری کی ہو یا اس کے ساتھ زنا کیا ہوا۔

بیٹے کی بیوی سے نکاح کی حرمت

بیٹے کی بیوی سے نکاح حرام ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے وحلائل ابنآئکم الّذین من اصلابکم اور تمہارے ان بیٹوں کی بیبیاں جو کہ تمہاری نسل سے ہوں بیٹے کے عموم میں پوتا اور نواسا بھی داخل ہیں لہٰذا ان کی

بیویوں سے بھی نکاح حرام ہوگا۔

فائدہ من اصلابکم کی قید سے متبنیٰ (یعنی لے پالک) کو نکالنا مقصود ہے۔ یعنی لے پالک کی بیوی سے نکاح حلال ہے اور رضاعی بیٹا بھی نسبی بیٹے کے حکم میں ہے۔ لہذا اس کی بیوی سے بھی نکاح کرنا حرام ہے۔

دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنے کی حرمت

دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنا حرام ہے وان تجمعوا بین الاختین اور یہ کہ تم دو بہنوں کو ایک ساتھ رکھو خواہ یہ بہنیں حقیقی ہوں یا علاتی ہوں یا اخیافی ہوں۔ نسب کے اعتبار سے ہوں یا رضاعی اعتبار سے ہوں یہ حکم سب کو شامل ہے۔

البتہ طلاق ہوجانے کے بعد دوسری بہن سے نکاح جائز ہے، لیکن یہ جواز عدت گذر جانے کے بعد ہے دوران عدت نکاح جائز نہیں ہے۔

سابقہ شریعتوں میں دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنا جائز تھا

دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنے کی ممانعت شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم میں ہے۔ ورنہ سابقہ شریعتوں میں جمع بین الاختین جائز تھا جیسا کہ الا ما قد سلف سے معلوم ہوتا ہے اور انبیاء علیہم السلام کا عمل بھی اس پر شاہد ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے نکاح میں ام یہوذا اور اس کی بہن دونوں تھیں اور ایسا کرنا ان کے دین میں جائز تھا۔ اسی طرح دورِ جاہلیت میں اہلِ جاہلیت باقی محرمات کی حرمت کو تو جانتے تھے مگر باپ کی بیوہ اور اسی طرح دو بہنوں سے نکاح کو حلال سمجھتے تھے

دوسرے کی منکوحہ سے نکاح کی حرمت

شوہروں والی عورتیں بھی حرام کی گئیں ہیں یعنی جبتک کوئی عورت کسی شخص کے نکاح میں ہو دوسرا شخص اس سے نکاح نہیں کرسکتا، ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَالمُحصنٰت من النسآء اور وہ عورتیں جو کہ شوہر والیاں ہیں۔
اس سے واضح طور پر یہ بات معلوم ہوگئی کہ ایک عورت بیک وقت ایک سے زائد شوہر والی نہیں ہوسکتی۔

ایک تا چار عورتوں سے نکاح کرنا اور اُن کے درمیان عدل قائم رکھنا

وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی فَانْکِحُوْا مَا طَابَ لَکُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَۃً اَوْ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ ذٰلِکَ اَدْنٰٓی اَلَّا تَعُوْلُوْا۔

(سورۃ النسآء آیت ۳)

اور اگر تم کو اس بات کا احتمال ہو کہ تم یتیم لڑکیوں کے بارے میں انصاف نہ کر سکو گے تو اور عورتوں سے جو تم کو پسند ہوں نکاح کر لو۔ دو، دو عورتوں سے اور تین تین عورتوں سے اور چار، چار عورتوں سے۔ پس اگر تم کو احتمال اس کا ہو کہ عدل نہ رکھو گے تو پھر ایک ہی بیوی پر بس کر دیا جو لونڈی تمہاری ملک میں ہو وہی سہی۔ اس امر مذکور میں زیادتی نہ ہونے کی توقع قریب تر ہے۔

یتیم لڑکیوں کی حق تلفی کی روک تھام

اگر کسی کو یہ اندیشہ ہو کہ وہ یتیم لڑکی کے ساتھ نکاح کر کے اس کے حقوق کو ادا نہیں کر سکے گا تو اس کو چاہیئے کہ یتیم لڑکی کے بجائے کسی اور عورت سے نکاح کر لے وان خفتم الا تقسطوا فی الیتمٰی فانکحوا ما طاب لکم من النسآء "یعنی اگر تم کو اس بات کا احتمال ہو کہ تم یتیم لڑکیوں کے بارے میں انصاف نہ کر سکو گے تو اور عورتوں سے جو تم کو پسند ہوں نکاح کر لو۔"

زمانۂ جاہلیت میں جن لوگوں کی ولایت میں یتیم لڑکیاں ہوتی تھیں جو شکل وصورت کے اعتبار سے اچھی سمجھی جاتی تھیں یا ان کی ملک میں کوئی مال یا جایئداد ہوتی تو ان کے اولیاء یہ کرتے تھے کہ یا تو بذاتِ خود ان سے نکاح کر لیتے تھے یا اپنی اولاد سے ان کا نکاح کر دیتے تھے اور جتنا چاہا کم سے کم مہر مقرر کر لیا اور جس طرح چاہا ان کو رکھا کہ وہی اُن کے ولی اور نگران ہوتے تھے، ان کا باپ موجود نہ ہوتا تھا جو ان کے حقوق کی پوری نگرانی کرتا اور ان کی ازدواجی زندگی کے ہر پہلو پر نظر رکھتا اور فلاح و بہبود کا مکمل انتظام کر کے ان کا نکاح کرتا۔

آیت کا شانِ نزول

صحیح بخاری شریف میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ عہدِ رسالت میں ایک

ایساہی واقعہ پیش آیا کہ ایک شخص کی ولایت میں ایک یتیم لڑکی تھی اور اس کا ایک باغ تھا جس میں یہ لڑکی بھی شریک تھی اس شخص نے یتیم لڑکی سے نکاح کرلیا اور بجائے اس کے کہ اپنے پاس سے مہر وغیرہ دیتا اس کے باغ کا حصہ بھی اپنے قبضہ میں لے لیا، اس پر یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی وان خفتم الا تقسطوا فی الیتمیٰ الخ یعنی اگر تمہیں یہ خطرہ ہو کہ یتیم لڑکیوں سے خود اپنا نکاح کرنے میں تم انصاف پر قائم نہیں رہو گے۔ بلکہ ان کی حق تلفی ہوجائے گی تو تمہارے لئے دوسری عورتیں بہت ہیں ان میں تمہارے لئے جو حلال اور پسندیدہ ہوں ان سے نکاح کرلو۔

نکاحِ نابالغ کا مسئلہ

یتیمہ لڑکی کے ولی کو اس کے بالغ ہونے سے پہلے ہی بچپن میں نکاح کرنے کا اختیار ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وان خفتم الا تقسطوا فی الیتمیٰ الخ آیت میں یتمیٰ سے مراد یتیم لڑکیاں ہیں اور شریعت کی اصطلاح میں یتیم اسی لڑکی یا لڑکے کو کہا جاتا ہے جو ابھی بالغ نہ ہوا ہو۔

ولی کو بلوغ سے پہلے یتیم لڑکی کے نکاح کا اختیار تو ہے البتہ یہ ضروری ہے کہ اس کی مصلحت اور آئندہ کی فلاح و بہبود کو پیشِ نظر رکھے، ایسا نہ ہو جیسا کہ بہت سی برادریوں میں رائج ہے کہ بڑی لڑکی کا نکاح چھوٹے بچے سے کردیا، عمروں کے تناسب کا لحاظ نہ رکھا، یا لڑکے کے حالات اور عادات کا جائزہ نہیں لیا ویسے ہی نکاح کردیا۔

اسی طرح وہ بالغ لڑکیاں جن کے باپ مرچکے ہیں اگرچہ بالغ ہوجانے کی بناء پر خود مختار ہیں لیکن لڑکیاں شرم وحیاء کی وجہ سے عادۃً بالغ ہونے کے بعد بھی اپنے نکاح کے معاملہ میں خود کچھ نہیں بولتیں ان کے اولیاء اور وارث جو کچھ کردیں اسی کو قبول کرلیتی ہیں، اس لئے ان کے اولیاء پر بھی لازم ہے کہ ان کی حق تلفی سے پرہیز کریں۔ بہرحال اس آیت میں لڑکیوں کے ازدواجی حقوق کی پوری نگہداشت کا حکم مذکور ہے۔

اسلام نے تعددِ ازدواج پر ضروری پابندی لگائی اور عدل و مساوات کا قانون جاری کیا

اسلام نے چار تک عورتوں سے نکاح کرنے کی اجازت تو دی مگر عورتوں کے حقوق کو تلف ہونے سے بچانے کے لئے عدل و مساوات کا قانون جاری کیا اور تعدد ازدواج کو

بعض شرائط سے مقید کر دیا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے فانکحوا ما طاب لکم من النسآء مثنیٰ وثلٰث وربٰع فان خفتم الا تعدلوا فواحدۃ : تو اور عورتوں سے جو تم کو پسند ہوں نکاح کر لو، دو، دو عورتوں سے اور تین تین عورتوں سے اور چار چار عورتوں سے۔ پس اگر تم کو احتمال اس کا ہو کہ عدل نہ رکھو گے تو پھر ایک ہی بی بی پر بس کرو۔

اسلام کے ابتدائی زمانہ میں بھی یہ رسم بغیر تحدید کے جاری رہی، لیکن اس غیر محدود کثرتِ ازدواج کا نتیجہ یہ نکلا کہ لوگ پہلے تو حرص میں بہت سے نکاح کر لیتے تھے مگر پھر ان کے حقوق ادا نہ کر سکتے تھے اور یہ عورتیں ان کے نکاح میں ایک قیدی کی حیثیت سے زندگی گذارتی تھیں، پھر جو عورتیں ایک شخص کے نکاح میں ہوتیں ان میں عدل و مساوات کا کہیں نام و نشان نہ ہوتا تھا جس سے محبت ہوتی اس کو نوازا جاتا اور جس سے رُخ پھر گیا اس کے کسی حق کی پرواہ نہ کی جاتی تھی۔ قرآنِ کریم نے عام معاشرہ کے اس ظلمِ عظیم کو روکا اور تعدد ازدواج پر پابندی لگائی اور چار سے زیادہ عورتوں کو نکاح میں جمع کرنا حرام قرار دیدیا ، اور جو عورتیں ایک ہی وقت میں نکاح کے اندر رہیں ان میں مساواتِ حقوق کا نہایت مؤکد حکم دیا اور اس کی خلاف ورزی پر شدید وعید سنائی گئی۔

آیت میں ماطاب کا لفظ ہے جس کی تفسیر حسن بصری، ابن جبیر اور ابن مالک رحمہم اللہ نے ماحلّ سے فرمائی ہے۔ یعنی جو عورتیں تمہارے لئے حلال ہیں۔

مُتعدد بیویوں میں عدل و مُساوات پر قدرت نہ ہونے کی صورت میں صرف ایک بیوی پر اکتفاء کرنا

چار عورتوں تک نکاح کی اجازت دے کر فرمایا: فان خفتم الا تعدلوا فواحدۃ او ما ملکت ایمانکم یعنی اگر تم کو اس کا خوف ہو کہ عدل نہ کر سکو گے تو ایک ہی بیوی پر اکتفاء کر دیا جو کنیز شرعی اصول کے مطابق تمہاری ملک ہو اس سے گذارہ کر لو۔

نکاح میں بعض رسوماتِ جاہلیت کا منسوخ ہونا

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَرِثُوا النِّسَاءَ كَرْهًا وَلَا تَعْضُلُوهُنَّ لِتَذْهَبُوا بِبَعْضِ	اے ایمان والو! تم کو یہ بات حلال نہیں کہ عورتوں کے جبراً مالک ہو جاؤ اور ان عورتوں کو اس غرض سے مُقید

مَاۤ اٰتَیْتُمُوْهُنَّ اِلَّاۤ اَنْ یَّاْتِیْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَیِّنَةٍ ۚ وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَیْــٴًـا وَّیَجْعَلَ اللّٰهُ فِیْهِ خَیْرًا كَثِیْرًا ۝ وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ ۙ وَّاٰتَیْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَیْــٴًـا ؕ اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِیْنًا ۝ وَكَیْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ وَّاَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّیْثَاقًا غَلِیْظًا ۝

(سورۃ النساء آیت ۱۹ تا ۲۱)

مت کرو جو کچھ تم لوگوں نے ان کو دیا ہے اس میں کا کوئی حصہ وصول کر لو، مگر یہ کہ وہ عورتیں کوئی صریح ناشائستہ حرکت کریں اور ان عورتوں کے ساتھ خوبی سے گذران کیا کرو اور اگر وہ تم کو ناپسند ہوں تو ممکن ہے کہ تم ایک شئی کو ناپسند کرو، اور اللہ تعالیٰ اس کے اندر کوئی بڑی منفعت رکھ دے اور اگر تم بجائے ایک بیوی کے دوسری بیوی کرنا چاہو اور تم اس ایک کو انبار کا انبار مال دے چکے ہو تو تم اس میں سے کچھ بھی مت لو، کیا تم اس کو لیتے ہو بہتان رکھ کر اور صریح گناہ کے مرتکب ہو کر اور تم اس کو کیسے لیتے ہو۔ حالانکہ تم باہم ایک دوسرے سے بے حجابانہ مل چکے ہو اور وہ عورتیں تم سے ایک گاڑھا اقرار لے چکی ہیں۔

خلاصۂ تفسیر

ان تین آیتوں میں ان مظالم کی روک تھام ہے جو اسلام سے پہلے صنفِ نازک پر روا رکھے جاتے تھے، ان میں سے ایک بہت بڑا ظلم یہ تھا کہ مرد، عورتوں کی جان و مال کا اپنے کو مالک سمجھتے تھے۔ عورت جس کے نکاح میں آگئی وہ اس کی جان کو بھی اپنی ملک سمجھتا تھا اور اس کے مرنے کے بعد اس کے وارث جس طرح اس کے متروکہ مال کے وارث اور مالک ہوتے تھے اسی طرح وہ اس کی بیوی کے بھی مالک اور وارث سمجھے جاتے تھے چاہیں تو وہ خود اس سے نکاح کرلیں یا دوسرے کسی سے مال لے کر اس کا نکاح کر دیں۔

شوہر کا بیٹا جو کسی دوسری بیوی سے ہوتا تھا وہ خود بھی باپ کے مرنے کے بعد اسے اپنے نکاح میں لا سکتا تھا، تو جب عورت کی جان ہی اپنی ملک سمجھ لی گئی تو مال کا معاملہ ظاہر ہے اور اس ایک بنیادی غلطی کے نتیجہ میں عورتوں پر طرح طرح کے سینکڑوں مظالم ہوا کرتے تھے۔ مثلاً ایک ظلم یہ تھا کہ جو مال عورت کو کہیں سے وراثت میں ملا یا اس کے میکہ والوں کی طرف سے بطور ھدیہ یا تحفہ ملا، بیچاری عورت اس سب سے محروم اور لاتعلق رہتی تھی اور یہ سب مال

سُسرال والے مُردہضم کر لیتے تھے۔
دُوسرا ظلم یہ ہوتا تھا کہ اگر عورت نے اَپنے حصّہ کے مال پر کہیں قبضہ کر ہی لیا تو اس کو مُرد نکاح کرنے
اس لئے روکتے تھے کہ اُپنا مال باہر نہ لے جاسکے بلکہ یہیں مرجائے۔ اور مال چھوڑ جائے تاکہ ہمارے قبضہ میں آجائے۔
تیسرا ظلم کہیں کہیں یہ بھی ہوتا تھا کہ بعض اُوقات بیوی کا کوئی قصور نہ ہونے کے باوجود محض طبعی طور پر وہ شوہر کو
پسند نہ ہوتی تو شوہر اس کے حقوقِ زوجیت اُدا نہ کرتا مگر طلاق دے کر اس کی گلوخلاصی بھی اس لئے نہیں کرتا کہ یہ تنگ
آکر زیور یا زرِ مہر جو وہ اسے دے چُکا ہے واپس کر دے یا اگر ابھی نہیں دیا تو مُعاف کر دے تب آزادی ملے گی۔ بعض اُوقات
شوہر طلاق دے کر بھی اپنی اس مطلقہ کو کسی دُوسرے سے نکاح نہیں کرنے دیتا تھا تاکہ وہ مجبور ہو کر اس کا دیا ہُوا مال واپس
کر دے یا واجب الأدا مُہر کو واپس کر دے۔
چوتھا ظلم بعض اُوقات اس طرح ہوتا تھا کہ شوہر کے مُرنے کے بعد اس کے وارث اس کی بیوہ کو نکاح نہیں کرنے
دیتے تھے یا تو جاہلانہ عار کی وجہ سے یا اس کے طمع میں کہ اس کے ذریعہ کچھ مال وصُول کریں۔
یہ سب مظالم اس وجہ سے ہوتے تھے کہ عورت کے مال بلکہ جان کا بھی اُپنے آپ کو مالک سمجھا جاتا تھا۔ قرآنِ کریم
نے فساد کی اس جڑ کو اُکھاڑ پھینکا اور اس کے تحت ہونے والے تمام مظالم کا انسداد مذکورہ آیت میں بیان فرمادیا۔

مُردوں کے لئے جبراً عورتوں کا مالک بننا حلال نہیں

اگر کوئی شخص کسی بالغ عورت سے اس کی اجازت اور رضا کے بغیر نکاح کرلے تو وہ نکاح شرعاً حلال نہیں ہوگا
بلکہ کالعدم ہے ایسے نکاح سے نہ تو ان دونوں کے درمیان میاں بیوی کا رشتہ قائم ہوتا ہے اور نہ ہی اس سے
وراثت یا نسب کے احکام متعلّق ہوتے ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ
كَرْهًا: ترجمہ ' اے ایمان والو تم کو یہ بات حلال نہیں کہ عورتوں کے جبراً مالک ہو جاؤ۔"
اسی طرح اگر کسی نے کسی عورت کو مجبور کر کے اس سے اُپنا دیا ہُوا مُہر واپس لے لیا یا واجب الأدا مہر کو جبراً معاف
کرالیا تو یہ جبری واپسی یا معافی شرعاً معتبر نہیں۔ نہ تو عورت سے لیا ہُوا مال مُرد کیلئے حلال ہوتا ہے اور نہ ہی کوئی حق واجب
مُعاف ہوتا ہے۔

عورتوں کو اپنی مرضی کے نکاح کرنے سے روکنے کی مُمانعت

عورتوں کو اپنی مرضی کے نکاح کرنے سے محض اس خیال سے نہ روکو کہ جو مال تم نے یا تمہارے عزیز نے ان کو

بطور مہر یا بطور ھدیہ و تحفہ کے دیدیا تھا وہ اس سے واپس لے لو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے ولا تعضلوھن لتذھبوا ببعض ما اٰتیتموھن ؛ ترجمہ اور ان عورتوں کو اس غرض سے مقید مت کرو کہ جو کچھ تم لوگوں نے ان کو دیا ہے اس میں کا کوئی حصہ وصول کر لو۔

مہر دینے اور واپس لینے میں یہ بھی داخل ہے کہ جو مہر دینا مقرر کر چکے ہیں اس کو معاف کرایا جائے۔ غرض کہ دیا ہوا مال جبراً واپس لیں یا واجب الادا جبراً معاف کرائیں یہ سب ناجائز اور حرام ہے۔ اسی طرح جو مال بطور ھدیہ و تحفہ مالکانہ طور پر دینے کا بیوی کو دیا جا چکا ہے اس کا واپس لینا نہ خود شوہر کے لئے حلال ہے اور نہ ہی اس کے وارثوں کیلئے مالکانہ طور پر دینے کا مطلب یہ ہے کہ اگر شوہر نے کوئی زیور یا کوئی استعمال کی چیز بیوی کو محض عاریتاً استعمال کیلئے دی ہے مالک نہیں بنایا اس صورت میں وہ چیز بیوی کی ملکیت میں داخل ہی نہیں ہوئی لہٰذا اس کی واپسی ممنوع نہیں۔

نافرمان عورت سے دیا ہوا مال واپس لینا جائز ہے،

آیت کے پہلے حصہ میں یہ حکم مذکور ہے کہ عورتوں کو بطور مہر یا بطور ھدیہ و تحفہ دیئے ہوئے مال کو واپس لینا حرام اور ناجائز ہے، بعد ازاں بطور استثناء کے یہ حکم بیان کیا گیا کہ اگر عورت کی طرف سے کوئی کھلی ناشائستہ حرکت (یعنی شوہر کی نافرمانی اور اس کے ساتھ بدزبانی) ایسی صادر ہو جائے جس کی وجہ سے آدمی طلاق دینے پر مجبور ہو جائے تو ایسی عورت میں کچھ مضائقہ نہیں کہ شوہر اس وقت تک طلاق نہ دے جبتک کہ یہ اس کا دیا ہوا مہر واپس نہ کر دے یا واجب الادا مہر کو معاف نہ کر دے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: الا ان یاتین بفاحشۃ مبینۃ۔

بیوی کے ساتھ خوشگوار زندگی گزارنے کا حکم

بیوی کے ساتھ خوشگوار طریقہ (یعنی حسن معاملہ حقوق کی ادائیگی شائستگی اور خوش کلامی) کیساتھ زندگی بسر کرنی چاہیئے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وعاشروھن بالمعروف (ترجمہ، اور گزران کرو خوبی کے ساتھ)

وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ	اور تم میں جو بے نکاح ہوں تم نکاح کر دیا کرو اور تمہارے غلام اور لونڈیوں کا جو اس لائق ہوں اس کا بھی، اگر وہ لوگ مفلس ہوں گے تو خدا تعالیٰ ان کو اپنے فضل سے غنی کر دیگا۔

وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ

سورۃ النور، آیت ۳۲ و ۳۳

اور اللہ تعالیٰ وسعت والا ہے، خوب جاننے والا ہے اور ایسے لوگوں کو جن کو نکاح کا مقدور نہیں، ان کو چاہیئے کہ ضبط کریں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے فضل سے غنی کر دے۔

غیر منکوحہ عورتوں کے نکاح کا ان کے اولیاء کو حکم

جن مردوں اور عورتوں کا نکاح نہ ہوا ہو اُن کے اولیاء کو چاہیئے کہ ان کے نکاح کرا دیں۔ فرمان باری تعالیٰ ہے وانکحوا الایامٰی منکم "اور تمہارے غلام اور لونڈیوں میں سے جو بے نکاح ہوں تم ان کا نکاح کرا دیا کرو۔" ایامیٰ، ایّم کی جمع ہے جو ہر اُس مرد اور عورت کے لئے استعمال ہوتا ہے جس کا نکاح موجود نہ ہو خواہ ابتداء ہی سے نکاح نہ کیا ہو یا زوجین میں سے کسی ایک کی موت یا طلاق سے نکاح ختم ہو چکا ہو۔

نیک غلام اور کنیز کے آقاؤں کو ان کے نکاح کرانے کا حکم

جو غلام اور کنیز نکاح کرنے کی صلاحیت اور استطاعت رکھتے ہوں، ان کے آقاؤں اور مالکوں کو ان کا نکاح کرانا چاہیئے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: والصّالحین من عبادکم وامائکم یعنی تمہارے غلاموں اور کنیزوں میں جو نکاح کی صلاحیت رکھتے ہوں ان کے نکاح کرا دیا کرو۔

آیت میں، صالحین کا لفظ اپنے لغوی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ یعنی ان میں سے جو نکاح کی صلاحیت رکھتا ہو اور صلاحیت سے مُراد یہی ہے کہ بیوی کے حقوق زوجیت یعنی نفقہ اور مہر معجل (نقد) ادا کرنے کے قابل ہو۔

عدت ختم ہونے کے بعد نکاح کا بیان

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ذٰلِكَ يُوْعَظُ

اور جب تم میں ایسے لوگ پائے جاویں کہ وہ اپنی بیویوں کو طلاق دیدیں پھر وہ عورتیں اپنی معیاد بھی پوری کر چکیں تو تم ان کو اس امر سے مت روکو کہ وہ اپنے شوہروں سے نکاح

بِهٖ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَاَطْهَرُ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۰

(سورۃ البقرۃ آیت نمبر ۲۳۲)

کرلیں جب کہ باہم سب رضامند ہو جاویں۔ قاعدے کے موافق اس مضمون سے نصیحت کی جاتی ہے اس شخص کو جو تم میں سے اللہ تعالیٰ پر اور روزِ قیامت پر یقین رکھتا ہو اس نصیحت کا قبول کرنا تمہارے لئے زیادہ صفائی ہے اور پاکی کی بات ہے اور اللہ تعالیٰ جانتے ہیں اور تم نہیں جانتے۔

شانِ نزول

آیت مذکورہ کا شانِ نزول بھی ایک ایسا ہی واقعہ ہے۔

صحیح بُخاری شریف میں ہے کہ حضرت معقل بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی بہن کی شادی ایک شخص کے ساتھ کردی تھی اُس نے طلاق دیدی اور عدّت بھی گذر گئی، اس کے بعد یہ شخص اپنے اس فعل پر نادم اور پشیمان ہوا اور چاہا کہ دوبارہ نکاح کرلے، اس کی بیوی یعنی حضرت معقل بن یسارؓ کی بہن بھی اس پر آمادہ ہو گئی، لیکن جب اس شخص نے معقل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس کا ذکر کیا تو چونکہ ان کو طلاق دینے پر غصہ تھا انہوں نے کہا کہ میں نے تمہارا اعزاز کیا کہ اپنی بہن تمہارے نکاح میں دیدی، تم نے اس کی یہ قدر کی کہ اس کو طلاق دیدی۔ اب پھر تم میرے پاس آئے ہو کہ دوبارہ نکاح کردوں، خدا کی قسم اب وہ تمہارے نکاح میں دوبارہ نہیں لوٹے گی۔

اسی طرح کا ایک واقعہ جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی چچازاد بہن کا پیش آیا تھا۔ ان واقعات پر آیت مذکورہ نازل ہوئی جس میں معقل رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس رویّہ کو ناپسند اور ناجائز قرار دیا گیا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اللہ تبارک و تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے عاشق تھے، آیتِ کریمہ کے سُنتے ہی حضرت معقل بن یسار کا سارا غصہ ٹھنڈا پڑ گیا اور خود جا کر اس شخص سے اپنی بہن کا دوبارہ نکاح کرادیا۔ اور قسم کا کفّارہ ادا کیا۔ اسی طرح حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تعمیل فرمائی۔

مطلقہ عورتوں کو اپنی مرضی کی شادی کرنے سے بلا عذر شرعی روکنا حرام ہے

مطلقہ عورتوں کو بغیر کسی شرعی عُذر کے اپنی مرضی سے نکاح کرنے سے روکنا ناجائز و حرام ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ

ہے: ولاتعضلوھن ان ینکحن ازواجھن الخ یعنی مطلقہ عورتوں کو اس بات سے مت روکو کہ وہ اپنے تجویز کردہ شوہروں سے نکاح کریں۔

آیتِ کریمہ میں اس ناروا ظالمانہ سلوک کا انسداد کیا گیا ہے جو کہ عام طور پر مطلقہ عورتوں کے ساتھ کیا جاتا تھا کہ ان کو دُوسری شادی کرنے سے روکا جاتا تھا۔ پہلا شوہر بھی عموماً اپنی مطلقہ بیوی کو دُوسرے شخص کے نکاح میں جانے سے روکتا تھا اور اس کو اپنی عزّت کے خلاف سمجھتا تھا۔ بعض خاندانوں میں لڑکی کے اولیاء بھی اس کو دوسری شادی کرنے سے روکتے ہیں اور ان میں سے بعض اس طمع میں روکتے ہیں کہ اس شادی پر ہم کوئی رقم اپنے لئے حاصل کریں بعض اوقات مطلقہ عورت دوبارہ اپنے سابق شوہر سے نکاح کرنے پر راضی ہو جاتی ہے مگر عورت کے اقرباء اور اولیاء کو اس شوہر سے طلاق دینے کی وجہ سے اس قسم کی عداوت ہو جاتی ہے کہ اب ان دونوں کے راضی ہو جانے کے باوجود بھی وہ ان دونوں کے باہمی نکاح سے مانع ہوتے ہیں آزاد عورتوں کو بلا عذرِ شرعی اپنی مرضی کی شادی کرنے سے روکنا خواہ پہلے شوہر کی طرف سے ہو یا لڑکی کے اولیاء کی طرف سے ہو، بہر حال بڑا ظلم ہے اسی ظلم کا انسداد اس آیت میں فرمایا گیا ہے۔

جوازِ نکاح کی شرط

جب مَرد و عورت دونوں شرعی قاعدہ کے مُطابق رضامند ہو جائیں تو نکاح سے نہ روکو۔ ارشادِ باری تعالےٰ ہے۔ اذا تراضوا بینھم بالمعروف جس میں اشارہ موجود ہے کہ اگر ان دونوں کی رضامندی نہ ہو اور کوئی کسی پر زور و زبردستی کرنا چاہیئے تو سب کو روکنے کا حق ہے۔

دوسری صُورت یہ ہے کہ دونوں کی رضامندی تو ہو مگر شرعی قاعدہ کے مُطابق نہ ہو مثلاً بلا نکاح آپس میں میاں بیوی کی طرح رہنے پر رضامند ہو جائیں یا تین طلاقوں کے بعد بھی ناجائز طور پر آپس میں نکاح کر لیں یا ایامِ عدّت میں دوسرے شوہر سے نکاح کا ارادہ ہو تو ہر مسلمان کو اور بالخصوص ان لوگوں کو جن کا مَرد اور عورت کے ساتھ تعلق ہے ان کو روکنے کا حق حاصل ہے بلکہ بقدرِ استطاعت روکنا واجب ہے۔

عاقلہ بالغہ عورت کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر درست نہیں

آیت کے مذکورہ حصہ اذا تراضوا بینھم بالمعروف سے اس طرف بھی اشارہ ہوتا ہے کہ عاقلہ بالغہ لڑکی

کا نکاح اس کی رضا و اجازت کے بغیر نہیں ہو سکتا۔

احکاماتِ خداوندی کی حکمتیں !

احکاماتِ خداوندی کی پابندی کی ایک حکمت تو یہ ہے کہ ان احکامات کی تعمیل انسان کیلئے پاکی، صفائی اور طہارت کا ذریعہ ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَاَطْهَرُ الخ اس نصیحت کا قبول کرنا تمہارے لئے زیادہ صفائی اور زیادہ پاکی کی بات ہے۔

اس میں اشارہ فرمایا گیا کہ ان احکامات کی خلاف ورزی کا نتیجہ گناہوں کی غلاظت میں آلودگی اور فتنہ و فساد ہے، کیونکہ عاقلہ، بالغہ جوان لڑکیوں کو اگر مطلقاً نکاح سے روکا گیا تو ایک طرف تو ان پر ظلم اور ان کی حق تلفی ہے اور دوسری طرف ان کی عفت اور عصمت کو خطرہ میں ڈالنا ہے۔

تیسرے اگر خدانخواستہ وہ کسی گناہ میں مبتلا ہوں تو اس کا وبال ان لوگوں پر بھی آئے گا جنہوں نے ان کو نکاح سے روکا اور وبال آخرت سے پہلے بہت ممکن ہے کہ ان مجبور عورتوں کا یہ ابتلا خود مردوں میں جنگ و جدال اور قتل و قتال تک نوبت پہنچا دے، جیسا کہ رات دن مشاہدہ میں آتا ہے۔ اس صورت میں وبال آخرت سے پہلے ان کا عمل دنیا ہی میں وبال بن جائے گا اور اگر مطلقاً نکاح سے تو نہیں روکا مگر ان کی پسند کیخلاف دوسرے مرد سے نکاح پر مجبور کر دیا گیا تو اس کا نتیجہ بھی دائمی مخالفت فتنہ و فساد یا طلاق و خلع ہوگا جن کے ناگوار اثرات ظاہر ہیں اس لئے فرمایا گیا کہ ان کو ان کے تجویز کیے ہوئے شوہروں سے نکاح کرنے سے نہ روکنا ہی تمہارے لئے پاکی اور صفائی کا ذریعہ ہے۔

مہر تقدیر شرعی ہے

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِيْٓ اٰتَيْتَ اُجُوْرَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ مِمَّآ اَفَاۗءَ اللّٰهُ عَلَيْكَ وَبَنٰتِ عَمِّكَ وَبَنٰتِ عَمّٰتِكَ وَبَنٰتِ خَالِكَ وَبَنٰتِ خٰلٰتِكَ الّٰتِيْ هَاجَرْنَ مَعَكَ

اے نبی! ہم نے آپ کے لئے آپ کی یہ بیبیاں جن کو آپ ان کے مہر دے چکے ہیں حلال کی ہیں اور وہ عورتیں بھی جو تمہاری مملوکہ ہیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو غنیمت میں دلوادی ہیں، اور آپ کے چچا کی بیٹیاں اور آپ کی پھوپھیوں کی بیٹیاں اور آپ کے ماموں کی بیٹیاں

وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِيْٓ اَزْوَاجِهِمْ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ لِكَيْلَا يَكُوْنَ عَلَيْكَ حَرَجٌ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا۔

(سورۃ الاحزاب آیت ۵۰)

اور آپ کی خالاؤں کی بیٹیاں جنہوں نے آپ کے ساتھ ہجرت کی ہو اور اس مسلمان عورت کو بھی جو بلا عوض اپنے کو پیغمبر کو دے دے بشرطیکہ پیغمبر اس کو نکاح میں لانا چاہیں۔ یہ سب آپ کے لئے مخصوص کئے گئے ہیں نہ اور مومنین کے لئے ہم کو وہ احکام معلوم ہیں جو ہم نے ان پر ان کی بیبیوں اور لونڈیوں کے بارے میں مقرر کئے ہیں تاکہ آپ پر کسی قسم کی تنگی واقع نہ ہو اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔

مہر کی ادنیٰ مقدار شرع کی متعین کردہ ہے

مہر کی ادنیٰ مقدار شارع کی طرف سے معین ہے جو کم از کم دس درہم ہے اس سے زیادہ جتنی بھی ہو اسمیں کوئی حرج نہیں بلکہ افضل ہے، دس درہم سے کم کرنا منع ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ قد علمنا ما فرضنا علیھم فی ازواجھم ؛ ہم کو وہ احکام معلوم ہیں جو ہم نے اُن پر اُن کی بیبیوں اور لونڈیوں کے بارے میں مقرر کئے ہیں اس آیت میں لفظ فرض مذکور ہے جس کے معنی تقدیر (اندازہ کرنا ہے اور پھر فرض کی اسناد ضمیر متکلم کی طرف ہے یعنی ہم نے اس کی مقدار معین کی ہے۔

مہر کا وجوب اور اسمیں زیادتی کا بیان

وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ ؕ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً ؕ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝

اور ان عورتوں کے سوا اور عورتیں تمہارے لئے حلال کی گئی ہیں یعنی یہ کہ تم ان کو اپنے مالوں کے ذریعہ سے چاہو اس طرح سے کہ تم بیوی بناؤ صرف مستی ہی نکالنا نہ ہو پھر جس طریق سے تم ان عورتوں سے منتفع ہوئے ہو سو ان کو ان کے مہر دو، جو کچھ مقرر ہو چکے اور مقرر ہونے کے بعد بھی جس پر تم باہم رضامند ہو جاؤ اس میں تم پر

کوئی گناہ نہیں، بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑے جاننے والے ہیں،
(سورۃ النسآء آیت نمبر ۲۴) بڑی حکمت والے ہیں۔

جب خاوند، بیوی سے ہمبستر ہو جائے تو اس پر بیوی کو مہر دینا واجب ہے فاٰتوھن اجورھن فریضۃ۔ یعنی نکاح کے بعد جن عورتوں سے استمتاع کر لو تو ان کو مہر دیدو، یہ دینا تم پر فرض کیا گیا ہے۔ آیت میں استمتاع سے مراد بیوی سے ہمبستر ہونا اور وطی کرنا ہے اگر محض نکاح ہو جائے اور رخصتی نہ ہو اور شوہر کو استمتاع کا موقع نہ ملے، بلکہ وہ اس سے پہلے ہی طلاق دیدے تو شوہر پر آدھا مہر واجب ہو جاتا ہے اور اگر استمتاع کا موقع مل جائے تو پورا مہر واجب ہو جاتا ہے۔ اس آیت میں خصوصی توجہ دلائی ہے کہ جب کسی عورت سے استمتاع کر لیا تو اس کا مہر دینا ہر طرح سے واجب ہو گیا۔ اسمیں کوتاہی کرنا شریعتِ اسلامیہ کے خلاف ہے اور انسانی غیرت کا بھی یہی تقاضا ہے کہ جب نکاح کا مقصد حاصل ہو گیا تو بیوی کے حق میں کوتاہی اور ٹال مٹول نہ ہو۔

البتہ شریعت عورت کو یہ حق بھی دیتی ہے کہ مہر اگر معجل (نقد) ہے تو مہر کی وصولی تک وہ شوہر کے پاس جانے سے انکار کر سکتی ہے۔

مہر کی نقد اَدائیگی مسنون ہے

مہر کا نقد اَدا کرنا مسنون ہے اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عقدِ نکاح میں جتنی بھی عورتیں آئیں، آپ نے ان سب کا مہر نقد اَدا کر دیا، اُدھار نہیں رکھا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ یہ تھی کہ جس چیز کا دینا آپ کے ذمہ حائد ہوتا آپ اس کو فوراً اَدا کر کے سبکدوش ہو جاتے تھے۔ بلا ضرورت تاخیر نہیں فرماتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس معمول میں عام مسلمانوں کو بھی مہر کی نقد اَدائیگی کی ترغیب ہے: انا احللنا لک ازوجک الّتی آتیت اجورھن: ہم نے آپ کے لئے آپ کی یہ بیبیاں جن کو آپ ان کا مہر دے چکے ہیں حلال کی ہیں۔

مُتعہ حرام ہے!

پوری اُمت اہل سُنّت والجماعت کے نزدیک مُتعہ حرام ہے فما استمتعتم بہ منھن آیت میں لفظ استمتاع کا مادہ م، ت، ع ہے جس کے معنی کسی فائدے کے حاصل ہونے کے ہیں۔ کسی شخص یا مال سے کوئی فائدہ حاصل کیا تو اس کو استمتاع کہتے ہیں۔ عربی قواعد کی رُو سے کسی کلمہ میں س اور ت کا اضافہ کر دینے سے

طلب اور حصول کے معنی پیدا ہو جاتے ہیں۔ اس لغوی تحقیق کی بنا، پر فما استمتعتم کا سیدھا مطلب پوری اُمّت کے نزدیک وہی ہے جو مذکور ہُوا۔

مگر ایک فرقہ کے نزدیک اس سے اصطلاحی متعہ مُراد ہے اور ان لوگوں کے نزدیک یہ آیت متعہ کے حلال ہونے کی دلیل ہے حالانکہ جس کو مُتعہ کہتے ہیں اس کی صاف تردید قرآنِ کریم کی آیت بالا میں لفظ محصنین غیر مُسٰفحین سے ہورہی ہے۔

مُتعہ اصطلاحی جس کے جواز کا ایک فرقہ مدعی ہے یہ کہ ایک مرد کسی عورت سے یُوں کہے کہ اتنے دِن کیلئے اتنے پیسے یا فلاں جنس کے عوض میں تم سے متعہ کر رہا ہوں۔ اس اصطلاحی متعہ کا آیت سے کوئی تعلق نہیں محض مادہ اشتقاق کو دیکھ کر یہ فرقہ مدعی ہے کہ آیت سے حلّتِ مُتعہ کا ثبوت ہورہا ہے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ جب کم از کم دوسرے معنی بھی متحمل ہیں، گوکہ ہمارے نزدیک متعیّن ہیں تو ثبوت کا کیا راستہ ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ قرآن مجید نے محرّمات کا ذکر فرما کر یوں فرمایا ہے کہ ان کے علاوہ اپنے اصول کے ذریعہ حلال عورتیں تلاش کرو اس حال میں کہ پانی بہانے والے نہ ہو یعنی محض شہوت رانی مقصود نہ ہو اور ساتھ ہی ساتھ محصنین کی قید لگادی، یعنی یہ کہ عفت کا دھیان رکھنے والے ہوں۔ مُتعہ چونکہ مخصوص وقت کیلئے کیا جاتا ہے اس لئے اس میں حصول اولاد مقصود ہوتا ہے نہ گھر بار لبانا، نہ عفت و عصمت اور اسی لئے جس عورت سے مُتعہ کیا جاتا ہے اس کو فریق مخالف زوجہ وارثہ بھی قرار نہیں دیتا اور اس کو ازواجِ معروفہ کی گنتی میں بھی شمار نہیں کرتا اور چونکہ مقصد قضاء شہوت ہے اس لئے مرد عورت عارضی طور پر نئے نئے جوڑے تلاش کرتے ہیں، جب صُورتِ حال یہ ہے تو مُتعہ عفت و عصمت کا ضامن نہیں بلکہ دشمن ہے۔

مہر کے احکام

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوهُنَّ أَوْ تَفْرِضُوا لَهُنَّ فَرِيضَةً ۚ وَمَتِّعُوهُنَّ عَلَى الْمُوسِعِ قَدَرُهُ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهُ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِينَ وَإِنْ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ	تم پر کچھ مواخذہ نہیں اگر بیبیوں کو ایسی حالت میں طلاق دے دو کہ نہ ان کو تم نے ہاتھ لگایا ہے نہ ان کیلئے مہر مقرر کیا ہے اور ان کو ایک جوڑا دے دو، صاحب وُسعت کے ذمّہ اس کی حیثیت کے موافق ہے اور تنگ دست کے ذمّہ اس کی حیثیت کے موافق جوڑا دینا

قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَا الَّذِىْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ○

(سورۃ البقرہ آیت ۲۳۶ و ۲۳۷)

قاعدہ کے موافق واجب ہے، خوش معاملہ لوگوں پر اور اگر تم ان بیبیوں کو طلاق دو قبل اس کے کہ ان کو ہاتھ لگاؤ اور ان کے لئے کچھ مہر بھی مقرر کر چکے تھے۔ تو جتنا مہر تم نے مقرر کیا ہو اس کا نصف ہے، مگر یہ کہ وہ عورتیں معاف کر دیں یا یہ کہ وہ شخص رعایت کر دے جس کے ہاتھ میں نکاح کا تعلق ہے اور تمہارا معاف کر دینا تقویٰ سے زیادہ قریب ہے اور آپس میں احسان کرنے سے غفلت مت کرو۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمہارے سب کاموں کو خوب دیکھتے ہیں۔

لفظ مَسّ کی تحقیق

مس کے حقیقی معنی ہاتھ لگانا اور مجازی معنی جماع کے ہیں اور آیت ھذا مالم تمسوھن میں بالاجماع مجازی معنی مراد ہیں۔ مفسرین کرام نے مالم تمسوھن کی تفسیر مالم تجامعوھن سے کی ہے۔

خلوۃ صحیحہ وطی کے حکم میں ہے۔

احناف کے نزدیک خلوۃِ صحیحہ وطی کے حکم میں ہے لیکن امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا اس میں اختلاف ہے اگر خاوند نے بیوی سے خلوۃِ صحیحہ کی لیکن وطی نہ کی تب بھی ہمارے نزدیک پورا مہر واجب ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نصف مہر واجب ہے۔

مُتعہ کا وجوب

مطلقہ غیر مدخولہ جس کا مہر مقرر نہ کیا گیا ہو کو متعہ دینا واجب ہے۔ صاحب ہدایہ نے بھی اسی کو دلیل بنایا ہے وہ کہتے ہیں کہ اگر خاوند، بیوی کو دخول سے پہلے طلاق دے دے تو اسے متعہ ملے گا علی سبیل الوجوب۔ ومتعوھنّ اور ان کو ایک جوڑا دے دو۔ ہمارے نزدیک متعہ ایک بڑی چادر قمیص اور دوپٹہ ہے اور اس کے علاوہ ہر مطلقہ کیلئے متعہ مستحب ہے۔

متعہ خاوند کے حال کے مطابق ہوگا

اگر شوہر خوشحال ہے تو اس کی حیثیت کے مطابق متعہ قیمتی ہوگا اور اگر شوہر تنگدست ہے تو اس کی حیثیت کے مطابق متعہ واجب ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے وعلی الموسع قدرہ وعلی المقتر قدرہ۔ حضرت عائشہ الصدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی ایسے ہی مروی ہے۔

نصف مہر کا وجوب

اگر خاوند بیوی کو دخول سے پہلے طلاق دیدے اور نکاح کے وقت مہر بھی مقرر کیا تھا تو ایسی صورت میں آدھا مہر واجب ہے۔ فنصف ما فرضتم یعنی اگر تم عورتوں کو دخول سے پہلے طلاق دو، درآنحالیکہ نکاح کے وقت تم نے مہر مقرر کر دیا تھا تو تم پر مہر مقرر کا نصف ادا کرنا لازم ہے۔

مہر کی معافی کا اختیار

مہر مثل کی معافی کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ اگر وہ عورتیں ثیبہ بالغہ ہوں اور مہر معاف کر دیں تو اس صورت میں مہر بالکل لازم نہیں ہوتی یا بقول امام مالک و امام شافعی رحمہما اللہ اگر عورتیں باکرہ نابالغہ ہوں تو ان کے اولیا جن کے اختیار میں عقد نکاح ہے معاف کر دیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے الا ان یعفون او یعفوا الذی بیدہ عقدۃ النکاح۔ یہ حکم سابقہ حکم سے بطور استثناء مذکور ہے احناف کے نزدیک اس سے مراد خاوند ہیں کیونکہ عقد نکاح دراصل خاوند کے اختیار میں ہوتا ہے۔ اس صورت میں معافی کا مطلب تفضل یعنی پورا مہر ادا کرنا ہے۔ حاصل کلام کا یہ ہے کہ خاوندوں کو خطاب ہے کہ تم پر نصف مہر واجب ہے اگر عورت معاف کر دے اور کچھ بھی نہ لے تو بالکل واجب نہیں یا یہ کہ خاوند تبرعاً بجائے نصف کے پورا مہر دے دے اگرچہ اس پر واجب نصف ہی ہے۔

مہر میں معافی تقویٰ کے زیادہ قریب ہے

اللہ تبارک و تعالیٰ نے مرد و عورت دونوں کو معافی کا خطاب فرمایا ہے کہ عورت کا بالکل مہر نہ لینا اس کے حق میں اقرب

تقویٰ ہے اور مرد کا پورا مہر دینا اس کے حق میں اقرب للتقویٰ ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ وان تعفوا اقرب للتقویٰ۔ اور تمہارا معاف کر دینا تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔

زوجین میں سے ہر ایک کو دوسرے کیساتھ مہربانی کرنے کا حکم

طلاق کے بعد خاوند و بیوی کو مہر کے دینے یا لینے میں اس بات کا خیال رکھنا چاہیئے مرد یہ خیال کرے کہ یہ عورت میرے عقدِ نکاح میں تھی لیکن اب یہ میرے وصال سے محروم و مایوس ہو گئی لہٰذا مجھے چاہیئے کہ میں اس کو پورا مہر دوں اور اس کا دل خوش کر دوں۔ اسی طرح عورت سوچے کہ مرد نے مجھ سے کوئی تمتع نہیں کیا لہٰذا مناسب یہی ہے کہ میں اس سے کچھ نہ لوں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ ولا تنسوا الفضل بینکم۔ اور آپس میں احسان کرنے سے غفلت مت کرو۔

شوہر کی طرف سے مہر کی ادائیگی اور عورت کا معاف کرنا۔

وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْٓـًٔا مَّرِيْٓـًٔا۔ (سورۃ النساء آیت ۴)

اور تم لوگ بیبیوں کو اُن کے مہر خوش دلی سے دیدیا کرو۔ ہاں اگر وہ بیبیاں خوش دلی سے چھوڑ دیں تم کو اس مہر میں کا کوئی جز، تو تم اس کو کھاؤ مزہ دار اور خوشگوار سمجھ کر۔

اس آیت میں دو چیزوں کا بیان ہے ایک یہ کہ مرد اپنی بیوی کو مہر ادا کرے اس کے وارثوں کو نہیں، دوسرے یہ کہ عورت چاہے تو مرد کو مہر معاف کر سکتی ہے یا ہبہ کر سکتی ہے۔

شوہر کو مہر کی ادائیگی کا حکم

مہر کے متعلق عرب میں کئی قسم کے ظلم ہوتے تھے ایک یہ کہ مہر جو لڑکی کا حق ہے اس کو نہ دیا جاتا تھا بلکہ لڑکی کے اولیاء شوہر سے وصول کر لیتے تھے جو سراسر ظلم تھا اس کو دفع کرنے کے لئے قرآنِ کریم نے فرمایا۔ واٰتوا النساء صدقٰتھن نحلۃ یعنی عورتوں کو مہر خوشدلی سے دے دیا کرو۔

اس آیت کے مخاطب شوہر بھی ہیں کہ وہ اپنی بیوی کا مہر خود بیوی کو دیں، دوسروں کو نہ دیں۔ اور لڑکیوں کے

اولیا بھی مخاطب ہیں کہ اگر لڑکیوں کے مہر ان کو وصول ہو جائیں تو لڑکیوں ہی کو دے دیں۔ ان کی اجازت کے بغیر اپنے تصرف میں نہ لائیں۔

عورتوں کی طرف سے مہر کی معافی،

اگر عورتیں خوشی سے تمہیں مہر معاف کر دیں تو تم اُسے کھا سکتے ہو اس میں کوئی گناہ ہے اور نہ ہی تم پر اس کا ادا کرنا لازم ہے۔ فان طبن لکم عن شیٔ منه نفسا فکلوه هنیئاً مریئاً۔ پس اگر وہ بیبیاں خوش دلی سے چھوڑ دیں تم کو اس مہر میں کا کوئی جز تو تم اس کو کھاؤ مزہ دار اور خوش گوار سمجھ کر۔" نبی علیہ السلام سے اس آیت کی یہی تفسیر منقول ہے۔

لفظ صدقات کی تحقیق

صدقات: صدقۃ کی جمع ہے اور اس کا معنی مہر ہے۔ اسے صدقہ اس بنا پر کہا گیا ہے کہ اس سے مرد کا اپنی بیوی کے ساتھ محبت کے دعویٰ کی تصدیق ہوتی ہے معلوم ہوا کہ صدقاتھن بمعنی مھورھن ہے۔

بکریوں کے ریوڑہ کی چرواہی مہر بن سکتی ہے!

قَالَ اِنِّیْۤ اُرِیْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَى ابْنَتَیَّ هٰتَیْنِ عَلٰۤى اَنْ تَاْجُرَنِیْ ثَمٰنِیَ حِجَجٍ فَاِنْ اَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ وَمَاۤ اُرِیْدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَیْكَ سَتَجِدُنِیْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ قَالَ ذٰلِكَ بَیْنِیْ وَبَیْنَكَ اَیَّمَا الْاَجَلَیْنِ قَضَیْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَیَّ وَاللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِیْلٌ۔

(سورۃ القصص آیت ۲۷ و ۲۸)

وہ کہنے لگے میں چاہتا ہوں کہ ان دو لڑکیوں میں سے ایک کو تمہارے ساتھ بیاہ دوں، اس شرط پر کہ تم آٹھ سال میری نوکری کرو، پھر اگر تم دس سال پورے کر دو تو یہ تمہاری طرف سے ہے اور میں تم پر کوئی مشقت ڈالنا نہیں چاہتا تم مجھ کو ان شاء اللہ خوش معاملہ پاؤ گے موسیٰ کہنے لگے یہ بات میرے اور آپ کے درمیان ہو چکی ان دونوں مدتوں میں سے جس کو بھی پورا کر دوں مجھ پر کوئی جبر نہ ہوگا اور ہم جو بات چیت کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ اس کا گواہ ہے۔

لڑکی کے نکاح کی خود پیشکش کرنا انبیاءؑ کی سنّت ہے

لڑکی کے نکاح کے لئے والد کا خود پیش کش کرنا انبیاء علیہم السلام کی سنّت ہے جیسا کہ حضرت شعیب علیہ السلام نے خود ہی اپنی طرف سے اپنی لڑکیوں میں سے ایک کا موسیٰ علیہ السلام کے نکاح میں دینے کا ارادہ ظاہر فرمایا، اس سے معلوم ہوا کہ لڑکیوں کے ولی کو چاہیئے کہ کوئی مرد صالح ملے تو اس انتظار میں نہ رہے کہ اس کی طرف سے نکاح کے معاملہ کی تحریک ہو بلکہ خود بھی پیش کش کرنا انبیاء علیہم السلام کی سنّت ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: قَالَ إِنِّي أُرِيدُ أَنْ أُنكِحَكَ إِحْدَى ابْنَتَيَّ هَاتَيْنِ اسی طرح حضرت عمرؓ نے اپنی صاحبزادی حضرت حفصہؓ کے بیوہ ہو جانے کے بعد از خود صدیقِ اکبر اور عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو ان کے نکاح کی پیش کش کی تھی۔

بکریوں کا چرانا مہر بن سکتا ہے !

قرآنِ کریم نے حضرت شعیب علیہ السلام کا واقعہ بیان کیا ہے جس میں انہوں نے اپنی ایک بیٹی کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ نکاح کے لئے آٹھ سال بکریاں چرانا مہر مقرر کیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ عَلَىٰ أَنْ تَأْجُرَنِي ثَمَانِيَ حِجَجٍ یہ قصہ بیان کرنے کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کی تردید نہیں فرمائی۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ جب قرآنِ کریم پہلی شریعتوں میں سے کوئی واقعہ بیان کرے اور تردید نہ کرے تو وہ حکم ہمارے لئے بھی واجب العمل ہوتا ہے اس کے پیشِ نظر ہماری شریعت میں بھی بکریاں چرانا مہر بن سکتا ہے لیکن اس کے سوا کوئی اور خدمت ہو تو پھر اگر منکوحہ کی خدمت ہے تو یہ مہر نہیں بن سکتی ہے۔ اور اگر کسی اور کی خدمت ہو تو مہر ہو سکتی ہے۔ اور واقعہ مذکورہ میں بھی یہی صورت ہے کہ شعیب علیہ السلام کی خدمت کرنا مہر مقرر ہوا ہے۔ منکوحہ کی خدمت کرنا مہر مقرر نہیں ہوا۔

مہر دے کر واپس لینا منع ہے۔

وَإِنْ أَرَدتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ وَآتَيْتُمْ إِحْدَاهُنَّ قِنطَارًا فَلَا تَأْخُذُوا مِنْهُ شَيْئًا.
(سورۃ النساء۔ آیت نمبر۲۰)

اور اگر تم ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی کرنا چاہو۔ یعنی بغیر نافرمانی کرنے اور مرتکب زنا ہونے کے اگر کسی بیوی کو طلاق دے کر تم دوسری عورت سے نکاح

کرنا چاہو اور بیویوں میں سے کسی بیوی کو تم نے ڈھیروں مال دیدیا ہو تو دیئے ہوئے مال میں سے کچھ واپس نہ لو۔

زیادہ مہر مقرر کرنا جائز ہے۔

مہر زیادہ مقرر کرنا جائز ہے اس لئے کہ شارع نے مہر کی ادنیٰ مقدار تو بیان کی ہے کہ دس دراہم ہوں مگر زیادہ کی کوئی حد بندی نہیں کی، ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ واٰتیتم احداھن قنطارا فلا تأخذوا منه شیئاً۔ قنطار کا معنی مالِ کثیر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مہر میں دیئے ہوئے کثیر مال میں سے کچھ واپس نہ لو۔

ابن جریر نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کی تشریح میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نقل کیا ہے کہ: ایک ہزار دو سو قنطار ہے۔ اس آیت سے ظاہر ہو رہا ہے کہ شارع کے نزدیک کثرتِ مہر کی کوئی حد بندی نہیں ہے۔ اسی پر اجماع ہے۔ ایسے ہی جب حضرت عمرؓ نے زیادہ مہر مقرر کرنے کی ممانعت کی تو ایک عورت نے اسی آیت سے کثرتِ مہر کے جواز پر استدلال کیا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس دلیل کو سن کر فرمایا کہ عمر سے ہر شخص دینی سمجھ زیادہ رکھتا ہے یہاں تک کہ پردہ نشین عورتیں بھی۔

کتابیہ کیساتھ نکاح جائز ہے خواہ کنیز ہو یا آزاد،

وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِکُمْ اِذَآ اٰتَیْتُمُوْھُنَّ اُجُوْرَھُنَّ مُحْصِنِیْنَ غَیْرَ مُسٰفِحِیْنَ وَلَا مُتَّخِذِیْٓ اَخْدَانٍ (المائدۃ)

اور پارسا عورتیں بھی مسلمان ہوں اور پارسا عورتیں ان لوگوں میں سے بھی ہوں جو تم سے پہلے کتاب دیئے گئے ہیں جب کہ تم ان کو ان کا معاوضہ دیدو اس طرح سے تم بیوی بناؤ نہ تو علانیہ بدکاری کرو اور نہ خفیہ آشنائی کرو۔

جمہور صحابہؓ و تابعینؒ کے نزدیک اس جگہ مُحْصَنٰت کے معنی عفیفہ و پاکدامنہ عورتوں کے ہیں اور آیت کی مراد یہ ہے کہ جس طرح عفیفہ و پاکدامنہ مسلمان عورتوں سے نکاح جائز ہے۔ اسی طرح اہلِ کتاب کی عفیفہ و پاکدامنہ عورتوں سے بھی نکاح جائز ہے اس لئے اس جملہ کا خلاصہ مضمون یہ ہوا کہ مسلمان کے لئے حلال ہے کہ کسی مسلمان عورت سے نکاح کرے یا اہل کتاب کی عورت سے البتہ دونوں صورتوں میں اس کا لحاظ رکھنا چاہیئے کہ عفیفہ و پاکدامنہ عورت سے نکاح کرے۔ بدکار ناقابلِ اعتماد عورت سے نکاح کا رشتہ جوڑنا دین اور دنیا دونوں کی تباہی ہے اس سے

بچنا چاہیئے، اس آیت میں اہلِ کتاب کی قید سے باجماعِ اُمت یہ ثابت ہوگیا کہ جو غیر مُسلم اہل کتاب میں داخل نہیں ان کی عورتوں سے نکاح حلال نہیں۔

نکاح کے معنی میں معتزلہ کا استدلال اور اُس کا جواب

پھر اگر کوئی طلاق دیدے عورت کو تو پھر وہ اس کے لئے حلال نہ رہے گی اس کے بعد یہاں تک کہ وہ اس کے سوا ایک اور خاوند کے ساتھ نکاح کرے۔	فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ۔ (سورۃ البقرۃ آیت نمبر ۲۳۰)

نِکاح کا لُغوی معنی

نکاح کا لُغوی معنی وطی ہے اور مجازی معنی عقد ہے اور یہاں مجازی معنی ہی مُراد ہے اس لئے کہ یہاں نکاح کی اضافت عورت کی طرف ہے اور عورت وطی کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔ لہٰذا معلوم ہُوا کہ نکاح سے مُراد وطی نہیں بلکہ عقد ہے اور مطلقہ عورت کے زوجِ اوّل کے لئے حلال ہونے کی شرط صرف زوجِ ثانی سے نکاح کرنا مفہوم ہوتا ہے مطلب یہ ہے کہ زوجِ اوّل سے نکاح کی حُرمت زوجِ ثانی سے نکاح کرنے کے ساتھ انتہا کو پہنچ گئی۔ اب زوج ثانی کے طلاق دینے کے بعد اس عورت کا زوجِ اوّل سے نکاح حلال ہے وطی ضروری نہیں۔

جمہور علماء کے نزدیک وطی بھی شرط ہے اور یہ وطی کا شرط ہونا حدیثِ مشہور سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت رفاعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں پھر اس نے حضرت عبدالرحمٰن بن زبیر رضؓ سے نکاح کرلیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عبدالرحمٰن بن زبیرؓ پر عنین یعنی نامرد ہونے کی تہمت لگائی اور کہا ما وجدت الا ھذہ ثوبی ھذا چنانچہ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ کیا تو دوبارہ رفاعہ کے پاس جانا چاہتی ہے۔ اس عورت نے کہا جی ہاں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اُس وقت تک نہیں جاسکتی جب تک کہ تو اُس کا شہد نہ چکھے اور وہ تیرا شہد نہ چکھے۔ الحدیث مذکور سے معلوم ہُوا کہ زوجِ اوّل کیلئے حلال ہونے میں زوجِ ثانی کا وطی کرنا بھی شرط ہے۔

بعض حضرات نے کہا کہ نکاح بمعنی وطی پر خود آیت مذکورہ دلالت کررہی ہے اس لئے کہ آیت میں دو لفظ مذکور ہیں۔ ایک لفظ نکاح جو تنکح سے مستفاد ہے اور دوسرا لفظ زوجا تو اگر نکاح عقد کے معنی میں ہو اور لفظ زوج

بھی عقد کے معنی پر دلالت کر رہا ہے۔ تو اس طرح تکرارِ عقد لازم آتا ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ تنکح بمعنی توطا یعنی وطی کرنا مُراد لیا جائے اور زوجاً سے مُراد عقد ہو اب رہا یہ مسئلہ کہ عورت کا وطی کرنے والی ہونا ناممکن ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ عورت کے وطی کرنے سے مُراد یہ ہے کہ عورت زوج کو وطی کرنے پر قدرت دے۔

آزاد عورت سے نکاح کی طاقت نہ ہو تو کنیز کے ساتھ مولیٰ کی اجازت سے نکاح کر سکتا ہے

وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ

(سُورۃ النسآء آیت ۲۵)

اور جو شخص تم میں سے پُوری مقدرت اور گنجائش نہ رکھتا ہو آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح کرنے کی تو وہ اپنے آپس کی مسلمان لونڈیوں سے جو کہ تم لوگوں کی مملوکہ ہیں نکاح کر لے اور تمہارے ایمان کی پُوری حالت اللہ ہی کو معلوم ہے تم سب آپس میں ایک دوسرے کے برابر ہو سو ان سے نکاح کر لیا کرو ان کے مالکوں کی اجازت سے۔

آزاد عورت سے نکاح پر عدمِ قدرت کے وقت باندی سے نکاح کرنا جائز ہے

جس شخص کو آزاد عورتوں سے نکاح کرنے کی قُدرت نہ ہو یا اس کا سامان میسر نہ ہو تو وہ مؤمن باندیوں سے نکاح کر سکتا ہے۔ ومن لم یستطع منکم طولا ان ینکح المحصنت المؤمنت فمن ما ملکت ایمانکم من فتیٰتکم المؤمنت۔ آیت میں طول سے مُراد قدرت اور غنا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاں تک ممکن ہو آزاد عورت ہی سے نکاح کرنا چاہیئے، باندی سے نکاح نہ کرے اگر باندی سے بامرِ مجبوری نکاح کرنا پڑ ہی جائے تو مؤمن باندی تلاش کرے۔

مملوکہ باندیوں سے نکاح حلال ہے

کافر کی منکوحہ باندی بن کر دارالاسلام میں آجائے تو اس سے نکاح کرنا جائز ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ الا ما ملکت ایمانکم۔ یہ جملہ آیت کے سابقہ جُملہ والمحصنت سے استثنا ہے۔ مطلب آیت کا یہ ہے کہ شوہر والی بیویوں سے کسی دوسرے شخص کا نکاح کرنا جائز نہیں مگر یہ کہ کوئی عورت مملوکہ باندی بن کر آجائے جس کی صُورت یہ ہے کہ

مسلمانوں نے دارالحرب کے کافروں سے جہاد کیا اور وہاں سے کچھ عورتیں قید کرکے لے آئے۔ ان عورتوں میں سے جو عورت دارالاسلام میں لائی گئی اور اس کا شوہر دارالحرب کے اندر رہ گیا تو اس عورت کا نکاح دارالاسلام میں آنے سے اپنے سابق شوہر سے ختم ہو گیا۔ اب یہ عورت کتابیہ یا مسلمہ ہو تو اس سے دارالاسلام کا کوئی شخص بھی جو مسلمان ہو نکاح کر سکتا ہے اور اگر امیرالمومنین اس کو باندی بنا کر کسی فوجی سپاہی کو مالِ غنیمت کی تقسیم میں دیدے تب بھی اس سے استمتاع جائز ہے۔ مگر یہ نکاح اور استمتاع ایک حیض آنے کے بعد جائز ہے اور اگر عورت حاملہ ہے تو استمتاع کیلئے وضع حمل ضروری ہے۔

جن عورتوں سے نکاح کرنا جائز ہے

جن محرمات کا پہلے ذکر ہو چکا ہے ان کے علاوہ دوسری عورتیں تمہارے لئے حلال ہیں واحل لکم ما ورآء ذالکم۔ مثلاً چچا کی لڑکی، خالہ کی لڑکی، ماموں کی لڑکی۔ ماموں و چچا کی بیوی۔ ان کی وفات یا طلاق دینے کے بعد بشرطیکہ مذکورہ اقسام کسی اور رشتہ سے محرم نہ ہوں۔ اسی طرح اپنے منہ بولے بیٹے کی بیوی جبکہ وہ طلاق دے دے یا وفات پا جائے ایسے ہی بیوی کے انتقال کے بعد اس کی بہن سے نکاح کرنا جائز ہے۔ یہ بے شمار صورتیں بنتی ہیں جن کو ما ورآء ذالکم کے عموم میں داخل فرما دیا۔

باندیوں سے جوازِ نکاح کیلئے ان کے مالکوں کی اجازت ضروری ہے

باندیوں سے نکاح ان کے مالکوں کی اجازت سے کرنا چاہیئے کیوں کہ ان کی اجازت کے بغیر باندیوں سے نکاح صحیح نہ ہوگا اس لئے کہ باندی کو خود اپنے نفس پر ولایت حاصل نہیں۔ یہی حکم غلاموں کا بھی ہے کہ وہ اپنے آقا کی اجازت کے بغیر نکاح نہیں کر سکتے۔

نکاح کیلئے پاک دامن باندیاں تلاش کرنا

نکاح کیلئے پاک دامن باندیوں کو تلاش کرنا چاہیئے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: محصنٰت غیر مسافحٰت ولا متخذات اخدان: مفہوم آیت کا یہ ہے کہ باندیوں سے نکاح کرو اس حال میں کہ وہ پاک دامن ہوں نہ وہ مسافحات (یعنی علانیہ زنا کرانے والی) ہوں اور نہ متخذات اخدان (خفیہ طریقہ پر آشنا رکھنے والی) ہوں، گو اس جگہ پر باندیوں کے بارے میں فرمایا کہ نکاح کیلئے پاک دامن باندیوں کو تلاش کرو۔

لفظ ھبہ سے نکاح کا انعقاد !

يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِيْٓ اٰتَيْتَ اُجُوْرَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ مِمَّآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلَيْكَ وَبَنٰتِ عَمِّكَ وَبَنٰتِ عَمّٰتِكَ وَبَنٰتِ خَالِكَ وَبَنٰتِ خٰلٰتِكَ الّٰتِيْ هَاجَرْنَ مَعَكَ وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ

سورۃ الاحزاب، آیت ۴۹

اے نبی! ہم نے آپ کے لئے آپ کی یہ بیبیاں جن کو آپ ان کے مہر دے چکے ہیں۔ حلال کی ہیں اور وہ عورتیں بھی جو تمہاری مملوکہ ہیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو غنیمت میں دلوادی ہیں اور آپ کے چچا کی بیٹیاں اور آپ کی پھوپھیوں کی بیٹیاں اور آپ کے ماموں کی بیٹیاں اور آپ کی خالاؤں کی بیٹیاں بھی جنہوں نے آپ کے ساتھ ہجرت کی ہو، اور اس مسلمان عورت کو بھی جو بلا عوض اپنے کو پیغمبر کو دے دے۔ بشرطیکہ پیغمبر اس کو نکاح میں لانا چاہیں۔ یہ سب کچھ آپ کے لئے مخصوص کئے گئے ہیں نہ اور مؤمنین کیلئے۔

یعنی بلا مہر نکاح کرنا مختص بالنبی علیہ السلام ہے اور لفظ ھبہ کے ساتھ عندالاحناف تمام مؤمنین کا نکاح ہو سکتا ہے۔

نبی علیہ السلام کیلئے چار سے زیادہ بیویوں کی حلت !

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بیک وقت چار سے زائد بیویوں کو نکاح میں جمع کرنا حلال کر دیا گیا۔ جبکہ عام مسلمانوں کیلئے بیک وقت چار سے زائد عورتوں کو نکاح میں جمع کرنا حلال نہیں یٰاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِيْٓ اٰتَيْتَ اجورھن یعنی ہم نے حلال کر دیا آپ کے لئے آپ کی موجودہ سب ازواج کو جن کے مہر آپ نے ادا کر دیئے ہیں۔ چونکہ مہر کی ادائیگی کے بعد بیویوں کے حلال ہونے کا حکم تو بظاہر تمام مسلمانوں کیلئے عام ہے آپ کی خصوصیت نہیں بلکہ چار سے زائد عورتوں کو نکاح میں جمع کرنے کا حلال ہونا آپ کی خصوصیت ہے جو عام مسلمانوں کیلئے جائز نہیں، اسی خصوصیت کو بیان کرنے کے لئے آیت نازل ہوئی کیونکہ آیت کے نزول کے وقت آپکے نکاح میں چار سے زائد عورتیں موجود تھیں، لہٰذا اللہ تبارک تعالیٰ نے حکم نازل فرمادیا کہ ہم نے آپ کے لئے آپ کی موجودہ سب ازواج کو جن کے مہر آپ نے ادا کر دیئے حلال کر دیا۔

خلاصہ

اِس آیت میں وجوب مہر و عدم وجوب کی چار قسمیں مذکور ہیں۔

(۱) عورت مدخولِ بہا ہو گی۔

(۲) غیر مدخولِ بہا ہو گی۔ پھر ان میں سے ہر ایک کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) مدخول بہا ہو اور عند العقد مہر بھی مقرر کی ہو، تو اس صورت میں جو مہر آپس میں مقرر کی ہے شوہر پر دینی واجب ہو گی بشیر طیکہ دس دراہم سے کم نہ ہو۔

(۲) عورت مدخول بہا ہو اور مہر یا تو مقرر نہیں کی یا مہر کی نفی کر دی تو اس صورت میں مہر مثل واجب ہو گی اور اگر مہر دس دراہم سے کم مقرر کی تھی تو دس دراہم کا دینا واجب ہے اور ان صورتوں میں مہر کے ساتھ متعہ بھی یعنی تین کپڑے دینا مستحب ہے اور اگر عورت غیر مدخول بہا ہو اور مہر مقرر نہ کی ہو تو اس صورت میں مہر تو واجب نہیں ہو گا۔ مگر متعہ واجب ہے۔ اور اگر عورت غیر مدخول بہا ہے اور عند العقد مہر بھی مقرر کی تھی تو عند الطلاق نصف مہر واجب ہو گی اور اس صورت میں متعہ جائز نہیں۔

دخول سے قبل طلاق دینے میں مہر واجب نہیں

اگر بیوی کو دخول سے پہلے ہی طلاق دے دی اور مہر بھی مقرر نہ کیا ہو تو ایسی صورت میں مہر واجب نہیں ہو گا۔
ارشاد باری تعالیٰ ہے: لاجناح علیکم ان طلقتم النساء ما لم تمسوهن او تفرضوا لهن فریضة۔ مطلب یہ ہے کہ مطلقہ غیر مدخولہ کا اگر مہر مقرر نہیں تو واجب بھی نہیں۔ کیونکہ اگر مطلقہ مدخولہ ہے تو پھر یا تو مہر مقرر واجب ہے یا مہر مثل یا دس دراہم اور جیسا کہ اگلی آیت میں مذکور ہے کہ اگر غیر مدخولہ ہے۔ اور مہر مقرر ہے تو اسے مہر مقرر کا نصف ملے گا جیسا کہ کتب فقہ میں مفصل مذکور ہے۔

لہٰذا اس آیت سے معلوم ہوا کہ اگر مہر مقرر نہ کیا ہو اور دخول بھی نہ کیا ہو تو مہر واجب نہیں۔

مملوکہ کنیزوں کا حلال ہونا

اللہ تبارک و تعالیٰ نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے توسط سے مملوکہ کنیزیں یعنی ان عورتوں کو جو آپ کی ملک میں ہوں یا جن کا اللہ تعالیٰ نے آپ کو مالک بنایا ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور پوری اُمّت کے لئے حلال کر دیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وما ملکت یمینک ممّا افاء اللہ علیک ۝ ۔ اور وہ عورتیں بھی جو تمہاری مملوکہ ہیں اور جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو غنیمت میں دلوادی ہیں۔

آیت میں لفظ افاء فئی سے مشتق ہے۔ اصطلاحی معنی کے لحاظ سے فئی اُس مال کو کہا جاتا ہے جو کفّار سے بغیر جنگ بطور مصالحت کے حاصل ہو جائے اور کبھی مطلق مالِ غنیمت کو بھی لفظ فئی سے تعبیر کیا جاتا ہے

آیت میں لفظ فئی کسی شرط کے طور پر مذکور نہیں کہ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کیلئے صرف وہ کنیز حلال ہوگی جو مال غنیمت یا فئی میں سے آپ کے حصّہ میں آئی بلکہ جسکو آپ نے قیمت دیکر خریدا ہو وہ بھی حلال ہے۔ بظاہر یہ حکم پوری اُمت کیلئے ہے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ اس کا اختصاص و امتیاز نہیں یعنی جو کنیز بھی مال غنیمت میں سے جس کے حصّہ میں بھی آئے یا جسکو قیمت دیکر خریدی وہ اُن کیلئے حلال ہے۔ علماء کرام نے کئی اعتبار سے اس حکم کی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ تخصیص فرمائی ہے۔

چچا پھوپھی ماموں اور خالہ کی لڑکیوں سے نکاح حلال ہے

رسول کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم اور آپ کے توسط سے پوری امت کیلئے چچا اور پھوپھی کی لڑکیاں، اسیطرح ماموں اور خالہ کی لڑکیاں حلال کر دی گئیں قرآن مجید کا ارشاد ہے وبنٰت عمك وبنٰت عمّٰتك وبنٰت خالك وبنٰت خالٰتك الّتی هاجرن معك ترجمہ اور آپ کے چچا کی بیٹیاں، اور آپ کی پھوپھیوں کی بیٹیاں اور آپ کے ماموں کی بیٹیاں اور آپ کی خالاؤں کی بیٹیاں بھی جنہوں نے آپ کیساتھ ہجرت کی ہو۔ چچا پھوپھی میں باپ کے خاندان کی سب لڑکیاں اور ماموں و خالہ میں ماں کے خاندان کی سب لڑکیاں شامل ہیں اور اُن کے ساتھ نکاح کا

حلال ہونا صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص نہیں بلکہ یہ حکم سب مسلمانوں کے لئے عام ہے۔

لفظ ھبہ سے نکاح کا انعقاد

مطلب یہ ہے کہ کوئی مسلمان عورت لفظ نکاح کے بجائے لفظ ھبہ بول کر اپنے نفس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے ھبہ کردے یعنی بغیر مہر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کرنا چاہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس سے نکاح کا ارادہ کریں تو آپ کیلئے بغیر مہر بھی نکاح کرنا حلال ہے۔ وامرۃ مومنۃ ان وھبت نفسھا للنبی ان اراد النبی ان یستنکحھا خالصۃ لک من دون المؤمنین اور یہ حکم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے دوسرے مؤمنین کیلئے بغیر مہر کے نکاح کرنا جائز نہیں۔ مگر لفظ نکاح کے بجائے لفظ ھبہ کے ساتھ نکاح کا حلال ہونا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص نہیں بلکہ جسطرح لفظ ھبہ کے ساتھ آپ کا نکاح حلال ہے اسیطرح دوسرے مسلمانوں کا نکاح بھی حلال ہے۔

کتابیات سے نکاح کا حکم

عام مسلمانوں کیلئے اہلِ کتاب یعنی یہود و نصاریٰ کی عورتوں (کتابیات) سے نکاح نصِ قرآن حلال ہے۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے عورت کا مؤمنہ ہونا شرط ہے جیسا کہ قرآن مجید کی آیت وامرأۃ مؤمنۃ میں مومنہ کی قید سے یہ حکم معلوم ہو رہا ہے۔ یعنی آپ کیساتھ نکاح کے حلال ہونے کیلئے عورت کا مؤمنہ ہونا شرط ہے کتابیات سے آپ کا نکاح نہیں ہوسکتا۔

کتابیات سے نکاح کا ثبوت

اہلِ کتاب کی پاکدامن عورتوں سے نکاح جائز ہے والمحصنٰت من الذین اوتوا الکتٰب من قبلکم اور پارسا عورتیں ان لوگوں میں سے جو تم سے پہلے کتاب دیئے گئے جمہور علماء صحابہ و تابعین کے نزدیک اس جگہ محصنٰت کا معنی عفیفہ و پاکدامنہ عورتوں کے ہیں اور آیت کی مراد یہ ہے کہ جسطرح عفیفہ پاکدامنہ عورتوں سے نکاح جائز ہے اسی طرح اہل کتاب کی عفیفہ و پاکدامنہ عورتوں سے بھی نکاح جائز ہے۔

مؤمنین و مؤمنات کا مشرکین و مشرکات کے ساتھ نکاح کرنا حرام ہے

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ وَاللّٰهُ يَدْعُوْا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ع

(سورۃ البقرہ آیت ۲۲۱)

اور نکاح مت کرو کافر عورتوں کے ساتھ جب تک کہ وہ مسلمان نہ ہو جائیں اور مسلمان عورت لونڈی بہتر ہے کافر عورت سے گو وہ تم کو اچھی ہی معلوم ہو۔ اور عورتوں کو کافر مردوں کے نکاح میں مت دو جب تک کہ وہ مسلمان نہ ہو جائیں اور مسلمان مرد بہتر ہیں کافر مرد سے گو وہ تم کو اچھا ہی معلوم ہو یہ لوگ دوزخ کی تحریک دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ جنت اور مغفرت کی تحریک دیتے ہیں اپنے حکم سے اور اللہ تعالیٰ اس واسطے آدمیوں کو اپنے احکام بتلا دیتے ہیں تاکہ وہ لوگ نصیحت پر عمل کریں۔

خلاصہ مذکورہ آیت میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے ایک اہم مسئلہ بیان فرمایا ہے کہ مسلمان مردوں کا نکاح کافر عورتوں سے اور کافر مردوں کا نکاح مسلمان عورتوں سے جائز نہیں وجہ یہ ہے کہ کافر مرد اور عورتیں انسان کو جہنم کیطرف لے جانے کا سبب بنتے ہیں۔ کیونکہ ازدواجی تعلقات آپس میں محبت، مودت اور یگانگت کو چاہتے ہیں اس لئے ان تعلقات کے بغیر اصل مقصد پورا نہیں ہوتا۔ اور مشرکین کے ساتھ اسقدر تعلقات قریبہ، مودت اور محبت کا لازمی اثر یہ ہوتا ہے کہ ان کے دل میں بھی کفر اور شرک کیطرف میلان پیدا ہو یا کم از کم کفر اور شرک کی نفرت ان کے دل سے نکل جائے اور اسکا انجام یہ ہے کہ یہ بھی کفر اور شرک میں مبتلا ہو جائیں جسکا نتیجہ جہنم ہے۔ اس لئے فرمایا کہ یہ لوگ جہنم کیطرف دعوت ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ انسان کو جنت اور مغفرت کیطرف دعوت دیتا ہے۔ اور صاف صاف اپنے احکام بیان فرما دیتا ہے تاکہ لوگ نصیحت پر عمل کریں۔

زانی مرد کا پاک دامن عورت سے اور زانیہ عورت کا پاک مرد سے نکاح حرام ہے

زنا کرنے والے مرد کا نکاح پاک دامن عورت سے حرام ہے اسطرح زنا کرانے والی عورت کا نکاح پاک دامن مرد سے حرام ہے۔

اَلزَّانِيْ لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً اَوْ مُشْرِكَةً

زانی نکاح بھی کسی کے ساتھ نہیں کرتا بجز زانیہ یا مشرکہ کے اور

وَالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَا إِلَّا زَانٍ أَوْ مُشْرِكٌ وَحُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ۔ (سورۃ النور ایت ۳)

زانیہ کے ساتھ بھی اور کوئی نکاح نہیں کرتا بجز زانی یا مشرک کے اور یہ مسلمانوں پر حرام کیا گیا ہے۔

شانِ نزول

آیت کریمہ کے شانِ نزول کے متعلق متعدد روایات مروی ہیں جنہیں بغوی کے بیان کے مطابق ایک روایت یہ ہے کہ جب مہاجرین مدینہ طیبہ میں آئے تو ان میں کچھ لوگ بالکل نادار تھے ان کے پاس کچھ مال و متاع نہ تھا اور قبیلہ والے موجود نہ تھے مدینہ میں کچھ پیشہ ور عورتیں رہتی تھی جو عصمت فروش تھیں اور مدینہ کے اندر سب سے زیادہ مال دار تھیں کچھ نادار مہاجروں نے ان سے نکاح کرنا چاہا تاکہ ان بے مایہ لوگوں کے خرچ کی کفالت وہ عورتیں کرلیں انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسکی اجازت طلب کی جس کے نتیجہ میں یہ آیت نازل ہوئی جسکا مطلب یہ ہیکہ ان پیشہ ور عورتوں سے نکاح کرنا مومنوں کیلئے حرام کردیا گیا ہے کیونکہ وہ مشرک ہیں۔

بدکار مرد بدکار عورت یا مشرکہ سے نکاح کرتا ہے

جو عورتیں زنا کی خوگر ہوں اور اس سے توبہ نہیں کرتیں تو سچے مومن مسلمان جن کا اصل مقصود نکاح اور اس کے شرعی فوائد و مقاصد حاصل کرنا ہوتا ہے وہ مقاصد ایسی عورت سے متوقع نہیں اس لئے انکو ایسی عورت کیطرف اصلی رغبت نہیں ہوسکتی خصوصاً جبکہ یہ بھی معلوم ہو کہ یہ عورت نکاح کے بعد بھی اپنی بری عادت نہیں چھوڑے گی۔ ہاں ایسی عورت کیطرف رغبت یا تو زانی کو ہوگی جسکا اصل مقصد اپنی خواہش کو پورا کرنا ہے نکاح مقصود نہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ الزانی لاینکح الازانیة اومشرکة زانی نکاح بھی نہیں کرتا بجز زانیہ یا مشرکہ کے۔ ایسطرح آیت کا دوسرا جز والزانیة لا ینکحھا الازان اومشرك کے معنی بھی یہی ہیں ایسی ہی صورت حال مشرک مرد اور مشرکہ عورت کی ہے۔

مردوں کی عورتوں پر فضیلت

اَلرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ

مرد حاکم ہیں عورتوں پر اس سبب سے کہ اللہ تعالیٰ نے بعضوں کو بعضوں پر فضیلت دی ہے اور اس سبب سے

اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِھِمْ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَیْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰہُ وَالّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَھُنَّ فَعِظُوْھُنَّ وَاھْجُرُوْھُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْھُنَّ فَاِنْ اَطَعْنَکُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَیْھِنَّ سَبِیْلًا اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلِیًّا کَبِیْرًا۔ وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَیْنِھِمَا فَابْعَثُوْا حَکَمًا مِّنْ اَھْلِہٖ وَحَکَمًا مِّنْ اَھْلِھَا اِنْ یُّرِیْدَآ اِصْلَاحًا یُّوَفِّقِ اللّٰہُ بَیْنَھُمَا اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلِیْمًا خَبِیْرًا۔

(سورۃ النساء آیت ۳۵)

کہ مردوں نے اپنے مال خرچ کئے ہیں۔ سو جو عورتیں نیک ہیں اطاعت کرتی ہیں مرد کی عدم موجودگی میں بحفاظت الٰہی نگہداشت کرتی ہیں اور جو عورتیں ایسی ہوں کہ تمکو انکی بد دماغی کا احتمال ہو تو انکو زبانی نصیحت کرو اور انکو ان کے لیٹنے کی جگہ میں تنہا چھوڑ دو اور انکو مارو پھر اگر وہ تمہاری اطاعت کرنا شروع کر دیں تو اُن پر بہانہ مت ڈھونڈو بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑے رفعت اور عظمت والے ہیں۔ اور اگر تم اوپر والوں کو ان دونوں میاں بیوی میں کشاکشی کا اندیشہ ہو تو تم لوگ ایک آدمی جو تصفیہ کرنے کی لیاقت رکھتا ہو عورت کے خاندان سے بھیجو اور ایک آدمی جو تصفیہ کرنے کی لیاقت رکھتا ہو مرد کے خاندان سے۔ اگر ان دونوں آدمیوں کو اصلاح منظور ہوگی تو اللہ تعالیٰ ان دونوں میاں بیوی میں اتفاق فرمائیں گے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑے علم اور بڑے خبر والے ہیں۔

شانِ نزول مذکورہ آیت کے شانِ نزول کے متعلق مروی ہے کہ انصار کے ایک سردار سعد بن ربیع کی بیوی حبیبہ بنت زید نے ان سے جھگڑا کیا سعد نے اسے ایک تھپڑ مارا اسپر اسکا باپ اسے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے پاس لے گیا اور سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شکایت کی نبی علیہ السلام نے قصاص کا فیصلہ کیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ مرد عورتوں پر حاکم ہیں عورت مرد سے ایک تھپڑ کا قصاص نہیں لے سکتی اسپر نبی علیہ السلام نے فرمایا ہم نے کچھ ارادہ کیا تھا اللہ تعالیٰ نے کچھ اور چاہا اور اللہ تعالیٰ نے جو چاہا وہ بہتر ہے اسپر قصاص نہ لیا گیا۔ یہ تسلط اور فوقیت اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مردوں کو عورتوں پر عقل دانی عزم تیر اندازی فنونِ حرب طاقت وغیرہ کی بناء پر فضیلت عطا کی ہے۔ مردوں کے عورتوں سے افضل ہونے کی یہ دلیل بھی ہے کہ وہ پورے روزے رکھتا ہے۔ پوری نماز پڑھتا ہے اُسے نبوّت، خلافت، امامت اذان خطبہ جماعت اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تکبیرات تشریق کے فضائل حاصل ہیں مرد حدود و قصاص میں گواہی دے سکتا ہے اسے میراث میں

دوگنا حصہ ملتا ہے وہ عصبہ ہوتا ہے نکاح وطلاق اس کے اختیار میں ہے اولاد مرد کیطرف منسوب ہوتی ہے، مرد صاحب ریش صاحب عمامہ ہوتا ہے، مرد عورت پر مال خرچ کرتا ہے، نکاح میں ولیمہ کرتا ہے، عورت کو خوراک، لباس، رہائش کا خرچہ دیتا ہے اور یہ بات شک وشبہ سے بالا ہے کہ جو شخص دوسرے پر مال خرچ کرے تو وہ اس پر فوقیت رکھتا ہے۔

صالح بیوی

نیک عورتیں وہ ہیں جو مرد کی حاکمیت کو تسلیم کر کے ان کی اطاعت کرتی ہیں اور مردوں کے پیٹھ پیچھے بھی اپنے نفس اور ان کے مال کی حفاظت کرتی ہیں یعنی اپنی عصمت اور گھر کے مال کی حفاظت جو امورِ خانہ داری میں سب سے اہم ہیں، ان کے بجالانے میں ان کے لئے مردوں کے سامنے اور پیچھے کے حالات بالکل مساوی ہیں، یہ نہیں کہ ان کے سامنے تو اس کا اہتمام کریں اور ان کی نظروں سے غائب ہوں تو اس میں لاپرواہی برتیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ فالصّٰلحٰتُ قٰنتٰتٌ حٰفظٰتٌ لِلغیبِ بِمَا حفظ اللہ۔ سو جو عورتیں نیک ہیں اطاعت کرتی ہیں مرد کی عدم موجودگی میں بحفاظتِ الٰہی نگہداشت کرتی ہیں جیساکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تفسیر کے طور پر فرمایا کہ بہترین عورت وہ ہے کہ جب تم اس کو دیکھو تو خوش ہو اور جب اس کو کوئی حکم دو تو اطاعت کرے اور جب تم غائب ہو تو اپنے نفس اور مال کی حفاظت کرے۔

نافرمان بیوی اور اس کی اصلاح کا طریقہ

جو عورتیں اپنے شوہروں کی فرماں بردار نہیں یا جن سے شوہر کی اطاعت میں کوتاہی ہوتی ہے قرآن مجید نے ان کی اصلاح کے بالترتیب تین طریقے بتلائے ہیں یعنی اگر عورتوں کی طرف سے نافرمانی کے صدور کا اندیشہ ہو تو ان کی اصلاح کا پہلا درجہ یہ ہے کہ نرمی سے ان کو سمجھاؤ اگر وہ سمجھانے بجھانے سے باز نہ آئیں تو دوسرا درجہ یہ ہے کہ ان کا بستر اپنے سے علیحدہ کر دو تاکہ وہ اس علیحدگی سے شوہر کی ناراضگی کا احساس کر کے اپنے فعل پر نادم ہو جائیں۔ تیسرا درجہ یہ ہے کہ اگر کوئی عورت اس شریفانہ سزا اور تنبیہ سے بھی متاثر نہ ہو تو پھر اس کو معمولی مار مارنے کی بھی اجازت ہے۔ قرآن مجید کا ارشاد ہے: والّتی تخافون نشوزھن فعظوھن واھجروھن فی المضاجع واضربوھن۔ اور جو عورتیں ایسی ہوں کہ تم کو ان کی بد دماغی کا احتمال ہو تو ان کو زبانی نصیحت

کرو اور ان کو ان کیلئے لیٹنے کی جگہ میں تنہا چھوڑ دو۔ اور ان کو مارو۔

آیت مذکورہ میں لفظ فِی المضاجع سے فقہاء رحمہم اللہ نے یہ مطلب نکالا ہے کہ جُدائی صرف بستر میں ہو مکان کی جُدائی نہ کرے کہ عورت کو مکان میں تنہا چھوڑ دے کیونکہ اس میں ان کو رنج بھی زیادہ ہوگا۔ اور فساد کے بڑھنے کا بھی زیادہ اندیشہ ہے۔ اسی طرح آیت میں لفظ واضربوھن سے مُراد اتنی معمولی مار مارنے کی اجازت ہے جس سے اس کے بدن پر اثر نہ پڑے اور ہڈی ٹوٹنے یا زخم لگنے تک نوبت نہ آئے۔ اور چہرے پر مارنے کو مطلقاً منع فرمایا ہے۔

عورتوں کے اطاعت اختیار کرنے پر ان سے درگذر کا معاملہ۔

زیرِ بحث آیت میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے جہاں مَردوں کو عورتوں کی اصلاح کیلئے تین اختیارات دیئے ہیں وہیں آیت کے آخر میں یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اگر ان تین تدابیر کے بعد وہ تمہاری بات ماننے لگیں تو اب تم بھی زیادہ بال کی کھال نہ نکالو اور الزام تراشی میں مت لگو بلکہ کچھ چشم پوشی سے کام لو اور خوب سمجھ لو کہ اگر اللہ تعالیٰ نے عورتوں پر تم کو کچھ بڑائی دی ہے تو اللہ تبارک و تعالیٰ کی بڑائی بھی تم پر مسلط ہے۔ اگر تم زیادتی کروگے تو اس کی سزا بھی بھگتوگے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ فان اطعنکم فلا تبغوا علیھن سبیلاً، ان اللہ کان علیا کبیرا۔ پھر اگر وہ تمہاری اطاعت کرنا شروع کردیں تو ان پر بہانا مت ڈھونڈو۔ بلاشُبہ اللہ تعالیٰ بڑے رفعت و عظمت والے ہیں۔

خاوند و بیوی کے درمیان مصالحت کا طریقہ

اگر خاوند بیوی کی اصلاح کے لئے قرآن مجید کے مطابق نصیحت کرے یا بستر علیحدہ کردے یا مارے اور اس کے باوجود بیوی اطاعت پر آمادہ نہ ہو بلکہ بدستور بد خلقی، بدخوئی کا مُظاہرہ کرے تو ایسی صورت میں حُکّام کو یہ ارشاد ہے کہ اگر انہیں میاں بیوی کے جھگڑے کا خوف ہو تو اُسے ختم کرنے کے لئے ایک منصف مَرد کے خاندان سے اور ایک مُنصف عورت کے خاندان سے مقرر کریں۔ اگر یہ دونوں مُنصف ان کے درمیان صُلح کرانا چاہیں گے تو اللہ تعالیٰ میاں بیوی کے درمیان موافقت پیدا کردے گا اور ان دونوں میں صلح ہو جائیگا۔

فان خفتم شقاق بینھما فابعثوا حکما من اھلہ وحکما من اھلھا ان یرید ا اصلاحًا

يوفق الله بينهما۔ اور اگر تم اُوپر والوں کو ان دونوں میاں بیوی میں کشاکشی کا اندیشہ ہو تو تم لوگ ایک آدمی جو تصفیہ کرنے کی لیاقت رکھتا ہو عورت کے خاندان سے بھیجو اور ایک آدمی جو تصفیہ کرنے کی لیاقت رکھتا ہو مرد کے خاندان سے، اگر ان دونوں آدمیوں کو اصلاح منظور ہو گی تو اللہ تعالیٰ ان میاں بیوی میں اتفاق فرما دیں گے۔ بیشک اللہ تعالیٰ بڑے علم بڑے خبر والے ہیں۔

عورت اور مرد کے خاندان میں سے منصف مقرر کرنے کی حکمت یہ ہے کہ رشتہ داران کے اندرونی معاملات سے بخوبی واقف ہوتے ہیں اور میاں بیوی کو بھی ان پر زیادہ اعتماد ہوتا ہے اس لئے وہ اپنا ما فی الضمیر ظاہر کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے کہ وہ ایک دُوسرے کو چاہتے ہیں یا نہیں اکٹھا رہنا چاہتے ہیں یا علیحدہ رہنا چاہتے ہیں۔

عزل کا حکم

تفسیرات احمدیہ میں بحوالہ زاہدی مذکور ہے کہ یہود کا یہ گمان تھا کہ عورتوں سے عزل کی ممانعت ہے اور وہ اسے موؤدہ صغریٰ زندہ درگور کرنے کے مترادف سمجھتے تھے، نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ یہود جھوٹ کہتے ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا فرمان ہے انی شئتم چاہو تو عزل کرو چاہو تو ان کے قریب مت جاؤ، ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایسا ہی منقول ہے۔ لیکن عزل اس صورت میں ہے جب لونڈی اپنی مملوکہ ہو اور اگر منکوحہ کسی اور کی لونڈی ہو تو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ کے نزدیک عزل مالک کی اجازت پر موقوف ہے اور اگر منکوحہ آزاد عورت ہے تو پھر عزل کا اختیار عورت کو ہے اور اس کی مرضی پر موقوف ہے۔

رضاعت کے احکام

وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا

اور مائیں اپنے بچوں کو دو سال کامل دُودھ پلایا کریں یہ مدت اس کے لئے ہے جو شیر خوارگی کی تکمیل کرنا چاہے اور جس کا بچہ اس کے ذمہ ہے ان کا کھانا اور کپڑا قاعدہ کے موافق کسی شخص کو حکم نہیں دیا جاتا مگر اس کی برداشت کے موافق، کسی ماں کو تکلیف نہ پہنچانا چاہیئے اس بچہ کی وجہ سے

وَالْمَوْلُوْدُ لَهٗ بِوَلَدِهٖ ۚ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ۚ فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ۗ وَاِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا اَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ مَّآ اٰتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ۗ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ (سورۃ البقرۃ آیت ۲۳۳)

اور مثل طریق مذکور کے اس کے ذمہ ہے جو وارث ہو، پھر اگر دونوں دودھ چھڑانا چاہیں اپنی رضامندی اور مشورہ سے تو دونوں پر کسی قسم کا گناہ نہیں اور اگر تم اپنے بچوں کو کسی اور اَنّا کا دودھ پلوانا چاہو تب بھی تم پر کوئی گناہ نہیں جب کہ ان کے حوالہ کر دو جو کچھ ان کو دینا ہے قاعدہ کے موافق۔ اور حق تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور یقین رکھو کہ حق تعالیٰ تمہارے کئے ہوئے کاموں کو خوب دیکھ رہے ہیں۔

خُلاصہ

واضح رہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے پہلے مطلقا مطلقات کا ذکر کیا ہے جن کے ساتھ بچے ہوں، لہٰذا آیت کا سیاق ماں پر چھوٹے بچے کی پرورش اور اسے دودھ پلانے کا بیان ہے اور یہ بتلانا منظور ہے کہ ماں باپ دونوں بچے کی پوری نگہداشت کریں۔ اس ضمن میں متعدد مسائل ہیں، مثلاً مدتِ رضاع، بیان اجرت ونفقہ ماں مرضعہ اور رشتہ داروں کا آپس میں معاملہ، کسی اجنبیہ مرضعہ کو دودھ پلانے پر مقرر کرنا وغیرہ۔

دودھ پلانے کی مُدّت

اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں والوالدات یرضعن اولادھن حولین کاملین

اس آیت میں مدتِ رضاعت کا بیان ہے جس میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے، امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کے نزدیک مدتِ رضاعت تیس مہینے یعنی اڑھائی سال ہے امام ابویوسف، امام محمد، امام شافعی رحمہم اللہ کے نزدیک دو سال ہے۔ امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تین سال۔ امام زفر کی دلیل یہ ہے کہ چونکہ ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف ایک سال میں تبدیلی ہوتا ہے لہٰذا ضروری ہے کہ دو سال پر زیادتی پورا سال کیا جائے۔ لہٰذا مدت رضاعت تین سال ہوگی۔

صاحبین کی دلیل مذکورہ آیت اور ہر وہ آیت جس میں حولین کا ذکر ہو اور صاحبین حملہ وحملہ وفصالہ ثلثون شہرا والی آیت کی توجیہ یہ کرتے ہیں کہ اس میں حمل اور فصال دونوں کی مدت تیس مہینے ہے۔ جب کہ اقل مدت حمل

چھ مہینے ہے۔ تیس سے چھ نکال دیئے جائیں تو باقی چوبیس مہینے یعنی دُو سال بچتے ہیں جو کہ مُدتِ فصال یعنی دُودھ چھڑانے کی مُدت ہے اور جیسا کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسّلام کا فرمان مُبارک ہے۔ لارضاع بعد حولین۔

دلیل امامِ اعظم ابُو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ

امام اعظم ابُوحنیفہ رحمۃُ اللہ علیہ کی دلیل قرآن مجید کی آیت وحملہ وفصالہ ثلثون شہراہے۔ وجہ یہ ہے کہ اللہ تبارکؑ وتعالیٰ نے اس آیت میں دُو چیزوں کی مُدت ذکر کی ہے، لہٰذا مذکورہ دونوں چیزیں حمل اور فصال میں سے ہرایک کی الگ الگ یہ مُدت کامل ہے یعنی اڑھائی سال۔ پھر چونکہ مُدتِ حمل کے بارے میں اڑھائی سال سے کم ہونے پر دلیل منقض موجود ہے یعنی اُمّ المؤمنین حضرت عائشۃ الصدّیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث الولد لا یبقیٰ فی بطن امہ اکثر من سنتین۔ اس حدیث سے معلوم ہُوا کہ اکثر مُدتِ حمل دُو سال ہے مگر چونکہ مُدتِ فصال یعنی دُودھ چھڑانے کے بارے میں کوئی منقض موجُود نہیں لہٰذا اس کو اپنے ظاہر پر باقی رکھا جائے گا۔ تو مُدتِ فصال اڑھائی سال ہی ہوگی۔

صاحبین کی دلیل کا جواب

صاحبین وامام شافعی رحمہم اللہ کی دلیل وہ آیات جن میں حولین کاملین کا ذکر ہے نہیں بن سکتی کیونکہ ان آیات سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ دُو سال سے زائد بچّہ کو دُودھ پلانا ممنوع ہے۔ کیونکہ آیت تو محض یہ بیان کرتی ہے کہ بوقتِ عُذر ماں پر دُو سال سے زائد دُودھ پلانا واجب نہیں صرف دُو سال پلانا واجب ہے اگر زیادہ پلائے تو اس کا تبرع ہے۔ اسی طرح یہ اس بات کی بھی قید ہے باپ پر اُجرت ارضاع دُو سال واجب ہے زیادہ وُجب نہیں اور اس کا قرینہ قول باری تعالیٰ وعلی المولود لہ رزقھن وکسوتھن بالمعروف ہے۔ لہٰذا اس آیت یا کسی اور آیت سے یہ بات ثابت نہیں کہ دُو سال سے زائد دُودھ پلانا ممنوع ہے۔ لہٰذا امام صاحبؒ نے حُرمت نکاح بالرضاع میں احتیاط کے پیشِ نظر مُدتِ رضاع اڑھائی سال قرار دیدی یعنی کوئی مرضعہ اس دوران کسی بچّہ کو دُودھ پلائے تو وہ اس کی رضاعی ماں اور مرضعہ کا خاوند رضاعی باپ اور مرضعہ کی اولاد رضاعی بہن بھائی وغیرہ ہوں گے ان سے نکاح حرام ہے۔

مرضعہ کا نان نفقہ و دیگر ضروریات باپ کے ذمہ ہیں۔

دُودھ پلانے والی عورت کا خوراک لباس اور رہائش کا خرچہ دُودھ پینے والے بچّے کے باپ کے ذمہ لازم ہے۔
ارشادِ باری تعالیٰ ہے وعلی المولود له رزقهن وکسوتهن بالمعروف اور جس کا بچہ ہو اس کے ذمہ ہے ان کا کھانا اور کپڑا قاعدہ کے موافق آیت میں مولود لہ سے مُراد بچّہ کا باپ ہے اور ضمیر مجرور جمع مونث غائب کا مرجع والدات ہے۔ اگر صاحب ہدایہ کی تصریح کے مطابق اس سے مُراد یہ ہے کہ مَرد کے ذمہ عورت کا کھانا، کپڑا، رہائش گاہ وغیرہ اس لئے واجب ہے کہ وہ اس کی بیوی ہے تو پھر والدات سے مُراد خواہ والدہ مطلقہ معتدہ ہو یا غیر مطلقہ اس توجیہہ کے مُطابق یہ آیت اس بات کو بیان کرنے کے لئے ہے کہ مَرد کے ذمہ بیوی کی خوراک لباس اور رہائش کا خرچ واجب ہے لیکن اس میں نہ اسراف ہو نہ بُخل، بلکہ میاں بیوی کی حیثیت کے مُطابق درمیانہ درجہ کا خرچہ مُراد ہے۔

اور اگر اس سے مُراد یہ ہے کہ بحیثیت مرضعہ ان کا کھانا کپڑا وغیرہ مَرد کے ذمہ ہے تو والدات سے مُراد وہ مائیں ہیں جو مطلقہ ہیں اور ان کی عدت ختم ہو چکی ہے کیونکہ ماں کو اپنے بچّے کی مرضعہ مقرّر کرنا جائز نہیں صرف اس صورت میں جائز ہے کہ ماں مطلقہ ہو اور ان کی عدت ختم ہو چکی ہو یا بچّہ اس کا نہ ہو بلکہ کسی دوسری بیوی کا ہو۔

زوجہ کا نفقہ شوہر کی حیثیت کے مُناسب واجب ہے

بچّے کی ماں دُودھ پلانے کے عوض اپنے خاوند کی حیثیت کے موافق خرچ لے اور زیادہ کا مُطالبہ نہ کرے لاتضار والدة بولدها ولا مولود له بولده آیت کا مطلب یہ ہے کہ والدہ اپنے بچّے کے سبب سے اپنے خاوند کو نقصان نہ دے کہ اس سے نان ونفقہ سے زیادہ خرچ کا مطالبہ کرے یا والدہ بچّے کو نقصان نہ دے کہ جب بچّہ اس سے مانوس ہو جائے تو وہ اسے اپنے سے جُدا کرکے پرے پھینک دے۔

یا خاوند کی طرف سے بچّے کے سبب والدہ کو نقصان نہ دیا جائے کہ باوجود استطاعت مرضعہ ماں کو مجبور کیا جائے کہ وہی بچّہ کو دُودھ پلائے۔

اسی طرح والد اپنی بیوی کو اس کے بچّہ کے سبب نقصان نہ دے کہ واجب نان نفقہ اُسے نہ دے یا والد اپنے بچّہ کو نقصان نہ دے کہ اسے ماں سے مانوس ہونے کے بعد اسے جُدا کر دے۔

ماں کو دودھ پلانے اور نہ پلانے پر مجبور کرنے کی تفصیل

تفسیراتِ احمدیہ میں بحوالہ شرح وقایہ مذکور ہے کہ باری تبارک و تعالیٰ کا قول والوالدات یرضعن اولادھن ماؤں پر اپنے بچوں کو دودھ پلانا واجب کرتا ہے اور دوسرا قولِ باری تعالیٰ لا تکلف نفساً الا وسعھا ماں باپ ہر دو سے دفع ضرر کو واجب کرتا ہے۔ لہٰذا اگر ماں دودھ پلانے سے انکار کردے اور والد کو اجرت پر مرضعہ رکھنے کی استطاعت ہے تو ماں کو دودھ پلانے پر مجبور نہیں کیا جائے گا، کیونکہ ظاہر ہے کہ ماں کا انکار عاجزی کی وجہ سے ہے۔ اس لئے کہ ماں کی شفقت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اس کا دودھ پلانے سے انکار عجز کی بنا پر ہے اگر وہ دودھ پلانے پر تیار ہوجائے لیکن اجرت طلب کرے تو اُسے اجرت نہ دی جائے گی، کیونکہ اب اس کی دودھ پلانے پر قدرت ظاہر ہے اور ماں پر بچہ کو دودھ پلانا واجب ہے اور واجب کی ادائگی پر اجرت نہیں ہوتی۔

یتیم بچے کو دودھ پلانے کی ذمہ داری کس پر ہے۔

باپ کے انتقال کے بعد یتیم بچے کو دودھ پلانے کی ذمہ داری باپ کے وارث پر ہے وعلی الوارث مثل ذالک آیت کے اس جملہ کا عطف سابقہ جملہ وعلی المولود له رزقھن: پر ہے اور ان دونوں کے درمیان جملہ معترضہ ہے۔ صاحب کشاف نے اس کا معنی یہ کیا ہے کہ مولود لہ یعنی باپ کے وارث پر اسی قدر رزق اور کسوہ واجب ہے جس قدر مولود لہ یعنی باپ پر تھا یعنی اگر مولود لہ (باپ) مرجائے تو جو اس کا وارث ہوگا، اس پر لازم ہے کہ اس کے قائم مقام ہو کر مرضعہ کا نان نفقہ معروف طریقہ سے دے۔ وارث کے لئے وہی شرائط اور احکام ہیں جو مولود لہ (باپ) کے لئے تھے کہ اسے نقصان وغیرہ نہ دیا جائے۔

دودھ چھڑانے کے احکام

اگر میاں بیوی دونوں کا بچہ کو دودھ چھڑانے کا باہمی مشورہ و رضامندی سے ارادہ ہوجائے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے فان ارادا فصالا عن تراض منھما وتشاور فلا جناح علیھما آیت کے اس جملہ کا تعلق سابقہ جملہ حولین کاملین سے ہے۔ اس لئے مسلک احناف کے مطابق دو سال تک بچہ کو دودھ پلانا واجب ہے دو سال یا اس سے زیادہ مدت کے بعد یا دو سال سے کم مدت میں۔ اسی طرح امام شافعی رحمۃ اللہ کے نزدیک صرف

دُو سال سے کم مدت میں میاں بیوی کا بچے کو دُودھ چھڑانے کا ارادہ ہو جائے اور یہ بات دونوں کے باہمی مشورہ اور رضامندی سے طے پائے تو اسمیں کوئی حرج نہیں۔

اگر دونوں ماں باپ دُودھ چھڑا کر کسی اجنبیہ عورت سے دُودھ پلوانے پر راضی ہو جائیں تو پھر بھی جائز ہے دونوں کی رضامندی اس لئے ضروری ہے کہ باپ کو نسب و ولائت کا حق حاصل ہے۔ اور ماں میں شفقت و عنایت ہے۔ لہٰذا دونوں کی رضامندی سے بچہ کی پوری اصلاح ہوگی۔

ماں کے علاوہ کسی اور عورت سے دُودھ پلوانا بھی جائز ہے۔

اگر خاوند ماں کے انکار یا دودھ پلانے سے عاجز ہونے کی وجہ کسی اور عورت سے دُودھ پلوانا چاہے تو اس کے لئے ایسا کرنا جائز ہے وان اردتم ان تسترضعوا اولادکم فلا جناح علیکم اس آیت میں خاوندوں کو خطاب ہے کہ اگر تم ماں کے انکار یا عجز کے سبب ابتداء یا بعد میں ماں کے علاوہ کسی اور مرضعہ سے دُودھ پلوانا چاہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ بشرطیکہ جو اُجرت تم نے طے کی ہے وہ خوشی سے بطیب خاطر دُودھ پلانے والیوں کے حوالہ کر دو۔ تسلیم یعنی حوالہ کرنے کی قید استحبابی ہے جیسا کہ سب کو معلوم ہے کہ اُجرت معقود علیہ کے پورا ہونے کے بعد واجب ہوتی ہے۔

بچے کے معاملہ میں اللہ سے ڈرنا چاہیئے۔

بچے کے معاملہ میں خاوند اور بیوی دونوں کو اللہ سے ڈرنا چاہیئے نہ تو خاوند خواہ مخواہ بچے کو ماں سے جدا کرے اور نہ بیوی بچے کو خاوند کی طرف پھینکے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے واتقوا اللہ واعلموا ان اللہ بما تعملون بصیر: یعنی (اے خاوندو!) بچے کو ماں سے جُدا کرنے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اور (اے بیویو) تم بچے کو خاوندوں کی طرف پھینکنے سے اللہ تعالیٰ سے ڈرو، جان لو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھتا ہے اس سے تمہارے اعمال پوشیدہ نہیں وہ تم سب کو تمہارے اعمال کے مطابق جزا دے گا۔

دُودھ پلانے کی مُدت

وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا	اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ

حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا ۖ وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ۚ

(سورۃ الاحقاف، آیت ۱۵)

نیک سلوک کرنے کا حکم دیا ہے اس کی ماں نے اس کو بڑی مشقت کے ساتھ پیٹ میں رکھا اور اس کو دودھ چھڑانا تیس مہینے (میں پورا ہوتا) ہے۔

دُودھ پلانے کی مُدّت اَڑھائی سال ہے

بچے کو دُودھ پلانے کی مُدّت اڑھائی سال ہے وحملہ وفصالہ ثلثون شھرا یہ آیت اگرچہ والدین کے ساتھ حُسنِ سلوک سے متعلق ہے مگر چونکہ اس میں مُدتِ رضاعت کا بھی ثبوت ہے اس لئے اس آیت کو اس باب میں ذکر کر دیا ہے۔ امام اعظم ابُوحنیفہ رحمہُ اللہ مُدتِ رضاعت کے اڑھائی سال ہونے پر اسی آیت سے استدلال کرتے ہیں۔

مُدت رضاعت کے متعلق ائمہ کرام کا اختلاف ان کے اقوال اور دلائل اسی طرح امام اعظم ابوحنیفہ رحمہُ اللہ کا قول اور ان کی دلیل اور ان کی طرف سے دُوسرے ائمہ کرام کے دلائل کا جواب جس کی پُوری تفصیل سُورۃ البقرہ کی آیت ۲۳۳ کے تحت تحریر کی جا چکی ہے۔

اُجرت پر دُودھ پلانا

فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ۚ وَاْتَمِرُوْا بَيْنَكُمْ بِمَعْرُوْفٍ ۚ وَاِنْ تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهٗۤ اُخْرٰى ؕ لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ ؕ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّاۤ اٰتٰىهُ اللّٰهُ ؕ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَاۤ اٰتٰىهَا ؕ سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا ۧ

پھر اگر وہ مطلقہ عورتیں (جبکہ پہلے سے ہی بچے والیاں ہوں یا بچہ ہی پیدا ہونے سے ان کی عدت ختم ہوئی ہو) تمہارے لئے (بچہ کو اُجرت پر) دُودھ پلادیں تو تم ان کو مُقررہ اُجرت دو اور (اُجرت کے بارے میں کہ مغفرت عظیمہ کا سبب ہے) باہم مناسب طور پر مشورہ کر لیا کرو اور اگر تم باہم کشمکش کرو گے تو کوئی دُوسری عورت دُودھ پلائے گی، اور جس کی آمدنی کم ہو اُس کو چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے جتنا اس کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرے۔ خُدا تعالیٰ کسی شخص کو اس سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا جتنا اس کو دیا

(سورۃ الطلاق آیت ۷ دے) | ہے۔ خدا تعالیٰ تنگی کے بعد جلد ہی اس کو فراغت بھی دیا کرتے ہیں (گو بقدرِ ضرورت و حاجت رَدائی ہی سہی)

مطلقہ کیلئے اپنے بچے کو دُودھ پلانے کا مُعاوضہ لینا جائز ہے

مطلقہ عورتیں اگر حاملہ ہوں اور پھر حمل سے بچہ پیدا ہو گیا ہو تو ان کی عدت وضع حمل کی وجہ سے پوری ہو گئی اس لئے ان کا نفقہ تو شوہروں پر لازم نہیں رہا مگر جو بچہ پیدا ہوا ہے اگر یہ مطلقہ ماں اس کو دُودھ پلائے تو دُودھ پلانے کا معاوضہ لینا اور دینا جائز ہے۔ فان ارضعن لکم فاٰتوھن اجورھن۔

منکوحہ عورت کیلئے اپنے بچے کو دُودھ پلانے کی اُجرت لینا جائز نہیں،

مذکورہ آیت میں مطلقہ عورت کی عدت گذر جانے کے بعد اپنے بچہ کو دُودھ پلانے پر مُعاوضہ لینے کے جواز سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر مطلقہ کے لئے مُعاوضہ لینا جائز نہیں اس لئے کہ جب تک عورت شوہر کے نکاح میں ہے اس وقت تک بچوں کو دُودھ پلانا خود ماں کے ذمہ بحکمِ قرآن واجب ہے۔ والوالدات یرضعن اولادھن اور جو کام کسی کے ذمہ خود واجب ہو اس پر مُعاوضہ لینا رشوت کے حکم میں ہے جس کا لینا بھی ناجائز اور دینا بھی۔

اور ایامِ عدت بھی اس معاملہ میں بحکم نکاح ہیں کیونکہ عورت کا نفقہ جس طرح بحالتِ نکاح شوہر پر لازم ہے عدت میں بھی لازم ہے۔ البتہ جب وضع حمل کے ذریعہ عدت ختم ہو گئی تو اس کا نفقہ بھی شوہر کے ذمہ واجب نہیں رہا اب اگر یہ اس بچہ کو دُودھ پلائے تو آیت مذکورہ نے اس کا مُعاوضہ لینے اور دینے کو جائز قرار دیا ہے۔

دُودھ پلانے کی اُجرت باہمی مشورہ سے طے کرنا چاہیئے۔

دُودھ پلانے کی اُجرت کے بارے میں زوجین کو اس بات کی ہدایت کی گئی ہے کہ باہمی مشورہ سے طے کر دو۔ واْتمروا بینکو۔ ایتمار کا معنی باہم مشورہ اور ایک دوسرے کی بات قبول کرنے کے ہیں تاکہ جھگڑے کی نوبت نہ آئے یعنی مطلقہ بیوی عام اُجرت سے زیادہ نہ مانگے۔ اور شوہر عام اُجرت کے مطابق دینے سے انکار نہ کرے ایک دُوسرے کے ساتھ رَواداری کا مُعاملہ کریں۔

اَجنبیہ عورت سے دُودھ پلوانے کا حُکم

اگر دُودھ پلانے کا مُعاملہ باہمی مشورہ سے طے نہ ہو پائے یا عورت مطلقہ مُعاوضہ لے کر بھی اپنے بچّہ کو دُودھ پلانے سے اِنکار کر دے تو اس کو قضاءً مجبُور نہیں کیا جائیگا بلکہ سمجھا جائیگا کہ ماں کی شفقت بچّہ پر سب سے زیادہ ہونے کے باوجود جب ماں اِنکار کر رہی ہے تو واقعی کوئی عُذر ہو گا لیکن اگر فی الواقع اس کو عُذر نہیں بلکہ محض غُصّہ اور ناراضگی کی وجہ سے اِنکار کرتی ہے تو عنداللہ وہ گنہگار ہو گی مگر قاضی کی عدالت اس کو دُودھ پلانے پر مجبُور نہیں کرے گی ایسی صُورت میں اجنبیہ عورت سے دُودھ پلوانا جائز ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ وان تعاسرتم فسترضع لهٗ اخریٰ اور اگر تم باہم کشمکش کرو گے تو کوئی دوسری عورت دُودھ پلائے گی۔

اِسی طرح اگر شوہر کو غُربت کی وجہ سے دُودھ پلانے کی اُجرت دینے کی طاقت نہیں اور دوسری عورت بلامعاوضہ یا اس معاوضہ سے کم پر دُودھ پلانے کو تیّار ہے جو مُعاوضہ مطلقہ ماں مانگتی ہے تو شوہر کو مجبُور نہیں کیا جائے گا کہ وہ ماں کا مُطالبہ منظور کرے، اسی سے دُودھ پلوائے بلکہ دونوں صُورتوں میں دوسری عورت سے اس کو دُودھ پلوایا جا سکتا ہے۔ ہاں اگر دوسری دُودھ پلانے والی عورت بھی اتنا ہی مُعاوضہ طلب کرے جتنا ماں کر رہی ہے تو شوہر کے لئے بالاتفاق فقہاء جائز نہیں کہ ماں کو چھوڑ کر دوسری عورت سے اسی مُعاوضہ پر دُودھ پلوائے۔

فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ

سو ایسا کیوں نہ کیا جائے کہ ان کی ہر بڑی جماعت میں سے ایک چھوٹی جماعت (جہاد میں) جایا کرے تاکہ (یہ) باقی ماندہ لوگ دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرتے رہیں۔ (القرآن)

کِتَابُ الطَّلَاقِ

کتاب الطلاق

طلاقِ رجعی کا بیان

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ
اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ
تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْـًٔا اِلَّآ
اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاِنْ
خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَلَا جُنَاحَ
عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ تِلْكَ حُدُوْدُ
اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ
فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ فَاِنْ طَلَّقَهَا
فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا
غَيْرَهٗ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ
يَّتَرَاجَعَآ اِنْ ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ
وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ
يَّعْلَمُوْنَ ۝

(سورۃ البقرہ آیت ۲۲۹ ، ۲۳۰)
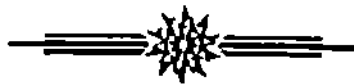
وہ طلاق دو مرتبہ ہے پھر خواہ رکھ لینا قاعدہ کے موافق
خواہ چھوڑ دینا خوش عنوانی کے ساتھ اور تمہارے لئے یہ
بات حلال نہیں کہ کچھ بھی لو اس میں سے جو تم نے ان کو
دیا تھا مگر یہ کہ میاں بی بی دونوں کو یہ احتمال ہو کہ وہ
دونوں ضوابطِ خداوندی کو قائم نہ کر سکیں گے تو دونوں
پر کوئی گناہ نہ ہوگا اس میں جس کو دے کر اپنی جان چھڑا لے
یہ خدائی ضابطے ہیں۔ سو تم ان سے باہر نہ نکلنا جو شخص خدائی
ضابطوں سے باہر نکل جاوے سو ایسے ہی لوگ اپنا نقصان
کرنے والے ہیں۔ پھر اگر کوئی طلاق دیدیوے عورت کو
پھر وہ اس کے لئے حلال نہ رہے گی اس کے بعد یہاں
تک کہ وہ اس کے سوا ایک اور خاوند کے ساتھ نکاح
کرلے پھر یہ اگر اس کو طلاق دیدے تو ان دونوں پر
اس میں کچھ گناہ نہیں کہ بدستور پھر مل جاویں بشرطیکہ
دونوں غالب گمان رکھتے ہوں کہ خداوندی ضابطوں
کو قائم رکھیں گے اور یہ خداوندی ضابطے ہیں حق تعالیٰ
ان کو بیان فرماتے ہیں ایسے لوگوں کے لئے جو دانشمند ہیں

خلاصہ تفسیر

مذکورہ دو آیات میں طلاقِ رجعی، خلع اور طلاقِ مغلظہ کا بیان ہے۔ طلاق رجعی کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ :
الطلاق مرّتان طلاقِ رجعی دو بار ہے۔ اس آیت کے شانِ نزول کے بارے میں منقول ہے کہ زمانۂ جاھلیت میں عدد طلاق معین نہیں تھا۔ یہاں تک کہ اگر کوئی دس مرتبہ بھی طلاق دیتا تو رجوع کر لیتا تھا وہ طلاق دیتے، عدت ختم ہونے کو آتی تو پھر رجوع کر لیتے پھر طلاق دے دیتے اور عورتوں کو تنگ کرنے کیلئے یہ سلسلہ عرصۂ دراز تک جاری رکھتے یہاں تک کہ ایک عورت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ اور اپنے خاوند کے اس رویہ کی شکایت کی، انہوں نے یہ واقعہ نبی علیہ السلام کو بتلایا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ طلاقِ رجعی جس کے بعد رجوع کا حق ہے دو بار ہے اس سے زائد نہیں اس کے بعد یا تو بھلے طریقہ سے چھوڑ دو یا بطریقِ احسن رجوع کر لو۔ یہ اگرچہ خبر ہے لیکن بمعنیٰ امر ہے۔ گویا طلاق رجعی دو بار ہے۔ حسینی، زاھدی، بیضاوی، تلویح وغیرہ کتب میں یہی توجیہ مذکور ہے۔ اور یہ توجیہ امام اعظم ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ کے مذہب کے موافق ہے۔

یہاں ایک اور توجیہ بھی ہے جو صرف امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کے مسلک کے موافق ہے اور ایسے صاحب کشاف، مدارک اور فخر الاسلام نے اختیار کیا ہے کہ یہ طلاقِ رجعی نہیں بلکہ طلاقِ شرعی کا بیان ہے کیونکہ طلاق شرعی ایک کے بعد ایک علیحدہ علیحدہ طلاق دینا ہے۔ یکبارگی دو یا تین طلاقیں دینا شرعی طریقہ نہیں اور مرّتان سے مراد تکرار ہے۔ تثنیہ نہیں۔ جیسے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں ثم ارجع البصر کرتین۔ یہاں پر کرۃ بعد کرۃ ہے نہ کہ ایک وقت میں دو بار اُوپر نظر اُٹھانا بلکہ بار بار دیکھنا مراد ہے۔

اسی طرح یہاں بھی وقفہ وقفہ سے تین طلاق مراد ہے کیونکہ دو طلاقیں ایک ہی مرتبہ سنّت نہیں۔ جیسا کہ الطلاق مرّتان کہنا اور الطلاق اثنان نہ کہنا اس کا مؤید ہے۔ یہ خبر بمعنی امر ہے۔ اگر امر نہ ہوتا تو اس میں کذب کا بھی احتمال ہوتا کیونکہ کبھی کبھی دو طلاق ایک ہی بار بھی واقع ہوتی رہتی ہیں۔ امام شافعیؒ کے نزدیک دو یا تین طلاقیں یکبارگی دینا بھی جائز ہے۔

طلاق کے متعلق مذاہب کی تفصیل اور اس کے احکام

طلاق کی تین قسمیں ہیں (۱) احسن (۲) حسن (۳) بدعی۔

احسن طلاق یہ ہے کہ جس طہر میں بیوی سے ہمبستری نہ کی ہو اس میں صرف ایک طلاق دے زیادہ نہ دے۔
طلاقِ حسن ہمارے نزدیک یہ ہے کہ تین طلاقیں علیحدہ علیحدہ وطی سے خالی تین طہروں یا تین مہینوں میں دے لیکن امام مالک رحمۃ اللہ اسے طلاق بدعی کہتے ہیں۔ طلاق بدعی یہ ہے کہ ایک ہی طہر میں دو یا تین طلاقیں دے یا ایک ہی کلمہ سے دو یا تین طلاقیں دے یا وطی والے طہر یا حیض میں ایک طلاق دے۔
لیکن امام شافعی رحمۃ اللہ کے نزدیک حیض میں طلاق دینے کے علاوہ باقی تمام صورتیں مباح ہیں اگر لفظ طلاق صراحۃً بول کر طلاق دی ہو تو ایک یا دو طلاقوں کے بعد عدت کے اندر رجعت کا حق ہوگا۔ اگر عدت ختم ہو جائے یا طلاق میں صریح لفظ کے بجائے کنایات استعمال کئے تھے تو رجعت کا حق نہیں ہوگا بیوی جدا ہو جائے گی۔ مگر پھر بھی سابق خاوند نئے سرے سے نکاح کر سکتا ہے۔ اسی طرح عورت کو بھی حق حاصل ہے کہ وہ کسی بھی شخص سے نکاح کر سکتی ہے تین طلاق کی صورت میں خواہ صریح ہوں یا کنایہ، مال کے عوض میں ہو یا بغیر مال کے، یکبارگی ہوں یا علیحدہ علیحدہ عورت پہلے خاوند کے لئے اس وقت تک حلال نہیں جب تک کسی اور سے نکاح نہ کر لے۔ کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے طلاق رجعی کا ذکر دو آیات میں کیا ہے۔ ایک والمطلقت یتربصن میں اور اس کے بعد رجعت کا ذکر کیا ہے۔ جو وبعولتھن احق بردھن میں مذکور ہے۔ اور یہ رجوع ایک طلاق کے بعد عدت کے اندر ہو۔ دوسری مرتبہ طلاق رجعی کا ذکر الطلاق مرتان میں ہے۔ یہ وہ صورت ہے کہ دو طلاقیں علیحدہ علیحدہ یا ایک ہی بار دے اس کے بعد رجعت کا ذکر کیا ہے۔ فامساک بمعروف او تسریح باحسان یعنی دو بار طلاق دینے کے بعد یا تو مراجعت کر کے بھلے طریقہ سے روکنا ہے یا مراجعت نہ کر کے بطریقِ احسن چھوڑ دینا ہے تاکہ وہ عدت پوری کر کے جدا ہو جائے۔ دو طلاقوں کے بعد تیسری طلاق تیسرے طہر میں دے تاکہ عورت جدا ہو جائے اور عدت پوری کر کے کسی اور سے نکاح کر لے۔

اس کے بعد فان طلقھا فلا تحل لہ من بعد حتی تنکح زوجا غیرہ میں یہ واضح کیا کہ تیسری طلاق کے بعد عورت اس وقت تک پہلے خاوند کے لئے حلال نہیں جب تک کہ وہ عورت کسی اور سے نکاح نہ کر لے اور وہ خاوند عورت سے دخول کر لے، پھر اگر دوسرا خاوند اسے چھوڑ دے یا وہ انتقال کر جائے تو عدت کے بعد پہلے کے لئے نکاح کرنا جائز ہے۔
اور واذا طلقتم النساء فبلغن اجلھن (الآیۃ) میں یہ مسئلہ بیان کیا ہے کہ ایک یا دو طلاقوں کی عدت پوری

کرنے کے بعد طلاق دینے والے خاوند یا کسی اور سے نکاح کر سکتی ہے۔

طلاقِ مُغلّظہ کا بیان

طلاقِ رجعی ایک بار یا دو بار ہے، اگر اس کے بعد تیسری طلاق دیدے تو طلاقِ مغلّظہ ہو جائے گی۔ اس صورت میں عورت، طلاق دینے والے خاوند کے لئے اس وقت تک حلال نہیں ہو گی جب تک مطلقہ عورت کسی اور مرد سے نکاح نہ کرے اور وہ خاوند اس سے دخول نہ کرے۔ پھر اگر دوسرا خاوند بھی اسے طلاق دے دے تو عدت کے بعد پہلے خاوند اور اس عورت پر آپس میں دوبارہ نکاح کرنے میں کچھ حرج نہیں اگر ان کا خیال ہو کہ اب وہ حدودُ اللہ (حقوق زوجیت، حسنِ معاشرت، موافقت وغیرہا) قائم رکھیں گے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ فان طلقہا فلا تحل لہ من بعد حتّٰی تنکح زوجا غیرہ اس آیت کی تفسیر میں اربابِ عقول اور علمائے اصول نے طویل بحثیں کی ہیں۔ اکثر مفسرین کے نزدیک اس کا اِتّصال الطّلاق مرّتان سے ہے اس صورت میں آیت کے مذکورہ دونوں حصّوں کے درمیان طلاق خلع حائل ہے اور اسے درمیان میں اسی لئے رکھا گیا ہے تاکہ معلوم ہو کہ یہ بھی طلاق ہے۔

طلاق رجعی میں رجُوع کرنے کا بیان

جن عورتوں کو طلاق رجعی دی گئی ہو تو ان سے عدّت گذرنے سے پہلے پہلے رجوع کرنا صحیح ہے واذا طلقتم النسآء فبلغن اجلہن فامسکوھن بمعروف اوسرحوھن بمعروف: اور جب تم نے عورتوں کو (رجعی) طلاق دی (ہو) پھر وہ اپنی عدّت گذرنے کے قریب پہنچ جاویں تو (یا تو) تم ان کو قاعدہ کے موافق (رجعت کرکے) نکاح میں رہنے دو یا قاعدہ کے موافق ان کو رہائی دو۔

اس آیت میں طلاق رجعی کی صورت میں رجوع کا بیان ہے۔ قرآن پاک میں یہ مضمون بکثرت آیا ہے اس کے تکرار سے عورتوں کے حقوق کی تاکید مقصود ہے رجعت کا ذکر اس سے پہلے بھی ہو چکا ہے۔ ہمارا یہاں اس آیت کے ذکر کرنے سے مقصد یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس سے پہلے فرمایا تھا کہ عدت کے اندر اندر خاوند رجعت کے زیادہ مستحق ہیں اور اس آیت میں فرمایا کہ فبلغن اجلہن فامسکوھن بمعروف۔ معلوم ہوا کہ امساک بالمعروف کبھی لفظاً عدّت کے بعد بھی ہوتا ہے۔ اس طرح بظاہر دونوں آیتوں میں تعارض ہے۔

مفسرین کرام نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ فبلغن اجلھن کا معنی فبلغن اخر العدۃ ہے۔ اس کا معنی عدت کا بالکلیہ ختم ہونا نہیں ہے کیونکہ لفظ اَجل کا اطلاق جیسے پوری مدت پر ہوتا ہے اسی طرح آخر مدت پر بھی ہوتا ہے لہٰذا یہاں اَجل سے مراد آخر عدت ہے اور بلوغ الی الاَجل سے مراد بلوغ الی القریب ہے اور اگلی آیت میں اجل سے مراد پوری عدت اور بلوغ سے انتہائے عدت مراد ہے۔ اس صورت میں آیت کا معنی یہ ہوگا جب تم عورتوں کو طلاق دو اور وہ آخر عدت کے قریب پہنچ جائیں تو یا تو انہیں ضرر دیئے بغیر رجوع کر لو یا چھوڑ دو تاکہ ان کی عدت ختم ہو جائے اور طویل نہ ہو۔

بار بار رجوع کر کے عدّت کو لمبا کرنے کی ممانعت

عورتوں کی عدت کو لمبا کرنے کیلئے بار بار طلاق دینا اور بار بار رجوع کرنا منع ہے وَلا تمسکوھن ضرارا لتعتدوا ومن یفعل ذالک فقد ظلم نفسہٗ مطلب یہ ہے کہ عورتوں کو ضرر اور تکلیف میں ڈالنے کی غرض سے رجوع نہ کرو یہ اس لئے کہنا پڑا کہ ثابت بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا کسی صحابی ؓ نے اپنی عورت کو طلاق دی جب عدت ختم ہونے کو آئی تو رجوع کر لیا۔ پھر طلاق دی پھر عدت کے تین دن باقی تھے تو رجوع کر لیا اور عدت کو لمبا کرنے کی غرض سے تین بار ایسا کیا تاکہ وہ کسی اور سے جلدی نکاح نہ کر سکے تو اللہ تعالیٰ نے ایسا کرنے سے منع کر دیا اور فرمایا کہ انہیں مشقت میں ڈالنے کے لئے اپنے گھروں میں نہ روکو تاکہ عدت لمبی کر کے ان پر زیادتی کرو اور جو کوئی فعل مذکور کرے گا یعنی عورت کو ضرر دے گا تو وہ اپنے آپ پر ظلم کرے گا، کیونکہ وہ اس چیز کو اپنے آپ اللہ کے غضب کا سبب بنائے گا۔

اللہ تعالیٰ کی آیات کیساتھ استہزا کی ممانعت

اللہ تعالیٰ کے احکامات پر سنجیدگی سے عمل کرنا اور ان کا پورا پورا حق ادا کرنا چاہیئے اور ان کے ساتھ استہزا کرنے سے پرہیز کرنا چاہیئے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ ولا تتخذوا ایات اللہ ھزوا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے احکامات پر سنجیدگی سے عمل کرو اور ان کا پورا حق ادا کرو۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو گویا تم نے اللہ کی آیات کا استہزا کیا اور کوئی شخص کسی معاملہ میں غیر سنجیدہ ہو تو عرب اسے کہتے ہیں۔ انما انت لاعب وھازل۔ یہاں مقصود یہ ہے کہ طلاق، عتاق، نکاح وغیرہ الفاظ کو مذاق نہ بناؤ کیونکہ ان کا مذاق بھی حقیقت کا حکم رکھتا ہے

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ثلث جد ھن جد وھزلھن جد الطلاق والنکاح والعتاق۔ یعنی تین چیزیں ایسی ہیں جن کی حقیقت بھی حقیقت ہے اور ان کا مذاق بھی حقیقت ہے۔ ایک طلاق، دوسرا نکاح اور تیسرا غلام کا آزاد کرنا۔ اگر کسی شخص نے مذاق میں طلاق دے دی تو وہ حقیقتاً واقع ہوجائیگی۔ اسی طرح اگر کسی نے مذاق میں نکاح کرلیا تو نکاح ہوجائیگا۔ اسی طرح اگر کسی نے مذاق میں اپنے غلام کو آزاد کیا تو وہ حقیقتاً آزاد ہوجائے گا۔

طلاق کے احکام

وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ أَن يَكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللَّهُ فِي أَرْحَامِهِنَّ إِن كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَبُعُولَتُهُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِي ذَٰلِكَ إِنْ أَرَادُوا إِصْلَاحًا وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ○

(سورۃ البقرہ آیت ۲۲۸)

اور طلاق دی ہوئی عورتیں اپنے آپ کو روکے رکھیں تین حیض تک اور ان عورتوں کو یہ بات حلال نہیں کہ خدا تعالیٰ نے جو کچھ ان کے رحم میں پیدا کیا ہو اس کو پوشیدہ کریں اور وہ عورتیں اللہ تعالیٰ پر اور قیامت پر یقین رکھتی ہیں اور ان عورتوں کے شوہر ان کو پھر لوٹانے کا حق رکھتے ہیں اس عدت کے اندر بشرطیکہ اصلاح کا قصد رکھتے ہوں اور عورتوں کے بھی حقوق ہیں جو کہ مثل انہی حقوق کے ہیں جو ان عورتوں پر ہیں قاعدہ کے موافق اور مردوں کا ان کے مقابلہ میں درجہ بڑھا ہوا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ زبردست ہیں حکیم ہیں۔

طلاقِ رجعی اور مطلقہ کی عدت

مطلقہ عورتوں کی عدت تین حیض ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے والمطلقات یتربصن بانفسھن ثلثۃ قروء اس آیت میں عدت اور رجعت کا بیان ہے۔ آیت کا مذکورہ حصہ عدت کے متعلق ہے۔ تفسیر کشاف ودیگر تفاسیر میں اس کے متعلق لکھا ہے کہ آزاد حائض اور مدخول بہا عورتیں اپنے آپ کو تین حیض تک روکے رکھیں اور دوسرے نکاح میں جلدی نہ کریں۔ یہ قیود ہم نے اس لئے لگائیں کیونکہ لونڈی کی عدت دو حیض کامل ہیں تین حیض نہیں۔ اور غیر حائضہ آئسہ وصغیرہ کی عدت تین ماہ ہے اور غیر مدخول بہا

کی کوئی عدت نہیں یہ اگرچہ خبر ہے لیکن امر کے معنی میں ہے جیسا کہ علم معانی میں مذکور ہے تعمیل ارشاد میں مبالغہ کے لئے لائی گئی ہے۔ لفظ انفسہن انہیں انتظار پر آمادہ کرنے کے لئے لایا گیا ہے کیونکہ عورتوں کے نفوس مردوں کی طرف مائل ہوتے ہیں لہٰذا انہیں حکم دیا گیا ہے کہ اپنے نفسوں پر دباؤ ڈال کر انتظار کریں۔

لفظ قروء کی تحقیق،

یتربصن بانفسہن ثلٰثۃ قروء میں لفظ قرو، اگرچہ طہر اور حیض دونوں کیلئے مشترک ہے لیکن دونوں میں سے کسی ایک کیلئے مؤول ہے۔

ہمارے نزدیک اس سے مراد حیض ہے کیونکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، لونڈی کی طلاق دو طلاقیں اور اس کی عدّت دو حیض ہیں۔ اس لئے کہ ہر معاملہ میں لونڈی کا حق آزاد عورت کے حق کا نصف ہے۔ یہاں چونکہ تجزی (التقسیم) ناممکن تھی اس لئے دو طلاقوں اور دو حیضوں کا اعتبار کیا گیا لہٰذا معلوم ہوا کہ آزاد عورت کی عدت تین حیض ہے۔ نیز باری تعالیٰ نے فرمایا کہ والآئی یئسن من المحیض اور جو عورتیں عمر کی زیادتی کی وجہ سے حیض آنے سے مایوس ہو چکی ہیں ان کی عدت تین مہینے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس کو حیض آتا ہے ان کی عدت حیض سے ہوگی نیز عدّت کی مشروعیت کی علت یہ ہے کہ رحم کا خالی ہونا معلوم ہو جائے اسی طرح ولایحل لھن ان یکتمن ما خلق اللہ فی ارحامھن میں بھی اس علت کی طرف اشارہ موجود ہے اور رحم کا خالی ہونا حیض ہی سے معلوم ہوگا۔

رہی یہ بات کہ رحم کا خالی ہونا تو ایک ہی حیض سے معلوم ہو سکتا ہے پھر تین حیض کی کیا ضرورت ہے۔

آیت میں لفظ ثلٰثۃ خاص ہے اور معنی معین کیلئے وضع کیا گیا ہے کمی بیشی کا احتمال نہیں رکھتا اور طلاق طہر میں مشروع ہے حیض میں نہیں لہٰذا اگر شوہر نے طلاق طہر میں دی اور اس طہر کو بھی عدت شمار کیا جائے جیسا کہ امام شافعیؒ کا مسلک ہے تو اس کی عدت دو قرو، اور تیسرے قرو، کا بعض حصہ بنے گی تین قرو، پورے نہ ہوں گے۔ اور اگر طلاق والے طہر کو عدّت میں شمار نہ کریں تو عدّت تین قرو، اور چوتھے کا بعض حصہ ہوگا۔ دونوں صورتوں میں لفظ ثلٰثۃ جو کہ خاص ہے بر عمل نہیں ہوگا اس کے برعکس اگر قروء سے مراد حیض لیں اور طلاق طہر میں ہو تو عدت پورے تین حیض بنے گی اکثر نے پہلی ہی شق پر اکتفا کیا ہے اور دوسری شق کا ذکر نہیں کیا۔ کیونکہ وہ صرف احتمال ہے کسی کا مسلک نہیں۔

رجعت کا بیان

طلاقِ رجعی دینے کے بعد ان عورتوں کے خاوند عدت کے اندر اندر رجوع کرنے کے زیادہ مستحق ہیں، عدت گزرنے کے بعد بغیر تجدیدِ نکاح کے رجوع نہیں کر سکتے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے وبعولتھن احق بردھن فی ذالک ان ارادوا اصلاحا اور ان عورتوں کے شوہر ان کو پھر لوٹا لینے کا حق رکھتے ہیں اس عدت کے اندر۔ آیت کا یہ جملہ آیت کے سابقہ جملہ ولا یحل لھن ان یکتمن کا معلل ہے۔ اور وہ اس کی علت ہے۔ یعنی اگر اس عرصہ میں ان پر ظاہر ہو جائے کہ ان کے رحم میں کیا ہے۔ جنین یا حیض تو ان کے لئے خاوندوں سے اسے چھپانا جائز نہیں کیونکہ ان کے خاوند اس دوران رجوع کے زیادہ حقدار ہیں اور اگر انہوں نے جنین کو اپنے خاوندوں پر ظاہر نہیں کیا تو یہ غالباً فراق کا باعث ہوگا اور عدت جلدی ختم ہو جائیگی اور اگر انہوں نے خاوندوں پر اس کا اظہار کر دیا تو بچہ پر شفقت کے پیشِ نظر خاوند ان کی طرف مائل ہو جائیں گے اسی طرح اگر عورت حیض کو چھپائے اور کہے کہ میں پاک ہوں تو وہ طلاق کی خواہش مند ہے اور رجعت پر راضی نہیں یہ رجعی طلاق ہے جو صریح لفظ سے واقع ہوتی ہے بائن یا کنایہ نہیں جیسا کہ فقہ میں معروف ہے اسے طلاق رجعی اس لئے کہتے ہیں کہ خاوند کو بغیر نکاح رجوع کا حق ہے۔ نیز یہ اس بات کی بھی دلیل ہے کہ طلاق رجعی وطی کو حرام نہیں کرتی کیونکہ طلاق کے بعد بھی اسے زوج کہا گیا ہے۔ اگرچہ یہ احتمال بھی ہے کہ وجہ تسمیہ ما کان کے اعتبار سے ہو۔

رجوع کرنے میں خاوند زیادہ حقدار ہے۔

رجوع کرنے میں خاوند کے زیادہ حقدار ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اگر خاوند رجوع کرنا چاہے اور بیوی انکار کرے تو خاوند کی بات کو ترجیح دینا واجب ہے کیونکہ رجعت میں بیوی کا بھی حق ہے مگر خاوند زیادہ حق دار ہے وبعولتھن احق بردھن اور ان عورتوں کے شوہر ان کو پھر لوٹا لینے کا حق رکھتے ہیں۔

رجوع کرنا اصلاح کے لئے ہو

رجوع کرنے سے مقصود اصلاح ہونی چاہیئے کیونکہ زمانہ جاہلیت اور ابتدائے اسلام میں عرب اپنی عورتوں کو تنگ کرنے کی غرض سے طلاق دیتے جب عدت ختم ہونے کو آتی تو رجوع کر لیتے، پھر طلاق دیدیتے، پھر رجوع کر لیتے اور

یہ سلسلہ عرصۂ دراز تک جاری رہتا، اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا اور کہا وبعولتھن احق بردھن فی ذالك ان ارادوا اصلاحا۔ یعنی خاوند رجعت کے زیادہ مستحق ہیں اگر رجعت سے ان کا ارادہ باہم اصلاح کا ہو خواہ مخواہ عورت کو تنگ کرنا اور فساد مقصود نہ ہو۔

خاوند اور بیوی کے حقوق

میاں بیوی کے باہم ایک دوسرے پر حقوق ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ ولھن مثل الذی علیھن بالمعروف اور عورتوں کے بھی حقوق ہیں جو کہ مثل انہی حقوق کے ہیں جو ان عورتوں پر ہیں۔ قاعدہ کے موافق۔ مثلاً بیوی کے ذمّہ خاوند کے یہ حقوق ہیں، خدمت کرنا، ادب کرنا، کوئی اعتراض نہ کرنا، خاوند کا کہنا ماننا، نافرمانی سے بچنا ہر حال میں خاوند کی وفادار۔ خاوند جب اور جس طرح چاہے بیوی سے وطی کر سکتا ہے بیوی کو انکار کا حق نہیں ہے۔ ہاں ماہِ رمضان کے روزے رکھنے کی وجہ سے لواطت اور حالتِ حیض میں وطی کرنے سے انکار کر سکتی ہے۔

خاوند کے ذمّہ بیوی کے یہ حقوق ہیں خوراک، لباس، رہائش مہیا کرنا۔ مہر ادا کرنا جیسا کہ کتبِ فقہ میں مذکور ہے۔ احکامِ شریعت کی تعلیم دینا وغیرہ وغیرہ۔

ایلاء کے احکام

لِلَّذِينَ يُؤْلُونَ مِن نِّسَائِهِمْ تَرَبُّصُ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ فَإِن فَاءُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ وَإِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَإِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ۔

سورۃ البقرہ آیت ۲۲۶، ۲۲۷

جو لوگ قسم کھا بیٹھتے ہیں اپنی بیویوں سے ان کیلئے چار مہینے تک کی مہلت ہے۔ سو اگر یہ لوگ رجوع کرلیں تب تو اللہ تعالیٰ معاف کردیں گے، رحمت فرمادیں گے اور اگر بالکل چھوڑ ہی دینے کا پختہ ارادہ کرلیا تو اللہ تعالیٰ سنتے ہیں، جانتے ہیں۔

آیت کا شانِ نزول

آیت کا شانِ نزول یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں اگر کسی شخص کو اپنی بیوی سے رغبت نہ رہتی۔ اور اس کا میلان اس سے کم ہوجاتا اور اس کے ساتھ ساتھ اسے اس بات پر غیرت بھی ہوتی کہ اگر میں اس کو چھوڑ دوں گا تو کوئی اور اس سے نکاح کرلے گا اس لئے وہ اسے معلّق چھوڑ دیتا نہ خود اس سے بیوی کا سا برتاؤ کرتا اور نہ چھوڑتا کہ کوئی اور اس سے نکاح کرلے اور اس طرح وہ عورت لامتناہی مدت کے لئے مصیبت میں پھنس جاتی تھی، اللہ تعالیٰ نے ایسا کرنے سے منع کردیا اور فرمایا کہ وہ لوگ جو اپنی عورتوں سے ایلاء کرتے ہیں ان کے لئے چار ماہ کی مدت ہے۔

حسینی اور زاھدی نے اس کی وضاحت میں لکھا ہے کہ جو لوگ عورتوں کے قریب نہ جانے کی قسم کھائیں ان کے لئے چار ماہ کی مدت ہے اس سے زیادہ نہیں۔

ایلاء کے الفاظ

ایلا کے الفاظ یہ ہیں کہ خدا کی قسم میں تیرے قریب نہیں ہونگا، میں چار ماہ تک تمہارے قریب نہ ہوگا۔ اگر میں تیرے قریب ہوں تو مجھ پر حج پر لازم ہے یا روزہ لازم ہے یا اگر میں تیرے قریب ہوں تو تجھے طلاق ہے، یا اگر میں تیرے قریب ہوں تو میرا غلام آزاد ہے۔ یا میں دو ماہ اور اس سے اگلے دو ماہ تیرے قریب نہ ہوں گا۔

ایلاء کی مدت

جو لوگ اپنی بیویوں کے قریب نہ جانے کی قسم کھاتے ہیں ان کے لئے چار ماہ کی مدت ہے تربص اربعة اشھر۔

اجنبیہ عورت سے ایلاء جائز نہیں

اپنی منکوحہ بیوی سے ایلا کرنا جائز، دوسری اجنبیہ عورت سے ایلا نا جائز ہے للذین یؤلون من نسآءھم جو لوگ قسم کھا بیٹھتے ہیں اپنی بیویوں سے آیت میں لفظ نسآء سے معلوم ہوتا ہے کہ مطلقہ بائنہ سے ایلا جائز نہیں۔ کیونکہ وہ نسآء میں داخل نہیں۔

ہاں مطلقہ رجعیہ سے ایلا جائز ہے کیونکہ عدت کے اندر زوجیت قائم ہے۔ لہٰذا وہ نسآء کے ذیل میں داخل ہیں۔

ایلاء و ظہار کا حکم

ایلا اور ظہار دونوں کا حکم ایک ہی ہے کہ کسی اجنبیہ عورت کے بارے میں اسے مخاطب کرکے کہے کہ خدا کی قسم میں تیرے قریب نہ آؤں گا یا تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے پھر وہ اس سے نکاح کرلے تو وہ اس سے نہ ایلا کرنے والا ہوگا نہ ظہار کرنے والا، کیونکہ محل نہ ہونے کی بنا پر یہ کلام باطل ہے صحیح نہیں۔ کیونکہ ایلا کے وقت وہ اس کی منکوحہ بیوی نہیں تھی جبکہ ایلا کیلئے منکوحہ ہونا ضروری ہے جیسا کہ آیت للذین یؤلون من نسآءھم سے ثابت ہے۔ اگر اس عورت کے قریب ہو تو کفارہ قسم لازم ہوگا کیونکہ اس کے حق میں یہ یمین منعقدہ ہے اور حانث ہونے کی وجہ سے کفارہ لازمی ہے۔

ایلاء کا حکم

اگر مدت ایلاء میں رجوع کرلے اور جس بات پہ قسم کھائی تھی اسے پورا نہ کریں بلکہ قسم توڑ دیں اور کفارہ قسم ادا کردیں تو اللہ تعالیٰ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔ فان فآءو فان اللہ غفور رحیم۔ اور اگر انہوں نے اپنی قسم پوری کردی اور اسے نہ توڑا یہاں تک کہ چار ماہ گذر گئے اور طلاق پر ان کا ارادہ پکا رہا تو اللہ تعالیٰ ان کے ایلا اور طلاق کو سننے والا اور ان کے قصد و ارادہ کو جاننے والا ہے۔ صرف مدت گذرتے ہی طلاق بائنہ واقع ہوجائیگی۔

وان عزموا الطلاق فان اللہ سمیع علیم۔

خُلع کا بیان

وَلَا یَحِلُّ لَکُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَیْتُمُوْھُنَّ شَیْئًا اِلَّآ اَنْ یَّخَافَآ اَلَّا یُقِیْمَا حُدُوْدَ اللّٰہِ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا یُقِیْمَا حُدُوْدَ اللّٰہِ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْھِمَا فِیْمَا افْتَدَتْ بِہٖ۔

(سورۃ البقرۃ آیت ۲۲۹)

اور تمہارے لئے یہ بات حلال نہیں کہ چھوڑنے کے وقت کچھ بھی لو (گو) اس میں سے (بھی) جو تم نے ان کو (مہر میں) دیا تھا مگر یہ کہ میاں بیوی دونوں کو احتمال ہو کہ اللہ تعالےٰ کے ضابطوں کو قائم نہ کر سکیں گے، سو اگر تم لوگوں کو یہ احتمال ہو کہ وہ دونوں ضوابطِ خداوندی کو قائم نہ کر سکیں گے تو دونوں پر کوئی گناہ نہ ہوگا اس (مال کے لینے دینے) میں جس کو دیکر عورت اپنی جان چھڑا لے۔

مفسرینِ کرام نے اس کا شانِ نزول یہ بیان کیا ہے کہ جمیلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے خاوند حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے نفرت کرتی تھی لیکن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ اس سے محبت کرتے تھے۔ ثابتؓ نے اسے مہر میں ایک باغ دے رکھا تھا، جمیلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے وہ باغ واپس دے کر اس سے خلع کر لیا یعنی باغ اُسے واپس کر کے اُسے ذریعہ طلاق بنا لیا۔ ثابتؓ نے اسے طلاق دے دی اور اس سے باغ لے لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمیلہؓ کو کافی روکا لیکن وہ علیحدگی پر اصرار کرتی رہی اور خاوند کی نافرمانی کرنے لگی۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جمیلہؓ سے دریافت کیا کہ کیا تو اس کو اس کا باغ واپس دینے کو تیار ہے وہ کہنے لگی جی ہاں! بلکہ کچھ مزید بھی۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا "زیادہ دینے کی ضرورت نہیں" یہ اسلام میں پہلا خلع تھا اور اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ متعدد مفسرین نے یہ قصہ کمی بیشی سے بیان کیا ہے۔

آیت کا مفہوم یہ ہے جو مہر وغیرہ تم نے عورتوں کو دیا ہے وہ ان سے لینا یا واپس کرنا تمہارے لئے حلال نہیں مگر اس صورت میں لے سکتے ہو کہ وہ دونوں میاں بیوی ڈریں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حدود قائم نہیں رکھ سکیں گے یعنی ان میں موافقت نہ ہو کہ عورت لڑائی جھگڑا، بد خلقی اور خاوند کی بے ادبی کرے اور خاوند اُسے ناحق مارے یا گالی

گلو چ دے۔ پس اگر تمہیں ایسی کسی بات کی بناء پر خوف ہو کہ وہ حدود اللہ قائم نہیں رکھ سکیں گے تو ان دونوں پر اس مال کے بارے میں کوئی حرج نہیں کہ مال عورت خاوند کو بدلے میں دے دے اور اس کے عوض اپنے آپ کو چھڑالے مفسرین نے یہی معنی بیان کئے ہیں اور اسے خلع کہتے ہیں اور یہ طلاق بائن ہے لیکن اس میں شرط یہ ہے کہ اس میں لفظ خلع مذکور ہو۔ مثلاً خاوند کہے کہ میں تجھ سے ایک ہزار درہم کے عوض خلع کرتا ہوں اور عورت منظور کرلے یا عورت کہے مجھ سے اتنے مال کے عوض خلع کرلے اور خاوند اسے منظور کرلے۔ اگر لفظ خلع مذکور نہ ہو مثلاً خاوند کہے کہ میں تجھے ایک ہزار کے عوض طلاق دیتا ہوں یا عورت کہے کہ مجھے ایک ہزار کے عوض طلاق دے تو اسے خلع نہیں بلکہ طلاق علی المال کہا جائے گا، بوقت ضرورت اس مال کے عوض جو مہر بن سکے خلع جائز ہے لہٰذا جو چیز نکاح میں مہر بن سکتی ہے خلع میں بدل بن سکتی ہے لیکن اس کا عکس جائز نہیں۔

اگر زیادتی خاوند کی جانب سے ہو تو خلع میں بدل لینا مکروہ ہے اور مہر سے زیادہ لینا مکروہ ہے اور اگر زیادتی عورت کی طرف سے ہو تو خلع عورت کے حق میں معاوضہ ہے یہاں تک کہ وہ اس سے رجوع کرسکتی ہے اختیار بھی عورت ہی کو ہے لیکن مجلس تک موقوف ہے اور خاوند کے حق میں خلع قسم ہے اس لئے عورت کے احکام کا عکس ہے۔

ظہار کے احکام

اَلَّذِیۡنَ یُظٰہِرُوۡنَ مِنۡکُمۡ مِّنۡ نِّسَآئِہِمۡ مَّا ہُنَّ اُمَّہٰتِہِمۡ ؕ اِنۡ اُمَّہٰتُہُمۡ اِلَّا الّٰٓیِٴۡ وَلَدۡنَہُمۡ ؕ وَ اِنَّہُمۡ لَیَقُوۡلُوۡنَ مُنۡکَرًا مِّنَ الۡقَوۡلِ وَ زُوۡرًا ؕ وَ اِنَّ اللّٰہَ لَعَفُوٌّ غَفُوۡرٌ ﴿۲﴾ وَ الَّذِیۡنَ یُظٰہِرُوۡنَ مِنۡ نِّسَآئِہِمۡ ثُمَّ یَعُوۡدُوۡنَ لِمَا قَالُوۡا فَتَحۡرِیۡرُ رَقَبَۃٍ مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ یَّتَمَآسَّا ؕ ذٰلِکُمۡ تُوۡعَظُوۡنَ بِہٖ ؕ وَ اللّٰہُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِیۡرٌ ﴿۳﴾ فَمَنۡ لَّمۡ یَجِدۡ فَصِیَامُ شَہۡرَیۡنِ مُتَتَابِعَیۡنِ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ یَّتَمَآسَّا ۚ فَمَنۡ لَّمۡ یَسۡتَطِعۡ فَاِطۡعَامُ سِتِّیۡنَ مِسۡکِیۡنًا ؕ ذٰلِکَ لِتُؤۡمِنُوۡا بِاللّٰہِ وَ رَسُوۡلِہٖ ؕ وَ تِلۡکَ حُدُوۡدُ اللّٰہِ ؕ وَ لِلۡکٰفِرِیۡنَ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ﴿۴﴾

(سورۃ مجادلہ آیت ۲ تا ۴)

جو لوگ ماں کہہ بیٹھیں تم میں سے اپنی عورتوں کو وہ نہیں ہو جاتیں ان کی مائیں، اُن کی مائیں تو وہی ہیں جنہوں نے ان کو جنا اور وہ بولتے ہیں ایک ناپسند بات اور جھوٹی۔ اور اللہ معاف کرنے والا بخشنے والا ہے۔ اور جو لوگ ماں کہہ بیٹھیں اپنی عورتوں کو پھر کرنا چاہیں وہی کام جس کو کہا ہے۔ تو آزاد کرنا چاہیئے ایک بردہ پہلے اس سے کہ آپس میں ہاتھ لگائیں اس سے تم کو نصیحت ہو گی اور اللہ خبر رکھتا ہے جو تم کرتے ہو پھر جو کوئی نہ پائے تو روزے ہیں دو مہینے لگاتار پہلے اس سے کہ آپس میں چھوئیں پھر جو کوئی یہ نہ کر سکے تو کھانا دینا ہے ساٹھ محتاجوں کا یہ (حکم) اس واسطے ہے کہ تابعدار ہو جاؤ اللہ کے اور اس کے رسولؐ کے اور یہ حدیں باندھی ہیں اللہ کی اور منکروں کے واسطے عذاب ہے دردناک۔

آیات کا سبب نزول

ان آیات کے نزول کا سبب ایک خاص واقعہ ہے کہ حضرت اوس بن الصامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مرتبہ اپنی بیوی خولہ کو یہ کہہ دیا کہ انت علی کظھر امی۔ تو میرے حق میں ایسی ہے

جیسے میری ماں کی پُشت یعنی حرام ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی بعثت سے پہلے زمانہ جاہلیت میں یہ لفظ ابدی اور دائمی حُرمت کے لئے بولے جاتے تھے جو طلاقِ مغلظہ سے بھی زیادہ سخت ہے۔ حضرت خولہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا یہ واقعہ پیش آنے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس کا حکم شرعی معلوم کرنے کے لئے حاضر ہوئیں اس وقت تک اس خاص مسئلے کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی وحی نازل نہ ہوئی تھی اس لئے آپ نے قولِ مشہور کے موافق ان سے فرمادیا ماارٰک الا قد حُرمتِ علیه یعنی میری رائے میں تو تم اپنے شوہر پر حرام ہوگئیں وہ یہ سُن کر داویلا کرنے لگیں کہ میری جوانی سب اس شوہر کی خدمت میں ختم ہوگئی۔ اب بڑھاپے میں انھوں نے مجھ سے یہ معاملہ کیا ہے۔ میں کہاں جاؤں؟ میرا اور میرے بچّوں کا گزارہ کیسے ہوگا؟ اور ایک روایت میں ہے کہ خولہ رضؓ نے یہ عرض کیا کہ ماذکر طلاقا یعنی میرے شوہر نے طلاق کا نام بھی نہیں لیا تو پھر طلاق کیسے ہوگئی۔ اور ایک روایت میں ہے کہ خولہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اللہ تعالیٰ سے فریاد کی اللّٰھم انی اشکوا الیك اور ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خولہؓ سے فرمایا' ما امرت فی شانك بشئ حتی الاٰن یعنی ابھی تک تمہارے مسئلے کے متعلق مجھ پر کوئی حکم نازل نہیں ہُوا۔

ان سب روایات میں کوئی تضاد و تعارض نہیں۔ سبھی اقوال صحیح ہوسکتے ہیں۔ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ (کذافی الدرالمنثور وابن کثیر) اس لئے اس سورت کی ابتدائی آیات میں اس خاص مسئلے کا جس کا نام ظہار ہے حکم شرعی بیان فرمایا گیا جس میں حق تعالیٰ نے حضرت خولہؓ کی فریاد سُنی اور ان کے لئے آسانی فرمادی۔ ان کی وجہ سے حق تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں یہ مستقل احکام نازل فرمادیئے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: قد سمع الله قول التی تجادلك فی زوجها وتشتکی الی الله والله یسمع تحاورکما ان الله سمیع بصیر۔ ترجمہ: سُن لی اللہ نے بات اس عورت کی جو جھگڑتی تھی تجھ سے اپنے خاوند کے حق میں اور جھینکتی تھی اللہ کے آگے اور اللہ سُنتا تھا سوال وجواب تم دونوں کا بیشک اللہ سُنتا اور دیکھتا ہے۔

اسی لئے حضرات صحابہ کرامؓ ان کا بڑا احترام کرتے تھے ایک روز فاروق اعظمؓ ایک مجمعے کے ساتھ چلے جارہے تھے، یہ عورت یعنی حضرت خولہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سامنے آکر کھڑی ہوگئیں کچھ کہنا چاہتی تھیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے راستہ میں ٹھیر کر ان کی بات سُنی۔ بعض لوگوں نے کہا آپ نے اس بڑھیا کی خاطر اتنے بڑے مجمع کو روکے رکھا، تو آپ نے فرمایا کہ تم کو خبر ہے کہ یہ کون عورت ہے؟ یہ وہ عورت ہے جس کی بات اللہ تعالیٰ نے ساتوں آسمانوں کے اوپر سُنی میں کون تھا کہ اس کی بات کو

ٹال دیتا۔ واللہ اگر یہ خود ہی رخصت نہ ہو جاتی تو میں رات تک ان کے ساتھ یہیں کھڑا رہتا۔ (ابن کثیر)

ظہار کی تعریف اور اس کا شرعی حکم

اصطلاحِ شرع میں ظہار کی تعریف یہ ہے کہ اپنی بیوی کو اپنی محرماتِ ابدیہ ماں بہن بیٹی وغیرہ کے کسی ایسے عضو سے تشبیہ دینا جس کو دیکھنا اس کے لئے جائز نہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ الذین یظٰہرون منکم من نسآئھم۔ یظاہرون ظہار بکسر ظا سے مشتق ہے جو بیوی کو اپنے اوپر حرام کر لینے کی ایک صورت کے لئے بولا جاتا ہے۔ جو اسلام سے پہلے زمانہ جاہلیت میں رائج اور معروف تھی اور وہ صورت یہ تھی کہ شوہر اپنی بیوی کو کہہ دیتا انت علی کظھر امی یعنی تو مجھ پر ایسی حرام ہے جیسے میری ماں کی پشت۔ زمانہ جاہلیت میں یہ لفظ دائمی حرمت کے لئے بولا جاتا تھا اور طلاق کے لفظ سے بھی زیادہ شدید سمجھا جاتا تھا کیونکہ طلاق کے بعد تو رجعت یا نکاحِ جدید ہو کر پھر بیوی بن سکتی تھی مگر ظہار کی صورت میں رسم جاہلیت کے مطابق ان کے آپس میں میاں بیوی ہو کر رہنے کی قطعی کوئی صورت نہ تھی۔

ظہار سے بیوی ماں نہیں بنتی۔

اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو اپنی ماں کی پشت سے تشبیہ دے دے تو اس کے ایسا کرنے سے اس کی بیوی اس کی حقیقی ماں نہیں بنتی ماھن امھٰتھم ان امھٰتھم الّا الّٰئی ولدنھم یعنی ان کے اس بیہودہ کلام کی وجہ سے بیوی، ماں نہیں بن جاتی، ماں تو وہی ہے جس کے بطن سے پیدا ہوا ہے۔

بیوی سے ظہار کرنا ناجائز اور گناہ ہے

زمانہ جاہلیت میں بیوی کو ماں کے ساتھ تشبیہ دیکر ظہار کرنے کی رسم شریعت اسلامیہ میں ناجائز اور گناہ ہے وانھم لیقولون منکرا من القول و زورا یعنی ان کا یہ قول جھوٹ بھی ہے کہ خلافِ واقعہ ماں کو بیوی کہہ رہا ہے اور منکر یعنی گناہ بھی ہے۔ شریعتِ اسلامیہ نے اس جاہلانہ رسم کی دو طرح اصلاح فرمائی اول تو خود اس رسم ظہار کو ناجائز و گناہ قرار دیا اور بتایا کہ جس کو بیوی سے علیحدگی اختیار کرنا ہو تو اس کا طریقہ طلاق ہے۔ علیحدگی کے لئے طریقہ طلاق کو اختیار کرے، ظہار کو اس کام کے لئے استعمال نہ کرے کیونکہ یہ ایک لغو اور جھوٹا کلام ہے کہ بیوی کو

ماں کہتا ہے۔

ظہار کے بعد بیوی کی حلت کیلئے کفّارہ ضروری ہے۔

دوسری اصلاح یہ فرمائی کہ اگر کوئی ناواقف جاہل یا احکام دین سے غافل آدمی ایسا کر ہی بیٹھے تو اس لفظ سے شریعتِ اسلام میں حُرمتِ اَبدی نہیں ہوتی لیکن اس کو کُھلی چھٹی بھی نہیں دی جاتی کہ ایسا لفظ کہنے کے بعد پھر بیوی سے پہلے کی طرح اختلاط وانتفاع کرتا ہے بلکہ اس پر ایک جُرمانہ کفّارہ کا لگا دیا گیا کہ اگر پھر اپنی بیوی سے رجوع ہونا چاہتا ہے اور پہلے کی طرح بیوی سے نفع اُٹھانا چاہتا ہے تو کفّارہ ادا کر کے اپنے اس گناہ کی تلافی کرے کفّارہ کی اَدائیگی کے بغیر بیوی حلال نہ ہوگی۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: والّذین یظاھرون من نسآء ھو ثو یعودون لما قالوا۔

یعودون لما قالوا میں حرف لام کو عن کے معنی میں لیا گیا ہے یعنی رجوع کرتے ہیں وہ اپنے قول سے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے **یعودون** کی تفسیر یندموں بھی منقول ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ قول کہنے کے بعد وہ اپنے قول پر نادم ہو جائیں اور پھر بیوی سے اختلاط کرنا چاہیں۔

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہُوا کہ کفّارہ کا وجوب بیوی کے ساتھ اختلاط حلال ہونے کی غرض سے ہے اس کے بغیر حلال نہیں خود ظہار اس کفّارہ کی علت نہیں بلکہ ظہار کرنا ایک گناہ ہے جس کا کفّارہ توبہ واستغفار ہے جس کی طرف آیت کے آخر میں وان اللہ لعفو غفور سے اشارہ کر دیا گیا ہے اس لئے اگر کوئی شخص ظہار کر بیٹھے اور اب بیوی سے اختلاط نہیں رکھنا چاہتا تو کوئی کفّارہ لازم نہیں البتہ بیوی کی حق تلفی ناجائز ہے اگر وہ مُطالبہ کرے تو کفّارہ ادا کر کے اختلاط کرنا یا پھر طلاق دے کر آزاد کرنا واجب ہے اگر یہ شخص خود نہ کرے تو بیوی حاکمِ اسلام کی طرف مراجعت کر کے شوہر کو اس پر مجبور کر سکتی ہے۔ یہ سب مسائل کُتبِ فقہ میں مفصل لکھے گئے ہیں۔

کفّارۂ ظہار

ظہار کا کفّارہ یہ ہے کہ ایک غلام یا لونڈی آزاد کرے اس پر قُدرت نہ ہو تو دو مہینے کے لگاتار مسلسل روزے رکھے اور اگر کسی بیماری یا ضعف کے سبب اِتنے روزوں پر قُدرت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے یعنی دونوں وقت پیٹ بھرائی کھانا ساٹھ مسکینوں کو کھلادے۔

کھانا کھلانے کے قائم مقام یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ساٹھ مسکینوں کو فی کس ایک فطرہ کی مقدار گندم یا اس کی قیمت دے دے۔ فطرہ کی مقدار ہمارے موجودہ وزن کے اعتبار سے پونے دو سیر گندم ہے اس کی قیمت بھی دی جا سکتی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ فتحریر رقبة من قبل ان یتماسا ذالکم توعظون به والله بما تعملون خبیر، فمن لم یجد فصیام شهرین متتابعین من قبل ان یتماسا فمن لم یستطع فاطعام ستین مسکینا۔

ظہار اور مُتبنیٰ کا حُکم

مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ وَمَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ الّٰٓـِٔيْ تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ اُمَّهٰتِكُمْ وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا اٰبَآءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ وَمَوَالِيْكُمْ وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيْمَآ اَخْطَاْتُمْ بِهٖ وَلٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا (سورۃ الاحزاب آیت ۵)

اللہ تعالیٰ نے کسی شخص کے سینے میں دو دل نہیں بنائے اور تمہاری ان بیبیوں کو جن سے تم ظہار کرتے ہو تمہاری ماں نہیں بنایا اور تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارا (سچ مچ کا) بیٹا نہیں بنا دیا یہ صرف تمہارے منہ سے کہنے کی بات ہے اور اللہ حق بات فرماتا ہے اور وہی سیدھا راستہ بتلاتا ہے تم ان کو ان کے باپوں کی طرف منسوب کیا کرو یہ اللہ کے نزدیک راستی کی بات ہے اور اگر تم ان کے باپوں کو نہ جانتے ہو تو وہ تمہارے دین کی بھائی ہیں اور تمہارے دوست ہیں اور تم کو ایسی جو بھول چوک ہو جاوے تو اس سے تم پر کچھ گناہ نہ ہوگا ہاں دل کا ارادہ کر کے کرو اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے

شانِ نزول

روایت ہے کہ زیدؓ بن حارث کلبی حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے غلام تھے حضرت زیدؓ کو بچپن میں حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بھتیجے حکم بن حزام نے ان کیلئے خریدا تھا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت خدیجہؓ کا نکاح ہو گیا تو حضرت خدیجہؓ نے انہیں رسول اللہ

صلّی اللہ علیہ وسلّم کو ہبہ کر دیا پھر کچھ عرصہ گذرنے پر حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے انہیں آزاد کر کے مُنہ بولا بیٹا بنالیا۔
آپ نے حضرت زید پر والدین سے زیادہ مہربان اور شفیق تھے۔ حتّٰی کہ مکّہ میں زید بن حارثہ کی زید بن محمّد مشہور ہو گئے
ان تمام دُور از حقیقت باتوں کی تردید کیلئے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

بیوی کو ماں کہہ کر ظہار کرنے سے وہ حقیقی ماں نہیں بنتی۔

زمانۂ جاہلیت میں دستور تھا کہ اگر کوئی شخص بیوی کو ماں کہہ کر اسے اپنے آپ پر حرام کر لیتا اور وہ شخص
اسے طلاق سمجھ کر بیوی کو اپنے اُوپر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حرام کر لیتا تھا اور اسے حقیقی ماں سمجھنے لگتا۔ اللہ تعالیٰ نے
مذکورہ آیت میں اس غلط دستور کی تردید فرمادی وما جعل ازواجکم الّٰئِی تظاھرون منھن امّھٰتکم
اور اللہ تعالیٰ نے تمہاری ان بیویوں کو جن سے تم ظہار کر لیتے ہو تمہاری ماں نہیں بنا دیا۔

مُنہ بولا بیٹا حقیقی بیٹا نہیں بنتا۔

اسی طرح اگر کوئی شخص کسی کو مُنہ بولا بیٹا بنالیتا تو پھر اسے حقیقی بیٹے کی طرح سمجھنے لگتا اسے میراث کا مستحق
سمجھا جاتا اور اس کی بیوی سے اس کے مرنے یا طلاق دینے کے بعد نکاح کو حرام سمجھا جاتا تھا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے
مذکورہ آیت نازل فرمائی و مَا جعل ادعاء کم ابناء کم جس کا مفہوم یہ ہے کہ مُنہ بولا بیٹا حقیقی بیٹا نہیں
ہوتا پس نہ تو اس کی بیوی سے نکاح حرام ہے اور نہ اس کا نفقہ واجب ہے اور حقیقی بیٹے والا کوئی شرعی
حُکم اس پر نافذ نہیں ہوگا۔

لعان کا بیان

وَالَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ یَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِیْنَ وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَیْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِیْنَ وَیَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِیْنَ وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَیْهَآ اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ حَكِیْمٌ۔

سورۃ النور (آیت ۶ تا ۱۰)

اور جو لوگ اپنی بیبیوں کو تہمت لگائیں اور ان کے پاس بجز اپنے اور کوئی گواہ نہ ہو تو ان کی شہادت یہی ہے کہ چار بار اللہ کی قسم کھا کر یہ کہدے کہ بے شک میں سچا ہوں اور پانچویں بار یہ کہے کہ مجھ پر خدا کی لعنت ہو اگر میں جھوٹا ہوں اور اس عورت سے سزا اس طرح ٹل سکتی ہے کہ وہ چار بار قسم کھا کر کہے کہ بے شک یہ مرد جھوٹا ہے اور پانچویں بار یہ کہے کہ مجھ پر خدا کا غضب ہو اگر یہ سچا ہے اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ تم پر اللہ کا فضل اور اس کا کرم ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا اور حکمت والا ہے۔

لعان کا لغوی معنی

لعان اور ملاعنت کے معنی ایک دوسرے پر لعنت اور غضب الٰہی کی بد دعا کرنے کے ہیں۔ اس طرح لعان کا معنی ابعاد یعنی دور کر دینے کے ہیں۔ چنانچہ لعنہ اللہ جو بولتے ہیں تو اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی رحمت سے دور کر دیا۔

لعان کا شرعی معنی

اصطلاح شرع میں میاں اور بیوی دونوں کو چند خاص قسمیں دینے کو لعان کہا جاتا ہے۔ جس کی صورت

یہ ہے کہ جب کوئی شوہر اپنی بیوی پر زنا کا الزام لگا دے یا اپنے بچے کو کہے کہ یہ میرے نطفہ سے نہیں ہے اور یہ عورت جس پر الزام لگایا گیا ہے اس کو جھوٹا بتلادے اور اس کا مطالبہ کرے کہ مجھ پر جھوٹی تہمت لگائی ہے اس لئے شوہر پر زنا کی تہمت کی سزا اسّی کوڑے جاری کی جائے تو اس وقت شوہر سے مطالبہ کیا جائیگا کہ الزامِ زنا، پر چار گواہ پیش کرے۔ اگر اس نے گواہ پیش کر دیئے تو عورت پر حدِ زنا لگائی جائے گی۔ اور اگر وہ چار گواہ نہ لا سکا تو ان دونوں میں لعان کرایا جائے گا یعنی اوّل مرد سے کہا جائے گا کہ وہ چار مرتبہ ان الفاظ سے جو قرآن میں مذکور ہیں۔ یہ شہادت دے کہ میں اس الزام میں سچا ہوں اور پانچویں مرتبہ یہ کہے کہ اگر میں جھوٹ بولتا ہوں تو مجھ پر اللہ کی لعنت ہو۔

اگر شوہر ان الفاظ کے کہنے سے رُکے تو اس کو قید کر دیا جائے گا کہ یا تو اپنے جھوٹا ہونے کا اقرار کر یا مذکورہ الفاظ کے ساتھ پانچ مرتبہ قسمیں کھاؤ اور جبتک وہ ان دونوں میں سے کوئی کام نہ کرے اس کو قید رکھا جائے گا اگر اس نے اپنے جھوٹے ہونے کا اقرار کر لیا تو اس پر حدِ قذف یعنی تہمتِ زنا کی شرعی سزا جاری ہو گی۔ اور اگر الفاظ مذکورہ کے ساتھ پانچ مرتبہ قسمیں کھالیں تو پھر اس کے بعد عورت سے ان الفاظ میں پانچ قسمیں لی جائیں گی۔ جو قرآن میں عورت کے لئے مذکور ہیں۔ اور اگر وہ قسمیں کھانے سے انکار کرے تو اسے اُسوقت تک قید رکھا جائے گا جبتک کہ یا تو وہ شوہر کی تصدیق یا اپنے جرمِ زنا کا اقرار کر لے تو اس پر حدِ زنا جاری کر دی جائے گی، اور یا پھر الفاظ مذکورہ کے ساتھ پانچ قسمیں کھاوے اگر وہ الفاظ مذکورہ کے ساتھ قسمیں کھانے پر راضی ہو جائے تو قسمیں کھالے تو اب لعان پورا ہو گیا جس کے نتیجہ میں دُنیا کی سزا سے تو دونوں بچ گئے، آخرت کا معاملہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے ہی کہ ان میں کون جھوٹا ہے۔ جھوٹے کو آخرت میں سزا ملے گی لیکن دُنیا میں بھی جب دو میاں بیوی کے درمیان لعان کا معاملہ ہو گیا تو یہ ایک دوسرے پر ہمیشہ کے لئے حرام ہو جاتے ہیں۔ شوہر کو چاہیئے کہ اس کو طلاق دے کر آزاد کر دے۔ اگر وہ طلاق نہ دے تو حاکم ان دونوں میں تفریق کر سکتا ہے جو بحکمِ طلاق ہو گی۔

بہرحال اب ان دونوں کا آپس میں نکاح بھی کبھی نہیں ہو سکتا۔

متعہ کا حکم

وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ۔

(سورۃ نسآء آیت ۲۵)

اور جو شخص تم میں پوری وسعت اور گنجائش نہ رکھتا ہو آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح کرنے کی تو وہ اپنے آپس کی مسلمان لونڈیوں سے جو کہ تم لوگوں کی مملوکہ ہیں نکاح کرے اور تمہارے ایمان کی پوری حالت اللہ ہی کو معلوم ہے تم سب آپس میں ایک دوسرے کے برابر ہو سو ان سے نکاح کر لیا کرو ان کے مالکوں کی اجازت سے اور ان کو ان کے مہر قاعدہ کے موافق دیدیا کرو اس طور پر کہ وہ منکوحہ بنائی جائیں نہ تو علانیہ بدکاری کرنیوالی ہوں اور نہ خفیہ آشنائی کرنیوالی ہوں۔

متعہ حرام ہے

اہلِ سنّت والجماعت کے نزدیک متعہ حرام ہے اور اس کی حرمت قرآن مجید کی سورۃ نسآء کی آیت ۲۵ ومن لم یستطع منکم طولاً سے معلوم ہوتی ہے آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اگر آزاد عورت کے ساتھ نکاح کرنے کی طاقت نہ ہو تو باندی کیساتھ نکاح کر لو اس سے ثابت ہوا کہ متعہ جائز نہیں کیونکہ اگر متعہ جائز ہوتا تو آزاد عورت کے ساتھ نکاح نہ کر سکنے کی صورت میں کسی شخص کے لئے آسان ترین صورت متعہ کرنے کی تھی، اس میں جنسی خواہش بھی پوری ہو جاتی ہے اور مالی بوجھ بھی نکاح کے مقابلہ میں کم ہوتا ہے۔ نیز آیت میں باندیوں کی صفت محصنٰت غیر مسافحات یعنی اس طور پر کہ وہ منکوحہ بنائی جائیں نہ تو علانیہ بدکاری کرنے والی ہوں اور نہ خفیہ آشنائی کرنے والی ہوں اور متعہ کی صورت میں بدکاری ہی بدکاری ہے کہ ایک عورت قلیل مدت میں متعدد اشخاص کے استعمال میں آتی ہے اور چونکہ بچہ کسی طرف بھی منسوب نہیں کیا جا سکتا اس لئے تناسل کا بھی فائدہ حاصل نہیں ہوتا اور سب کی قوت صرف شہوت رانی میں چلی جاتی ہے۔

عِدّت کے احکام

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا فَمَتِّعُوْهُنَّ وَسَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا

(سورۃ الاحزاب، آیت نمبر ۴۹)

اے ایمان والو! جب تم مسلمان عورتوں سے نکاح کرو اور پھر تم ان کو قبل ہاتھ لگانے کے (کسی اتفاق) سے طلاق دے دو تو تمہاری ان پر کوئی عدت (واجب) نہیں جس کو تم شمار کرنے لگو تو ان کو کچھ (مال) متاع دے دو اور خوبی کے ساتھ ان کو رخصت کر دو۔

مُطلّقہ غیر مدخولہ پر عِدّت واجب نہیں

اگر تم نکاح کرنے کے بعد اپنی بیویوں کو ہاتھ لگانے سے پہلے ہی طلاق دیدو تو تمہاری ان پر کوئی عدت واجب نہیں یعنی طلاق کے بعد وہ فوراً نکاح کر سکتی ہیں کیونکہ عدت استبراء رحم کے لئے ہوتی ہے اس کی ضرورت یہاں نہیں۔

لفظ مس کی مُراد

میں امام شافعی رحمۃ اللہ کے نزدیک مساس سے مُراد مباشرت ہے۔ اس لئے ان کے نزدیک خلوتِ صحیحہ کے باوجود مُباشرت کے بغیر عدّت واجب نہیں اور احناف کے نزدیک مساس خلوتِ صحیحہ اور مُباشرت دونوں کو شامل ہے۔ لہٰذا خواہ مُباشرت نہ بھی ہو تب بھی خلوتِ صحیحہ کے بعد طلاق کی صورت میں عدّت واجب ہے۔

بیوہ کی عدت کا بیان

وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْکُمْ وَیَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا یَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْکُمْ فِیْمَا فَعَلْنَ فِیْ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ (سورۃ البقرۃ آیت ۲۳۴)

اور جو لوگ تم میں وفات پا جاتے ہیں اور بی بیاں چھوڑ جاتے ہیں اور وہ بی بیاں اپنے آپ کو روکے رکھیں چار مہینے اور دس دن پھر جب اپنی معیاد ختم کر لیں تو تم کو کچھ گناہ نہ ہوگا۔ ایسی بات میں کہ وہ عورتیں اپنی ذات کے لئے کچھ کاروائی کریں قاعدہ کے موافق اور اللہ تعالی تمہارے تمام افعال کی خبر رکھتے ہیں۔

جس عورت کا خاوند انتقال کر جائے اُس کی عدت

جن عورتوں کے خاوند انتقال کر جائیں ان کی عدت چار ماہ دس دن ہے۔ عدت کے دوران کسی اور شخص سے نکاح نہ کریں عدت ختم ہونے کے بعد نکاح کر سکتی ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا یتربصن بانفسھن اربعۃ اشھر وعشرا یعنی مسلمانوں میں سے جو لوگ فوت ہو جاتے ہیں اور بیویاں چھوڑ جاتے ہیں وہ بیویاں اپنے آپ کو چار ماہ اور دس روز نئے خاوند سے نکاح کرنے روکے رکھیں پس جب وہ عورتیں اپنی عدت پوری کر لیں تو اس کے بعد ان پر کوئی حرج نہیں وہ اپنے بارے میں جو چاہیں مثلاً نئے خاوند سے نکاح بطریقہ معروف کر سکتی ہیں۔ اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ جس عورت کا خاوند مر جائے اس کی عدت چار ماہ دس روز ہے اس دوران وہ کسی سے نکاح نہ کرے اور اس کے بعد نئے خاوند سے نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

دو آیتوں میں تطبیق

سورۃ بقرہ کی مذکورہ آیت نمبر ۲۳۴ والذین یتوفون منکم الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ بیوہ عورت کی عدت چار ماہ دس دن ہے خواہ وہ حاملہ ہو یا غیر حاملہ اور کتبِ اصول میں مذکور ہے کہ سورۃ الطلاق کی آیت نمبر ۴ واولات الاحمال اجلھن ان یَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ کا اقتضاء یہ ہے کہ حاملہ کی عدت وضع حمل ہے خواہ اس کا خاوند

فوت ہوگیا ہو یا وہ مطلقہ ہو یا اس کے علاوہ۔

لہٰذا حاملہ غیر متوفیٰ عنہا زوجہا (جس کا خاوند فوت نہ ہُوا ہو) کی عدّت یقیناً وضع حمل ہے اور غیر حاملہ متوفیٰ عنہا زوجہا (جس کا خاوند فوت ہوگیا ہو) کی عدت چار ماہ دس روز ہے۔ مگر حاملہ متوفیٰ عنہا زوجہا یعنی جس کا خاوند فوت ہوگیا ہو اور وہ حاملہ ہو اس عورت کی عدّت کے بارے میں بظاہر دونوں آیتوں میں تعارض ہے کیونکہ سورہ بقرہ کی آیت کا تقاضہ ہے کہ اکی عدت چار ماہ دس دن ہو اور سورۃ طلاق کی آیت کا تقاضہ ہے کہ اس کی عدت وضع حمل ہو۔ چنانچہ اس بارے میں حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کا مذہب یہ ہے کہ سورۃ طلاق والی آیت چونکہ بعد میں نازل ہوئی ہے اس نے سُورہ بقرہ کے حُکمِ عام کہ بیوہ عورت خواہ حاملہ ہو یا غیر حاملہ' دونوں صورتوں میں اس کی عدت چار ماہ دس دن ہے کو منسُوخ کر دیا اس طرح کہ بیوہ غیر حاملہ کے حُکم کو باقی رہنے دیا۔ کہ اس کی عدّت چار ماہ دس دن ہے اور بیوہ حاملہ کی عدّت جو سورہٗ بقرہ کی آیت کے مطابق چار ماہ دس دن تھی کو منسُوخ کر کے اس کی عدّت وضعِ حمل قرار دی۔ اور اس طرح آیت میں دونوں کا قدرِ مُشترک منسُوخ ہوگیا۔ نسخ کی اس قسم کو ان کے عُرف میں نسخِ وصف فی الحکم کہہ سکتے ہیں یعنی پُورا حکم منسُوخ نہیں بلکہ اس کی ایک وصف منسُوخ ہے اور یہاں وصف عمومیت منسُوخ ہے۔

معتدہ کے خرچہ اور اس کی رہائش کا بیان

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِىْ مَا فَعَلْنَ فِىْٓ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ

اور جو لوگ وفات پا جاتے ہیں تم میں سے اور چھوڑ جاتے ہیں بیبیوں کو وہ وصیت کر جایا کریں اپنی بیوں کے واسطے ایک سال منتفع ہونے کی اس طور پر کہ وہ گھر سے نکالی نہ جاویں۔ ہاں اگر وہ خود نکل جاویں تو تم کو کوئی گناہ نہیں اس قاعدہ کی بات میں جس کو وہ اپنے بارے میں کریں اور اللہ تعالیٰ زبردست ہیں حکمت والے ہیں اور سب طلاق دی ہوئی عورتوں کے لئے کچھ کچھ فائدہ پہنچانا قاعدہ کے موافق مقرر ہُوا ہے ان پر

جو پرہیز کرتے ہیں۔ اسی طرح حق تعالیٰ تمہارے لئے اپنے احکام بیان فرماتے ہیں اس توقع پر کہ تم سمجھو

بیویوں کیلئے وصیت کا حکم

تم میں سے جو قریب المرگ ہو جائیں اور ان کی بیویاں بھی ہوں تو ان پر لازم ہے کہ اپنی بیویوں کے لئے اپنے ورثار کو وصیت کر جائیں کہ وہ انہیں ان کے مال سے ایک سال تک خرچ دیں اور انہیں ایک سال تک ان کے گھروں سے بھی نہ نکالیں۔ والذین یتوفون منکم و یذرون ازواجا وصیۃ لازواجھم متاعا الی الحول غیر اخراج۔

یہاں دو امر مذکور ہیں۔ ایک سال تک عدت گذارنا اور ایک سال تک رہائش اور خوراک کا خرچ دینا ابتدار اسلام میں اسی پر عمل تھا جیسا کہ زاھدی میں صراحۃً مذکور ہے کہ طائف کا ایک شخص حکیم بن اشرف مدینہ طیبہ آیا تھا اور وہیں فوت ہو گیا اور اپنے پیچھے والدین، بیوی اور ایک بچہ چھوڑ گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے والدین اور بچہ کو ان کا حصہ دے دیا اور اس کی بیوی کے لئے یہ فیصلہ کیا کہ وہ ایک سال تک اس کے گھر میں رہے اور اس کے مال سے بیوی کے ایک سال کے خرچ کے لئے ایک حصہ معین کر دیا اور بیوی کو ایک سال کے لئے بناؤ سنگھار یا نکاح کرنے سے منع کر دیا، کچھ عرصہ کے بعد یہ حکم منسوخ ہو گیا یعنی ایک سال کی عدت یتربصن بانفسھن اربعۃ اشھر و عشرا سے منسوخ ہو گئی۔ وہ اگرچہ تلاوۃً مقدم ہے مگر نزولاً مؤخر ہے ایک سال کا خرچ میراث سے ۱/۴، ۱/۸ حصہ منسوخ ہو گیا لہٰذا اسے نفقہ نہیں ملے گا اور وہ نفقہ کے لئے دن کو اور رات کو کچھ حصہ میں باہر جا سکتی ہے لیکن رات خاوند کے گھر میں گذارے گی جب تک عدت میں ہے —— بخلاف معتدہ مطلقہ کے کہ اسے خرچ ملے گا لہٰذا وہ اس کے حصول کے لئے نہیں نکل سکتی۔ جیسا کہ کتب فقہ میں اور تفسیر کشاف میں صراحۃً مذکور ہے۔ اب معتدۃ الوفات کے لئے ہمارے نزدیک رہائش بھی ثابت نہیں مگر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اسے رہائش کا حق حاصل ہے۔

مطلقہ رجعیہ و بائنہ کا دورانِ عدّت کا خرچہ شوہر پر لازم ہے۔

مطلقہ رجعیہ اور مطلقہ بائنہ کے لئے مدّت عدّت کا خرچہ اور رہائش کا انتظام شوہر کے ذمّہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وللمطلقات متاع بالمعروف۔ امام شافعی رحمۃ اللہ کے نزدیک مبتوتہ کا نفقہ شوہر پر لازم نہیں۔ ہاں اگر مبتوتہ حاملہ ہو تو امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اس کا بھی نفقہ شوہر پر لازم ہے کیونکہ حالتِ حمل میں لزومِ نفقہ قرآن سے ثابت ہے وان کن اولات حمل فانفقوا علیہن الخ طلاق رجعی میں بالاتفاق نفقہ واجب ہے کیونکہ طلاقِ رجعی میں طلاق کے بعد بھی نکاح باقی رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مطلقہ رجعیہ سے وطی کرنا ہے۔

طلاقِ بائنہ میں معتدہ بائنہ کے بارے میں امام شافعیؒ کا اختلاف ہے۔ ان کی دلیل فاطمہ بنتِ قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی یہ روایت ہے کہ مجھے میرے خاوند نے تین طلاقیں دے دیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ مجھے خرچ دلوایا اور نہ رہائش۔

ہماری طرف سے جواب یہ ہے کہ اس حدیث کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رد کر دیا تھا۔ انہوں نے فرمایا کہ ہم ایک عورت کی بات پر اپنے رب کی کتاب اور اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت کو نہیں چھوڑ سکتے۔ ہم نہیں جانتے کہ وہ سچی ہے یا جھوٹی، اسے اصل بات یاد بھی ہے یا نہیں یا بھول گئی کیونکہ میں نے نبی علیہ الصلوۃ والسّلام سے سنا ہے کہ مطلقہ ثلاثہ کو دورانِ عدت خرچ و رہائش ملے گا۔

نیز اسے زید بن ثابت، اسامہ بن زید، جابر، عائشہ صدیقہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بھی رد کیا ہے۔ فخر الاسلام نے بھی ایسا ہی لکھا ہے۔

دورانِ عدت مطلقہ عورتوں کی رہائش کا انتظام اور ان کا خرچہ خاوند پر لازم ہے

اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَيِّقُوْا عَلَيْهِنَّ وَاِنْ كُنَّ اُولَاتِ	تم ان مطلقہ عورتوں کو اپنی وسعت کے موافق رہنے کا مکان دو جہاں تم رہتے ہو اور ان کو تنگ کرنے کیلئے (اس کے بارے میں) تکلیف مت پہنچاؤ۔ اگر وہ مطلقہ

حملٍ فَاَنفِقُوا عَلَیهِنَّ حَتّٰی یَضَعنَ حَملَهُنَّ۔ (سورۃ الطلاق آیت ۶) | عورتیں حمل والیاں ہوں تو حمل پیدا ہونے تک کھانے پینے کا خرچہ دو۔

مُطلّقہ عورتوں کی رہائش کا انتظام خاوند پر لازم ہے

مطلّقہ عورتوں کی عدّت پوری ہونے تک رہائش کا انتظام شوہر کے ذمّہ لازم ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے اسکنوھن من حیث سکنتم من وجدکم اس آیت کا تعلق اس حُکم کے ساتھ ہے جو اس سے پہلے سورۃ بقرہ کی آیت نمبر ۲۳۴ میں گذر چکا ہے کہ مطلقہ عورتوں کو ان کے گھروں سے نہ نکالو۔ اس آیت میں اس کا ایجابی پہلو ذکر کیا گیا ہے کہ ان کو عدت پوری ہونے تک اپنی وُسعت اور قُدرت کے مُطابق رہنے کا مکان دو جہاں تم خود رہتے ہو اسی مکان کے کسی حصہ میں رکھو، اگر مطلقہ بطلاق رجعی ہے تو باہم کسی پردہ کی بھی ضرورت نہیں اور اگر طلاق بائن یا تین طلاقیں دے دی ہیں تو اب رشتۂ نکاح ٹوٹ چکا ہے۔ اس کو سابق شوہر سے پردہ کرنا چاہیئے، اس کے لئے پردہ کے ساتھ اسی مکان میں رہنے کا انتظام کیا جائے۔

مُطلقہ عورتوں کو ایامِ عدّت میں پریشان کرنا منع ہے

عدّت کے دِنوں میں جب مطلقہ عورت تمہارے ساتھ رہے تو طعن و تشنیع کر کے یا اس کی ضروریات میں تنگی کر کے اس کو پریشان نہ کرو کہ وہ گھر سے نکلنے پر مجبور ہو جائے۔ قرآن مجید کا ارشاد ہے ولا تضاروھن لتضیقوا علیھن اور ان کو تنگ کرنے کے لئے تکلیف مت پہنچاؤ۔

حمل والی مُطلّقہ عورتوں کا عِدّت کا خرچہ

یعنی اگر مطلقہ عورتیں حمل والی ہوں تو ان پر اسوقت تک خرچ کرنے کا حُکم ہے جبتک کہ ان کا حمل پیدا نہ ہو جائے وان کن اولات حمل فانفقوا علیھن حتّٰی یضعن حملھن اس آیت میں بتلایا گیا ہے کہ مطلقہ عورتیں اگر حاملہ ہوں تو ان کا نفقہ شوہر پر اسوقت تک لازم ہے جبتک کہ حمل پیدا ہو۔ اس مطلقہ حاملہ کے متعلق پوری اُمّت کا اجماع ہے کہ اس کا نفقہ اس کی عدت جو وضع حمل ہے پوری ہونے تک شوہر پر باجماع اُمّت واجب ہے۔

باقی وہ مطلقہ جس کو طلاقِ بائن یا تین طلاقیں دی گئی ہیں یا جس نے خلع وغیرہ کے ذریعہ اپنا نکاح منسوخ کرایا ہو اس کے متعلق امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد رحمۃ اللہ اور بعض دوسرے ائمہ کا قول ہے کہ ان کا نفقہ شوہر پر واجب نہیں۔ اور امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ان کا نفقہ بھی شوہر پر لازم ہے ان کے نزدیک جس طرح حق سکنیٰ (رہائش) تمام مطلقات کے لئے واجب ہے اسی طرح نفقہ بھی ہر قسم کی مطلقات کے لئے واجب ہے اور دلیل یہی آیت ہے جس میں عام مطلقات کے لئے حق سکنیٰ دینے کو لازم کیا گیا ہے۔

غیر حائضہ عورت کی عدّت کا بیان،

وَالّٰٓئِیْ یَئِسْنَ مِنَ الْمَحِیْضِ مِنْ نِّسَآئِکُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ وَّالّٰٓئِیْ لَمْ یَحِضْنَ وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ یَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ یُسْرًا

(سورۃ الطلاق آیت ۴)

تمہاری (مطلقہ) بی بیوں میں جو عورتیں (بوجہ زیادتی سن کے) حیض آنے سے نااُمید ہو چکی ہیں اگر تم کو (ان کی عدت کی تعین میں) شبہ ہو تو ان کی عدت تین مہینے ہیں اور اسی طرح جن عورتوں کو (اب تک بوجہ کم عمری کے حیض نہیں آیا (اور حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرے گا اللہ تعالیٰ اس کے ہر کام میں آسانی کر دے گا۔

اس آیت میں مطلقہ عورتوں کی عدت کی مزید تفصیل ہے جس میں تین قسم کی عورتوں کی عدت کا عام قاعدۂ عدت سے جداگانہ حکم مذکور ہے غیر حائضہ کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) آئسہ جن کا حیض بڑھاپے کی وجہ سے بند ہو چکا ہو۔
(۲) صغیرہ جو نابالغ ہو اور ابھی اسے حیض آنا ہی شروع نہ ہوا ہو۔
(۳) حاملہ جن کو بوجہ حمل خون آنا بند ہو گیا ہو۔

آئسہ کی عدت تین ماہ ہے۔

وہ عورت جس کا عمر کی زیادتی کی وجہ سے یا کسی بیماری کے سبب سے حیض آنا بند ہو چکا ہو اس کی عدت

تین ماہ ہے وَالّٰئِیْ یَئِسْنَ مِنَ الْمَحِیْضِ مِنْ نِّسَآئِکُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ

صغیرہ کی عدّت

وہ عورت جس کو کم عمری کے سبب ابھی تک حیض آنا شروع نہ ہوا ہو ان کی عِدت آیت مذکورہ میں تین حیض کے بجائے تین مہینے مقرر فرما دی وَالّٰئِیْ یَئِسْنَ مِنَ الْمَحِیْضِ مِنْ نِّسَآئِکُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ۔ وَالّٰئِیْ لَمْ یَحِضْنَ

حاملہ کی عدّت وضع حمل ہے

اور حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل ہے خواہ وہ کتنے ہی دِلوں میں ہو جو کہ مذکورہ آیت کے اس حصہ سے ثابت ہے۔ وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ یَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ۔

مُعتدہ کو اشارۃً نکاح کا پیغام دینا اور عدّت ختم ہونے سے پہلے نکاح کا بیان!

وَلَا جُنَاحَ عَلَیْکُمْ فِیْمَا عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ اَوْ اَکْنَنْتُمْ فِیْٓ اَنْفُسِکُمْ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّکُمْ سَتَذْکُرُوْنَهُنَّ وَلٰکِنْ لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا اِلَّآ اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّکَاحِ حَتّٰی یَبْلُغَ الْکِتٰبُ اَجَلَهٗ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ مَا فِیْٓ اَنْفُسِکُمْ فَاحْذَرُوْهُ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِیْمٌ۔

(سورۃ البقرہ آیت نمبر ۲۳۵)

اور تم پر کوئی گناہ نہیں ہوگا ان مذکورہ عورتوں کو پیغام دینے کے بارے میں کوئی بات اشارۃً کہو یا اپنے دِل میں پوشیدہ رکھو اللہ تعالیٰ کو یہ بات معلوم ہے کہ تم ان عورتوں کا ذکر مذکور کرو گے لیکن ان سے نکاح کا وعدہ مت کرو مگر یہ کہ کوئی بات قاعدہ کے موافق کہو اور تم تعلق نکاح کا ارادہ بھی مت کرو یہاں تک کہ عدت مقررہ اپنے ختم کو پہنچ جائے اور یقین رکھو اس کا کہ اللہ تعالیٰ کو اطلاع ہے تمہارے دِلوں کی بات کی، سو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو اور یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ معاف بھی کرنے والے ہیں حلیم بھی ہیں۔

آیت کا مفہوم،

اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ دورانِ عدت معتدہ سے نکاح یا صریح منگنی جائز نہیں لیکن تعریض جائز ہے اس بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ یہ حکم صرف معتدہ کے بارے میں ہے یا صرف متوفی عنہا زوجہا کے بارے میں ہے جیسے ذکر کے فوراً بعد مذکور ہے۔ صاحبِ مدارک وغیرہ نے تو اس بارے میں تو سکوت اختیار کیا ہے فقہ میں مذکور ہے کہ یہ حکم عام ہے۔ معتدہ سے منگنی نہ کی جائے مگر منگنی کی تعریض جائز ہے لہٰذا ممکن ہے کہ اس آیت کو تمام معتدات عورتوں کے بارے میں قرار دیا جائے۔ اگرچہ یہ آیت معتدہ الوفات کے بعد مذکور ہے۔

لفظِ خطبہ کی تحقیق

خُطبہ بالضم کا معنی وعظ ہے اور خِطبہ بالکسر کا معنی منگنی اور یہاں یہی معنی مُراد ہے تعریض ایسا کلام جو نکاح کے وہم میں ڈالے مثلاً یہ کہنا کہ آپ بڑی خوبصورت ہیں بڑی نیک ہیں، آپ بغیر نکاح کیسے رہ سکتی ہیں اگر آپ کی عدّت پُوری ہو جائے تو بندہ کو ضرور مطلع کرنا۔ وغیرہ وغیرہ۔ فیما عرضتم بہٖ من خطبۃ النساء۔

کنایہ اور تعریض میں فرق

کنایہ یہ ہے کہ آپ کسی چیز کا تذکرہ ایسے الفاظ میں کریں جو اس کے لئے موضوع نہیں مثلاً عورت سے لواطت حرام ہے اسے آپ یوں ادا کریں کہ ولیس البربان تأتوا البیوت من ظہورھا۔ یعنی گھروں میں پیچھے سے داخل ہونا نیکی نہیں اور تعریض یہ ہے کہ آپ ایک چیز کا تذکرہ کریں اور اسی سے کسی اور چیز پر دلالت مقصود ہو جس کا ذکر آپ نے نہیں کیا مثلاً کوئی محتاج، محتاج الیہ کو کہے میں آپ کو سلام کرنے اور کریم چہرے پر نظر ڈالنے کی غرض سے آیا ہوں۔ دونوں کا فرق اور تفصیلی احکام علم بیان میں مذکور ہیں۔

معتدہ سے پیغامِ نکاح کی تعریض کرنا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ جو ازل سے انسانوں کی طبیعت اور فطرت سے واقف ہیں کہ عدّت میں بیٹھنے والی

عورت سے نکاح کی خواہش کریں گے اس لئے دورانِ عدت اشارۃً پیغام نکاح دینے کی اجازت دے دی فرمایا:
علم اللہ انکم ستذکرونھن ولکن لا تواعدوھن سرا الا ان تقولوا قولا معروفا مطلب یہ
ہے کہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ تم اس کا تذکرہ ضرور کرو گے یا ان سے تذکرہ ضرور کرو گے اور خاموش ہرگز نہ رہ سکو گے
اور ان میں تم کو ضرور رغبت ہوگی۔ لیکن ان سے کوئی پوشیدہ طور پر کی جانے والی بات ہرگز نہ کہنا اور پوشیدگی میں
کیا جانے والا جماع ہوتا ہے۔ یعنی ان سے دورانِ عدت یہ نہ کہنا کہ میں جماع پر قادر ہوں یا میں مردانگی میں کامل ہوں
میں نکاح کے قابل ہوں وغیرہ وغیرہ۔ یعنی نکاح کا تذکرہ صراحۃً نہ ہو۔ بعض نے یہ معنی کیا ہے کہ ان سے خفیہ طور پر
پکا وعدہ نہ کرنا، لیکن مواعدت فی السر کا مطلب عام طور پر ایسی چیز کا وعدہ ہوتا ہے جس کا علانیہ ذکر کرنا مناسب
ہے الا ان تقولوا قولا معروفا یہ استثناء ہے اور مستثنیٰ منہ مقدر ہے ای لا تواعدوھن قط الا
مواعدۃ معروفۃ ان سے ہرگز وعدہ نہ کرنا مگر بھلا وعدہ کر سکتے ہو جو ناپسندیدہ اور مکروہ نہ ہو وہ یہی ہے کہ ان سے
تعریضاً کہہ دو صراحۃً نہ کہو۔

دورانِ عدت نکاح کا پختہ عزم کرنا منع ہے۔

عدت کے پورا ہونے تک معتدہ عورتوں سے نکاح کا پختہ عزم کرنا منع ہے۔ ولا تعزموا عقدۃ النکاح
حتّٰی یبلغ الکتٰب اجلہ۔ یعنی اس وقت تک نکاح کا پختہ عزم نہ کرو جب تک کہ ان کی عدت پوری نہ
ہوجائے۔ نہی عزم میں مبالغہ ہے کیونکہ عزم نکاح ممنوع ہے۔ تو اصل فعل یعنی نکاح بطریق اولیٰ ممنوع ہوگا۔

طلاقِ بدعی اور مطلقہ عورت کے شوہر کے گھر سے نہ نکلنے کا بیان

یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْھُنَّ لِعِدَّتِھِنَّ وَاَحْصُوا الْعِدَّۃَ وَاتَّقُوا اللّٰہَ رَبَّکُمْ لَا تُخْرِجُوْھُنَّ مِنْۢ بُیُوْتِھِنَّ وَلَا یَخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ یَّاْتِیْنَ بِفَاحِشَۃٍ مُّبَیِّنَۃٍ وَتِلْکَ حُدُوْدُ اللّٰہِ

اے پیغمبر (آپ لوگوں سے کہہ دیجئے کہ) جب تم لوگ اپنی عورتوں کو طلاق دینے لگو تو ان کو (زمانہ یعنی حیض) سے پہلے (یعنی طہر میں) طلاق دو اور تم عدت کو یاد رکھو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو جو تمہارا رب ہے۔ ان عورتوں کو ان کے (رہنے کے) گھروں سے مت نکالو (کیونکہ سکنیٰ مطلقہ کا مثل منکوحہ کے واجب ہے۔) اور نہ وہ عورتیں خود نکلیں،

وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ لَا تَدْرِيْ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ وَّاَشْهِدُوْا ذَوَيْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ وَاَقِيْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ ذٰلِكُمْ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۔

(سورۃ الطلاق آیت ۱ و ۲)

مگر ہاں کوئی کھلی بیحیائی کریں تو اور بات ہے اور یہ سب خدا کے مقرر کئے ہوئے احکام ہیں اور جو شخص احکام خداوندی سے تجاوز کرے گا (مثلاً اس عورت کو گھر سے نکال دیا) اس نے اپنے اوپر ظلم کیا، تجھ کو خبر نہیں شاید اللہ تعالیٰ بعد اس (طلاق دینے) کے کوئی نئی بات (تیرے دل میں) پیدا کر دے (مثلاً طلاق میں ندامت ہو تو رجعی میں تو اس کا تدارک ہو سکتا ہے) پھر جب وہ (مطلقہ) عورتیں اپنی عدت گذرنے کے قریب پہنچ جائیں (تو تم کو دو اختیار ہیں یا تو ان کو قاعدہ کے موافق نکاح میں رہنے دو یا قاعدہ کے موافق ان کو رہائی دو اور آپس میں دو معتبر شخصوں کو گواہ کر لو۔ (اے گواہو! اگر گواہی کی حاجت پڑے تو) ٹھیک اللہ تعالیٰ کے واسطے گواہی دو، اس مضمون سے اس شخص کو نصیحت کی جاتی ہے جو اللہ پر اور یوم قیامت پر یقین رکھتا ہے ۔"

شانِ نزول

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنی عورت کو بحالتِ حیض طلاق دے دی تھی حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو آپ سخت ناراض ہوئے پھر فرمایا کہ ان کو چاہیئے کہ بحالتِ حیض دی ہوئی طلاق سے رجوع کر لیں پھر اپنی زوجیت میں رکھیں یہاں تک کہ حیض سے طہارت ہو جائے اسوقت اگر طلاق دینا ہی ہو تو اس طہر میں مباشرت اور صحبت کئے بغیر طلاق دے دیں۔ یہی وہ عدت ہے جس کا اللہ تبارک و تعالیٰ نے آیت (مذکورہ) میں حکم دیا ہے۔ مذکورہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے آٹھ احکام بیان فرمائے ہیں۔

طلاق طُہر میں مشروع ہے۔

طلاق حالتِ طُہر میں مشروع ہے، حالتِ حیض میں نہیں اور یہ مشروعیت اس آیت سے ثابت ہے فطلقوھن لعدتھن اے پیغمبر! آپ لوگوں سے کہدیجئے کہ جب تم لوگ ایسی عورتوں کو طلاق دینے لگو جن کے ساتھ خلوت ہے کیونکہ عدت کا حکم ایسی ہی عورتوں سے متعلق ہے جیساکہ دُوسری آیت میں ہے ثم طلقتموھن من قبل ان تمسوھن فما لکم علیھن من عدۃ تعتدونھا۔ (القرآن) تو ان کو زمانۂ عدت یعنی حیض سے پہلے زمانہ طُہر میں طلاق دو

عدت کے لفظی معنی عدد شمار کرنے کے ہیں۔ شرعی اصطلاح میں عدت اس مُدت کو کہا جاتا ہے جس میں عورت ایک شوہر کے نکاح سے نکلنے کے بعد دوسرے کے نکاح میں جانے سے رُک جاتی ہے۔ اس مُدتِ انتظار کو عدت کہا جاتا ہے۔ اور کسی شوہر کے نکاح سے نکلنے کی دو صورتیں ہیں۔ (۱) یہ ہے کہ شوہر کا انتقال ہو جائے۔ اس کی عدت کو عدتِ وفات کہا جاتا ہے جو غیر حاملہ کے لئے چار ماہ دس دن مقرر ہے۔ اور دوسری صورت نکاح سے نکلنے کی طلاق ہے۔

عِدّت کے متعلّق ائمہ کے مذاہب

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ اور بعض دُوسرے آئمہ کے نزدیک غیر حاملہ عورت کے لئے عدتِ طلاق پُورے تین حیض ہیں امام شافعی اور بعض دوسرے ائمہ کے نزدیک عدتِ طلاق تین طُہر ہیں۔ بہر حال اس کیلئے کچھ ایام اور مہینے مقرر نہیں۔ جتنے مہینوں میں تین حیض یا تین طُہر پُورے ہو جائیں وہی عدتِ طلاق ہو گی اور جن عورتوں کو ابھی کم عمری کی وجہ سے حیض نہیں آیا یا زیادہ عمر ہو جانے کے سبب حیض منقطع ہو چکا ہے ان کا حُکم آگے مفصلاً آ رہا ہے اور اس طرح حمل والی عورتوں کا حکم بھی اگلی آیت میں آئے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ اس میں عدتِ طلاق و عدتِ وفات دونوں یکساں ہیں۔

ایّامِ عدّت کے شُمار کا اہتمام

عِدت کے دِنوں کو اہتمام کے ساتھ یاد رکھنا چاہیئے۔ ایسا نہ ہو کہ عدت باقی ہو اور خاوند بیوی سمجھیں کہ ختم ہو چکی ہے واحصوا العدۃ - احصاء کے معنی شمار کرنے کے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ عدت کے دِنوں کو اہتمام کے ساتھ یاد رکھو اور یہ ذمہ داری مرد عورت دونوں پر عائد ہے۔ مگر یہاں صیغہ مذکر استعمال کیا گیا ہے کیونکہ

عام طور پر جو احکام مرد و عورت کے مشترک ہیں انمیں عموماً خطاب بصیغہ مذکر ہی آتا ہے۔ عورتیں تبعاً اس میں داخل سمجھی جاتی ہیں اور اس خاص مسئلہ میں وہ حکمت بھی ہو سکتی ہے جو خلاصہ تفسیر میں لکھی گئی ہے کہ عورتوں میں غفلت کا احتمال زیادہ ہے اس لئے براہِ راست ذمہ داری مردوں پر ڈال دی ہے۔

معتدہ مطلقہ کو خاوند کے گھر سے نکلنا جائز نہیں

جو عورتیں طلاق کے بعد خاوندوں کے گھروں میں عدت گذار رہی ہوں ان کو خاوند کے گھر سے نکالنا ناجائز ہے ہے اور اسی طرح بذاتِ خود ان عورتوں کو اپنے اختیار سے خاوندوں کے گھروں سے نکل جانا بھی حرام ہے:

لاتخرجوهن من بيوتهن ولايخرجن (القرآن) یعنی نہ نکالو ان کو ان کے گھروں سے۔ آیت میں لفظ بیوتھن میں (مکانات) کو ان عورتوں کے بیوت فرما کر اس طرف اشارہ کیا کہ جب تک ان کا حق سکنی (رہائش) مرد کے ذمہ ہے اس گھر میں ان کا حق ہے۔ اس میں سکونت کو بحال رکھنا کوئی احسان نہیں بلکہ اُدائے واجب ہے۔

بیوی کے حقوق میں سے ایک حق سکنی بھی اس آیت نے تبلادیا کہ یہ حق صرف طلاق دے دینے سے ختم نہیں ہو جاتا بلکہ ایام عدت تک عورت کو اسی جگہ رہنے کا استحقاق ہے اور عدت پوری ہونے سے پہلے ان کو گھروں سے نکال دینا ظلم اور حرام ہے۔ اسی طرح خود ان عورتوں کے لئے بھی اپنے اختیار سے ان گھروں سے نکل جانا بھی حرام ہے اگرچہ شوہر بھی اس کی اجازت دے دے کیونکہ ایامِ عدت اسی گھر میں گذارنا صرف شوہر ہی کا حق نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا بھی حق ہے جو منجانب اللہ معتدہ پر لازم ہے۔

معتدہ مطلقہ کو بیحیائی کی صورت میں خاوند کے گھر سے نکالنا جائز ہے

معتدہ عورتوں کو ان کو گھروں سے نکالنا حرام ہے اِلّا یہ کہ عورت کسی بیحیائی میں مُبتلا ہو جائے اِلّا ان یأتین بفاحشة مُبینة کھلی بیحیائی سے کیا مُراد ہے۔ اس میں ائمہ تفسیر کے تین اقوال مذکور ہیں۔

(۱) بیحیائی سے مُراد عورت کا خود ہی گھر سے نکل جانا ہے۔

(۲) فاحشة مُبینة بیحیائی سے مُراد زبان درازی اور لڑائی جھگڑا ہے۔

(۴) فاحشۃ مبینۃ سے مُراد زنا اور بدکاری ہے۔
ان صورتوں میں آیت کے معنی ہوں گے مطلقہ عورتوں کو ان کے گھروں سے نکالنا جائز نہیں بجز ان صورتوں کے کہ عورت خود ہی گھر سے نکل جائے یا عورت زنا یا بدکاری کی مُرتکب ہو یا زبان دراز اور جھگڑالو ہو اپنے شوہر اور اس کے متعلقین کے ساتھ بدزبانی سے پیش آئے تو ایسی صورت میں اس کو مکانِ عدت سے نکالا جا سکتا ہے۔

اچھے طریقہ سے رکھنا یا اچھے طریقہ سے چھوڑنا

جب مطلقہ بیوی کی عدت ختم کے قریب پہنچے تو اب چونکہ نکاح سے نکلنے کا وقت قریب آچکا ہے اور اس وقت عام طور سے غم اور غصہ کی کیفیت بھی ختم ہو جاتی ہے لہٰذا سنجیدگی سے غور کرنا چاہیئے کہ نکاح کرنا بہتر ہے یا اس کا بالکل منقطع کر دینا بہتر ہے۔ اگر نکاح میں رکھنے کی رائے ہو جائے تو اس کو روک لو جس کی مسنون صورت حدیث شریف کے ارشاد کے مطابق یہ ہے کہ زبان سے کہہ دو کہ میں نے اپنی طلاق سے رجوع کر لیا اور اس پر دو گواہ بھی بنا لو اور اگر اب بھی یہی رائے قائم ہو کہ نکاح ختم کرنا ہے تو پھر اس کو خوبصورتی کے ساتھ آزاد کر دو۔ یعنی عدت ختم ہو جائے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے فاذا بلغن اجلهن فامسكوهن بمعروف او فارقوهن بمعروف اجلهن میں لفظ اجل سے مُراد عدت ہے اور بلوغ اجل سے مُراد عدت کا اختتام کے قریب ہونا ہے۔ عدت کے پورا ہوتے ہی وہ آزاد اور خود مختار ہو جائے گی۔

طریق معروف کی وضاحت

اختتامِ عدت کے وقت بیوی کو روکنا اور نکاح میں رکھنا طے ہو یا آزاد کر دینا دونوں میں قرآن کریم نے معروف کی قید لگائی ہے۔ معروف کے لفظی معنی پہچانا ہُوا طریقہ اور اس سے مُراد یہ ہے کہ اگر نکاح میں رکھنا اور رجوع کرنا طے ہو تو آگے اس کو زبانی یا عملی ایذا نہ پہنچاؤ اور اس پر احسان نہ جتلاؤ کہ اس کی عملی یا اخلاقی کمزوری طلاق کا سبب بنی تھی، آگے خود بھی اس پر صبر کرنے کا عزم کر لو تاکہ وہ تلخی پیدا نہ ہو اور اگر آزاد کرنا طے ہو تو اس میں معروف اور مسنون طریقہ یہ ہے کہ اس کو ذلیل و خوار کر کے یا بُرا بھلا کہہ کر گھر سے نہ نکالو بلکہ حُسنِ اخلاق کے ساتھ رخصت کر دو اور جیسا قرآن کریم کی دوسری آیت سے ثابت ہے۔ کہ چلتے وقت اس کو کوئی جوڑے کا کپڑا دیکر رُخصت کرنا کم از کم مستحب ضرور ہے بعض صورتوں میں واجب بھی ہے جس کی تفصیل کُتب فقہ میں ہے۔

گواہ بنانا

اختتامِ عدت کے وقت خواہ رجعت کر کے بیوی کو روک رکھا جائے خواہ عدت پوری کر کے آزاد کر دیا جائے دونوں صورتوں میں اپنے اس فعل رجعت پر دو معتبر گواہ بنا لو۔ قرآنِ کریم کا ارشاد واشہدوا ذوی عدل منکم یعنی گواہ بنالو اپنے مسلمانوں میں سے دو معتبر آدمیوں کو۔ یہ حکم اکثر ائمہ کے نزدیک استحبابی ہے۔ رجعت اس پر موقوف نہیں ہے اور گواہ بنانے کی حکمت رجعت کرنے کی صورت میں تو یہ ہے کہ کہیں کل کو عورت رجعت سے انکار کر کے اس کے نکاح سے نکل جانے کا دعویٰ نہ کرنے لگے اور ترکِ رجعت اور انقطاعِ نکاح کی صورت میں گواہ بنانے کی حکمت یہ ہے کہ کہیں خاوند کا اپنا نفس ہی شرارت یا بیوی کی محبت سے مغلوب ہو کر یہ دعویٰ نہ کرنے لگے کہ عدت گذرنے سے پہلے رجوع کر لیا تھا۔

گواہ کا عادل ہونا

شرعی اور اصطلاحی معنی میں گواہوں کا عادل یعنی ثقہ و معتبر ہونا ضروری ہے ورنہ ان کی شہادت پر قاضی کوئی فیصلہ نہیں دے گا جیسا کہ ذوی عدل کی قید سے یہی بتلانا مقصود ہے۔

سچی گواہی دینا

اگر تم کسی ایسے واقعہ رجعت یا انقطاعِ نکاح کے گواہ ہو اور قاضی کی عدالت میں گواہی دینے کی نوبت آئے تو کسی رُو رعایت یا مخالفت و عداوت کی وجہ سے سچی گواہی دینے میں ذرا بھی فرق نہ کرو، بلکہ ٹھیک ٹھیک گواہی دو، ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ واقیموا الشھادۃ للہ (اے گواہو، اگر گواہی کی حاجت پڑے تو ٹھیک ٹھیک اللہ (تعالیٰ) کے واسطے گواہی دو۔

جن عورتوں کو اپنے نفس کے اختیار کرنے کا حکم دیا جائے اور وہ اپنے شوہر کو اختیار کر لیں تو طلاق نہیں ہوگی

یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا وَ

اے نبی! آپ اپنی بیویوں سے فرما دیجئے کہ تم اگر دنیاوی زندگی (کا عیش) اور اس کی بہار چاہتی ہو تو آؤ میں تم کو کچھ

زِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَأُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ۝ وَإِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَإِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ (سورۃ الاحزاب آیت ۲۸ و ۲۹)

مال متاع (دُنیوی) دے دوں اور تم کو خوبی کے ساتھ رخصت کر دوں اور اگر تم اللہ کو چاہتی ہو اور اس کے رسول کو اور عالم آخرت کو تو تم میں سے نیک کرداروں کے لئے اللہ تعالیٰ نے اجرِ عظیم مہیا کر رکھا ہے۔

شانِ نزول

روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات نے آپ سے عُمدہ لباس اور زیادہ خرچ کا مُطالبہ کیا تو یہ آیت نازل ہوئی کہ اے نبی اپنی بی بیوں سے کہہ دو کہ اگر تم زیادہ وُسعت اور عیش و تنعم چاہتی ہو تو دونوں میں ایک بات اختیار کر لو، میں تمہیں کچھ دے دِلا کر بطریقِ احسن رخصت کئے دیتا ہوں اور اگر تم اللہ تعالیٰ اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور آخرت کو اپناؤ تو پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے تم میں سے نیکوکاروں کے لئے بہت بڑا اجر و ثواب تیار کر رکھا ہے، اس کے صلہ میں تمہیں بہت بڑا اجر و ثواب ملے گا۔

جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا کہ میں تمہیں ایک بات کہتا ہوں لیکن جواب میں جلدی مت کرنا اور والدین سے مشورہ کر لینا۔ اس پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا' کیا میں آپ کے بارے میں والدین سے مشورہ کروں میں تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور آخرت کو چاہتی ہوں۔

پھر دوسری ازواجِ مطہرات نے بھی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے طریقہ کو اپنایا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کے اس فعل کو پسند کیا اور اس کی قدر کرتے ہوئے فرمایا، لا یحل لک النساء من بعد ولا ان تبدل بھن من ازواج ولو اعجبک حسنھن ؛ ترجمہ:

اس سے معلوم ہوا کہ اگر عورت کو طلاق کا اختیار دیا جائے اور وہ اپنے خاوند کو اختیار کرے تو طلاق واقع نہیں ہوگی۔

اَولاد کا نسب باپ کی طرف سے ہوتا ہے۔

اَولاد کا نسب باپ کی طرف سے ہوتا ہے وعلی المولود لہ رزقھن امام فخر الاسلام بزدویؒ نے اشارہ النص کی بحث میں لکھا ہے کہ باری تعالیٰ کے اس قول میں اس اَمر کی طرف اشارہ ہے کہ نسب باپ کی طرف سے ہوتا ہے اور باپ کو بچے کے مال کا حقِ ملکیت حاصل ہے۔ نیز باپ کو بچے کے سبب سزا نہیں دی جائے گی۔ جیسے مالک کو مملوک کے سبب سزا نہیں دی جا سکتی۔ کیونکہ بچہ باپ کی طرف بلک سے منسوب ہے۔ اس آیت میں یہ اشارہ بھی ہے کہ تنہا باپ بچے کا خرچ برداشت کرے گا۔ کیونکہ یہ قول اسی نسبت کے سبب باپ پر نفقہ واجب کرتا ہے اور بچہ کے خرچ میں دُوسرا کوئی باپ کے ساتھ شریک نہیں ہوگا۔ نیز یہ کہ اگر بیٹا غنی ہو اور باپ محتاج ہو تو باپ کا خرچ برداشت کرنے میں کوئی اور بیٹے کا شریک نہ ہوگا۔

غلامی کا بیان

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّمَنْ رَّزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَّجَهْرًا هَلْ يَسْتَوٗنَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ

(سورۃ النحل آیت ۷۵)

اللہ تعالیٰ ایک مثال بیان فرماتے ہیں کہ ایک غلام ہے مملوک کہ کسی چیز کا اختیار نہیں رکھتا اور ایک شخص ہے جس کو ہم اپنے پاس سے خوب روزی دے رکھی ہے تو وہ اسمیں سے پوشیدہ اور علانیہ خرچ کرتا ہے کیا اس قسم کے شخص آپس میں برابر ہو سکتے ہیں۔ ساری تعریفیں اللہ (تعالیٰ) ہی کے لئے لائق ہیں بلکہ ان میں اکثر تو جانتے ہی نہیں۔

خلاصہ

قرآن مجید میں بہت سی مثالیں بیان کی گئی ہیں یہ ان ہی میں سے ایک ہے۔ تفسیر "مدارک وکشاف" میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی اور ان شرکاء کی مثال بیان کی ہے جو اس کے ساتھ شریک کئے جاتے ہیں۔ شرکاء کی مثال اس غلام کی سی ہے جسے کوئی اختیار حاصل نہیں اور اپنی مثال اللہ تعالیٰ نے اس بندے سے دی ہے جسے خدا تعالیٰ نے بہت سا مال دیا ہوا ہو اور وہ اس میں سے اپنی مرضی کے مطابق جو چاہے خرچ کر سکتا ہے۔ بیضاوی و حسینی نے ایک قول کے مطابق یہ بھی لکھا ہے کہ یہ کافر مخذول (بے یار و مددگار اور مؤمن موفق جسے تائیدِ باری تعالیٰ حاصل ہو) کی مثال ہے کافر اس غلام کی مانند ہے جسے کوئی اختیار حاصل نہیں ہوتا اور مؤمن اس شخص کی مانند ہے جسے ہم اپنی جانب سے وافر اور عمدہ رزق عطا کریں۔ اور وہ اس میں سے ظاہر اور پوشیدہ جتنا چاہے خرچ کر سکتا ہے۔

مملوک بے اختیار ہے

آیت ھذا اگرچہ خدائے تعالیٰ اور مؤمن کی علوشان اور شرکاء و کفار کی حقارت کی مثال ہے مگر اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ مملوک کامل (غلام کو) کوئی اختیار حاصل نہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ عبدا مملوکا لا یقدر علیٰ شیئ ۔ یعنی ایک غلام ہے مملوک کہ کسی چیز کا اختیار نہیں رکھتا۔

فوائد قیود

عبد اکے ساتھ **مملوک** کی قید اس لئے لگائی کہ عبد کا اطلاق حُر (آزاد) پر بھی ہوتا ہے جیسا کہ کہتے ہیں عبدُاللہ۔ لایقدار علیٰ شیٔ کی قید اس لئے لگائی کہ مدبر مکاتب اور ماذون اور ام ولد اس سے خارج ہوجائیں کیونکہ مکاتب وماذون کو کچھ اختیارات حاصل ہیں، اس میں مملوک کے اختیارات وتصرّف کی نفی ہے جو کہ مملوک کو مالک کا قسیم قرار دیا ہے۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مملوک کسی چیز کا مالک نہیں ہوسکتا۔

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ
تو ایسا کیوں نہ کیا کہ ان کی ہر بڑی جماعت میں سے ایک چھوٹی جماعت (جہاد میں) جایا کرے تاکہ (یہ) باقی ماندہ لوگ
دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرتے رہیں۔ (القرآن)
کتاب الایمان
نوری ۱۴۲۳ھ

کِتابُ الأَیمان

قسم کے احکام

وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰہَ عُرْضَۃً لِّاَیْمَانِکُمْ اَنْ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا وَتُصْلِحُوْا بَیْنَ النَّاسِ وَاللّٰہُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ لَا یُؤَاخِذُکُمُ اللّٰہُ بِاللَّغْوِ فِیْ اَیْمَانِکُمْ وَلٰکِنْ یُّؤَاخِذُکُمْ بِمَا کَسَبَتْ قُلُوْبُکُمْ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ حَلِیْمٌ

(سورۃ البقرہ آیت ۲۲۴ و ۲۲۵)

اور اللہ کو اپنی قسموں کے ذریعے ان امور کا حجاب مت بناؤ کہ تم اپنی نیکی کے اور تقویٰ کے اور اصلاح فی مابین خلق کے کام کرو اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سنتے جانتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تم پر دارد وگیر نہ فرمائیں گے تمہاری قسموں میں بے ہودہ قسم پر، لیکن دارد گیر فرمائیں گے اس پر جس پر تمہارے دلوں نے ارادہ کیا ہے اور اللہ تعالیٰ غفور ہیں اور حلیم ہیں۔

یمین کا لغوی معنی

ایمان یمین کی جمع ہے۔ یمین کے لغوی معنی ہیں قوّت۔ دائیں ہاتھ کو بھی یمین کہتے ہیں اس کا مقابل یسار بائیں ہاتھ کے معنی میں آتا ہے۔ قسم کو یمین اس لئے کہتے ہیں کہ قسم کھانے والا قسم کے ذریعے اپنے قول کو قوّت پہنچاتا ہے یا تقویّت دیتا ہے۔ یمین کے شرعی و اصطلاحی معنی اقسام کے ضمن میں آجائیں گے۔

گناہ پر اور کثرت سے قسم نہ کھانے کا حکم

یعنی اللہ کے نام کی یہ قسمیں نہ کھاؤ کہ ہم یہ نیک کام نہ کریں گے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ولا تجعلوا اللّٰہ عرضۃ لایمانکم ان تبروا وتتقوا وتصلحوا بین الناس۔ مطلب یہ ہے کہ کسی اچھے کام نہ کرنے پر خدا کی قسم کھا بیٹھے مثلاً یہ کہے کہ ماں باپ سے نہ بولوں گا یا فقیر کو کچھ نہ دوں گا یا باہم کسی میں مصالحت نہ کراؤں گا

ایسی قسموں میں خدا کے نام کو ذریعہ بنانا ہوا سو ایسا ہرگز مت کرو اور اگر کسی نے ایسی قسم کھائی تو اس کا توڑنا اور کفارہ دینا واجب ہے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے نام پر ہر چیز پر ہر حال میں زیادہ قسمیں نہ کھاؤ جیسا کہ قصاب ہر لمحہ پر گوشت کے لئے جھوٹ سچ کا ارادہ کئے بغیر بولتا چلا جاتا ہے کیونکہ تم اگر جھوٹی قسمیں کھاؤ گے تو آخرت میں سزا ملے گی۔ اگر سچی قسمیں کھاؤ گے تو فقر غالب آجائے گا۔ حدیث صحیح سے یہی ثابت ہے۔

قسم کے اقسام اور کفّارہ کا بیان

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ (سورۃ المائدہ ۸۹)

اللہ تم سے مواخذہ نہیں فرماتے تمہاری قسموں میں لغو قسم پر لیکن مواخذہ اس پر فرماتے ہیں کہ تم قسموں کو مستحکم کردو، سو اس کا کفّارہ دس محتاجوں کو کھانا دینا ہے اوسط درجہ کا جو اپنے گھر والوں کو کھانے کو دیا کرتے ہو۔ یا ان کو کپڑا دینا یا ایک غلام یا لونڈی آزاد کرنا اور جس کو مقدور نہ ہو تو تین دن کے روزے ہیں۔ یہ کفّارہ ہے تمہاری قسموں کا جب تم قسم کھالو اور اپنی قسموں کا خیال رکھا کرو۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے واسطے اپنے احکام بیان فرماتے ہیں تاکہ تم شکر کرو۔

قسم کی تین قسمیں ہیں

قسم کی تین قسمیں ہیں (۱) یمین لغو۔ (۲) یمین غموس۔ (۳) یمین منعقدہ۔

یمین لغو۔ یمین لغو کی تعریف ہمارے نزدیک یہ ہے کہ کسی گذشتہ واقعہ کے بارے میں قسم کھائے یہ گمان کرتے ہوئے کہ وہ اپنی قسم میں سچا ہے اور فی الواقع جھوٹا ہو۔ امام شافعی رحمۃ اللہ کے نزدیک یمین لغو کی تعریف یہ ہے کہ جس میں ارادہ کا دخل نہ ہو اور بلا قصد زبان سے نکل جائے جیسا کہ لوگ اپنی بات کی تاکید میں بلا سوچے سمجھے واللہ باللہ کہتے چلے جاتے ہیں۔ ایسی قسم پر کوئی مواخذہ نہیں لا یؤاخذکم اللہ باللغو۔

یمینِ غموس

یمینِ غموس کی تعریف یہ ہے کہ کسی گذشتہ واقعہ کے بارے میں عمداً جھوٹی قسم کھائے یعنی اسے معلوم ہو کہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں جھوٹ اور غلط ہے جیسا کہ سُورہ بقرہ کی آیت ولکن یؤاخذکم بما کسبت قلوبکم سے معلوم ہوتا ہے۔

یمینِ مُنعقدہ

یمینِ منعقدہ یہ ہے کہ کسی آئندہ کام کے بارے میں عمداً قسم کھائے کہ میں یہ کام کروں گا یا نہ کروں گا اور اس کا ثبوت بھی قرآن مجید کی سُورہ بقرہ کی آیت ولکن یؤاخذکم بما کسبت قلوبکم یا سُورہ مائدہ کی آیت ولکن یواخذکم بما عقدتم الایمان سے ہے۔

کفّارہ صِرف یمینِ مُنعقدہ پر ہے

احناف کے نزدیک کفّارہ صرف یمینِ منعقدہ پر ہے۔ یمین لغو اور یمینِ غموس میں کفّارہ نہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ لا یؤاخذکم اللہ باللغو فی ایمانکم ولکن یؤاخذکم بما عقدتم الایمان امام شافعی رحمۃ اللہ کے نزدیک یمینِ منعقدہ کی طرح یمینِ غموس میں بھی کفّارہ ہے کیونکہ وہ فرماتے ہیں کہ عقدِ ایمان (یعنی قسم کھانا) دِل کا فعل ہے لہٰذا یمینِ غموس بھی اس میں داخل ہے کیونکہ یمینِ غموس اور یمینِ منعقدہ دونوں کا تعلق دل کے فعل سے ہے لہٰذا کفّارہ دونوں میں ہے اس کے برعکس یمینِ لغو کا دِل کے فعل سے کوئی تعلق نہیں لہٰذا اس میں کفّارہ بھی نہیں۔

قَسم کا کفّارہ

اللہ تبارک وتعالیٰ نے قسم کے کفّارہ میں چار چیزیں ذکر فرمائی ہیں (۱) دس مسکینوں کو کھانا کِھلانا (۲) دس مسکینوں کو کپڑا پہنانا (۳) ایک گردن آزاد کرنا (۴) مذکورہ تین چیزوں میں سے کوئی بھی نہ ہو سکے تو پھر چوتھی چیز یعنی تین دن کے روزے رکھنے کا حُکم ہے۔

کفّارہ کا کھانا درمیانہ قسم کا ہونا چاہئے!

کھانا نہ تو گھٹیا قسم کا ہو اور نہ ہی اعلیٰ قسم کا ہو بلکہ اوسط درجہ کا ہو جیسا کہ عام طور پر اپنے گھر والوں کو کھلاتا ہے۔ من اوسط ما تطعمون اھلیکم۔

خُلاصہ

کھانا دس مسکینوں کو کھلانا ہے اور کچا دے تو ہمارے نزدیک ہر مسکین کو نصف صاع گندم یا ایک صاع جَو یا کھجوریں دے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ کے نزدیک ہر مسکین کو ایک مُد دے۔

حلال کو حرام کرنے کی ممانعت

یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ تَبْتَغِیْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَیْمَانِكُمْ وَاللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ وَهُوَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ۔

(سُورۃ التحریم آیت ۱ و ۲)

اے نبی! جس چیز کو اللہ نے آپ کے لئے حلال کیا ہے آپ (قسم کھا کر) اس کو (اپنے اوپر) کیوں حرام فرماتے ہیں (پھر وہ بھی) اپنی بیبیوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کے لئے تمہاری قسموں کا کھولنا یعنی قسم توڑنے کے بعد اس کے کفّارہ کا طریقہ مقرر فرما دیا ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارا کارساز ہے اور وہ جاننے والا بڑی حکمت والا ہے۔

واقعۂ نزول اس آیت کا واقعہ نزول ایک روایت کے مُطابق یہ ہے کہ حُضور صلّی اللہ علیہ وسلم کو شہد بہت پسند تھا ایک دفعہ آپ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاں تشریف لے گئے انہوں نے آپ کی خدمت میں شہد پیش کیا۔ آپ نے نوش فرمالیا اور پھر یہ معمول بن گیا آپ صلّی اللہ علیہ وسلم روزانہ عصر کی نماز کے بعد تھوڑی تھوڑی دیر کے لئے سب ازواجِ مطہرات کے ہاں تشریف لے جایا کرتے تھے۔ شہد نوش فرمانے کی

وجہ سے حضرت زینبؓ کے ہاں کچھ زیادہ وقت خرچ ہوتا۔ یہ بات آپ کی بعض دیگر ازواج پر گراں گذری، انہوں نے اس کے ازالہ کی ترکیب یہ سوچی کہ جب آپؐ ہمارے پاس تشریف لائیں تو ہم کہیں گی کہ آپ سے مغافیر کی بُو آ رہی ہے (مغافیر ایک بدبودار درخت ہے) آپؐ بدبُو کو سخت ناپسند فرماتے تھے۔ چنانچہ جب آپ حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ کے پاس گئے تو ان دونوں نے یہی کہا آپ نے فرمایا کہ میں مغافیر کے قریب تک نہیں گیا۔ ہاں زینبؓ کے پاس شہد پیا ہے۔ اس پر وہ کہنے لگیں کہ ہو سکتا ہے کہ کوئی شہد کی مکھی مغافیر پر بیٹھی ہو اور اس طرح اس کا اثر شہد میں آ گیا ہو، اس پر آپ نے فرمایا کہ میں شہد کو اپنے آپ پر حرام کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کی قسم آئندہ شہد استعمال نہیں کروں گا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

حلال کو حرام کرنا قسم ہے

کسی مباح چیز کو اپنے آپ پر حرام کرنا قسم ہے کفّارہ قسم ادا کرنے سے وہ چیز دوبارہ حلال ہو جاتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ یاایھا النبی لم تحرم ما احل اللہ لک تبتغی مرضات ازواجک۔

(ترجمہ) اے نبی! جو چیز اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے حلال ٹھیرائی ہے آپ اسے اپنے اُوپر کیوں حرام ٹھیراتے ہیں آپ (اسے حرام ٹھہرا کر) اپنی ازواج مطہرات (حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کی رضامندی چاہتے ہیں۔ یہ آپ کے جلیل القدر مرتبہ کے پیشِ نظر ایک قسم کی لغزش ہے کیونکہ کسی کو یہ اختیار نہیں کہ از خود کسی حلال چیز کو حرام قرار دیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی لغزش مُعاف فرما دی۔

قسم سے بری ہونے کا طریقہ

اللہ تعالیٰ نے تم پر فرض کیا ہے کہ تم اپنی قسموں کو کھول دو یعنی اللہ تعالیٰ نے قسم کا کفّارہ مُقرّر کر کے تمہیں ایک طریقہ بتلا دیا ہے جس سے تم اپنی قسموں سے عہدہ برآ ہو سکتے ہو یعنی قسم توڑ کر کفارہ ادا کر دو تو حرام کی ہوئی چیز حلال ہے ارشادِ باری تعالیٰ ہے: قد فرض اللہ لکم تحلۃ ایمانکم گویا اللہ تعالیٰ نے آپ کو حُکم دیا کہ آپ کفّارہ ادا کریں اور شہد یا حضرت ماریہ کو اپنے لئے حلال کرلیں۔

کتاب الحدود

حدود کے احکام

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى ؕ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى ؕ فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ؕ ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝

(سورۃ البقرۃ آیت ۱۷۸ و ۱۷۹)

اے ایمان والو! تم پر قصاص فرض کیا جاتا ہے مقتولین کے بارے میں آزاد آدمی، آزاد آدمی کے عوض میں اور غلام غلام کے عوض میں، اور عورت عورت کے عوض میں، ہاں جس کو اس کے فریق کی طرف سے کچھ معافی ہو جائے تو معقول طور پر مطالبہ کرنا اور خوبی کے ساتھ اس کے پاس پہنچا دینا یہ تمہارے پروردگار کی طرف سے تخفیف ہے اور رحم ہے پھر جو شخص اس کے بعد تعدی کا مرتکب ہو تو اس شخص کو بڑا دردناک عذاب ہو گا، اور فہیم لوگو! قصاص میں تمہاری جانوں کا بڑا بچاؤ ہے۔ ہم اُمید رکھتے ہیں کہ تم لوگ پرہیز کرو گے۔

قصاص کے لفظی معنی

قصاص کے لفظی معنی مماثل کے ہیں۔ مُراد یہ ہے کہ جتنا ظلم کسی نے کسی پر کیا اُتنا ہی بدلہ لینا دُوسرے کے لئے جائز ہے اس سے زیادتی کرنا جائز نہیں۔ قرآن مجید میں سورہ بقرہ کی ایک دوسری آیت میں اس کی مزید وضاحت اس طرح آئی ہے فاعتدوا علیہ بمثل ما اعتدیٰ علیکم اور سورۃ النحل کی آخری آیت میں وان عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم بہ اسی مضمون کیلئے آیا ہے۔

قصاص کی مشروعیت

دورِ جاہلیت میں اگر دو قبیلوں میں جھگڑا ہو جاتا تھا تو طاقت ور قبیلہ مثلاً (بنو نظیر) کمزور قبیلہ (یعنی بنو قریظہ) کے دو آزاد آدمیوں کو اپنے ایک آزاد آدمی کے عوض قتل کرتا اور اپنے غلام کے بدلے اُن کے آزاد کو قتل کرتا اور اپنی عورت کے بدلہ ان کے مرد کو قتل کرتا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے مذکورہ آیت یاایھا الذین آمنوا کتب علیکم القصاص نازل فرماکر قصاص یعنی بدلے میں برابری کو بیان فرماکر اس فعل میں زیادتی کو حرام قرار دیدیا۔

بدلے میں برابری

مذکورہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ اے لوگو! تم پر مقتول کے بارے میں برابر برابر بدلہ لینا فرض کیا گیا ہے زیادتی منع ہے اسی لئے فرمایا گیا الحر بالحر والعبد بالعبد والانثیٰ بالانثیٰ یعنی ایک آزاد مرد کے بدلے میں ایک ہی آزاد مرد کو قتل کیا جائے۔ دو قتل نہ کئے جائیں۔ غلام کے بدلے غلام ہی کو قتل کیا جائے آزاد کو قتل نہ کیا جائے عورت کے عوض عورت ہی کو مارا جائے۔ مرد کو نہ مارا جائے۔

قصاص کی مُعافی

قاتل کو اگر اس کے بھائی یعنی مقتول کے ولی کی جانب سے کچھ مُعاف کر دیا جائے مطلب یہ ہے کہ ولی خون بہا کی کچھ مقدار معاف کر دے یا مقتول کا کوئی وارث اپنا حصّہ مُعاف کر دے تو واجب ہے کہ قاتل سے مال طلب کرنے والا بھلے طریقہ سے مال طلب کرے اور قاتل کو چاہیئے کہ خون بہا اچھے طریقہ سے ادا کر دے ٹال مٹول یا کمی نہ کرے۔

اُمّتِ محمّدیہ پر اللہ تعالیٰ کا احسان

قصاص اور معافی میں اختیار یا قصاص اور صلح علی المال میں اختیار صرف تمہارے لئے تمہارے پروردگار کی طرف سے رحمت اور سہولت ہے یہ سہولت تم سے پہلوں کو حاصل نہ تھی کیونکہ توراۃ میں صرف قصاص واجب تھا اور انجیل میں صرف معاف کرنا واجب تھا اور اُمّت محمّدیہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو دونوں میں اختیار دینا اس اُمّت پر اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے سہولت اور اس کا خاص فضل وکرم واحسان ہے۔ ذالک تخفیف من ربکم ورحمۃ۔

فضل وکرم واحسان ہے ذالك تخفیف من ربكم ورحمة۔

حد سے تجاوز کرنے والے کیلئے دردناک عذاب ہے۔

پس جو کوئی اس کے بعد حد سے تجاوز کرے یعنی حد سے گذرے کہ معافی کے بعد دوسرے کو قتل کرے یا اولیاء مقتول حد سے تجاوز کریں کہ قاتل کے علاوہ اوروں کو بھی قتل کریں یا دیت کے بعد قصاص کا مطالبہ کریں تو حد سے تجاوز کرنیوالے کے لئے دنیا وآخرت میں دردناک عذاب ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

فمن اعتدى بعد ذالك فله عذاب اليم۔

قصاص زندگی کا سبب ہے۔

قصاص کے قانون میں اہل عالم کے لئے زندگی ہے، کیونکہ اگر یہ قانون نہ ہوتا تو قتل ناحق سے کوئی نہ ڈرتا ابتداء میں کوئی ایک قتل ہوتا پھر جواب میں قتل کا سلسلہ اتنا دراز ہو جاتا کہ فساد برپا ہو جاتا اور جنگ تک نوبت آجاتی اسی طرح اگر ایک قاتل سے قصاص نہ لیا جاتا تو وہ دس قتل اور بھی کرتا اور اس ایک قاتل کو دیکھ کر سو قاتل اور پیدا ہوتے اس طرح معاشرہ میں قتل عام ہو جاتا ہر طرف موت ہی موت ہوتی۔ چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے قصاص کا قانون نازل فرمایا ولكم في القصاص حيوة ياولي الالباب لعلكم تتقون۔ اس آیت میں قصاص کے وجوب کی وجہ اور اس کی مشروعیت کا بیان ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اہل عقل کو خطاب فرمایا کہ تمہارے لئے قصاص میں زندگی ہے۔ اس لئے کہ جب قصاص واجب ہوگیا تو اب ہر ایک کو خوف ہے کہ اگر اس نے کسی کو مارا تو اُسے بھی بدلے میں مارا جائے گا لہٰذا اس خوف کے باعث قاتل قتل کرنے سے رُک جائے گا۔ جب قتل نہیں کرے گا تو لوگوں کی جانیں محفوظ ہو جائیں گی اور اسی کا نام زندگی ہے اور اس قانون میں اسی معنی کے اعتبار سے زندگی مراد ہے۔ وگرنہ بظاہر تو قصاص میں قاتل کی موت ہے۔ اسی لئے یا اولی الالباب کہہ کر عقلمندوں کو خطاب فرمایا ہے۔ اس فلسفہ کو اہل عقل ہی سمجھ سکتے ہیں۔

گناہ کبیرہ کا مرتکب ایمان سے خارج نہیں ہوتا۔

گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرنیوالا ایمان سے خارج نہیں ہوتا اس کی دلیل قرآن کریم کی آیت یا ایھا الذین آمنوا

كتب عليكم القصاص في القتلى ہے کیونکہ قتل کبیرہ گناہ ہے اس کے باوجود اللہ تبارک و تعالیٰ نے قاتل کو مؤمن کہہ کر خطاب کیا ہے۔ اس آیت میں معتزلہ کی تردید ہے کیونکہ معتزلہ کے نزدیک ارتکاب کبیرہ سے مؤمن ایمان سے خارج ہو جاتا ہے۔

اِس آیت سے دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ قتل عمد میں قصاص واجب ہے۔ قصاص اور دیت کے بارے میں اختیار نہیں ہے۔ جیسا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ کے نزدیک قصاص اور دیت میں اختیار ہے۔ لہٰذا اس آیت میں امام شافعی رحمۃ اللہ پر بھی رد ہے۔

احناف و شوافع کے مابین مشہور اختلاف

صاحب ھدایہ نے احناف اور امام شافعی رحمۃ اللہ کے درمیان میں مشہور اختلاف کا تذکرہ کیا ہے کہ ہمارے یعنی احناف کے نزدیک غیر محض (غیر شادہ شدہ) زانی کو صرف کوڑے مارے جائیں گے اور محض (شادی شدہ) کو صرف سنگسار کیا جائے گا۔ جبکہ امام شافعی رحمۃ اللہ کے نزدیک کوڑوں کے ساتھ ساتھ ایک سال کی جلاوطنی بھی ہے لقوله عليه السلام البكر بالبكر جلد مائة وتغريب عام کنوارے مرد اور کنواری عورت کے لئے سو کوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی ہے۔ احناف کی دلیل باری تعالیٰ کا قول فاجلدوا كل واحد منهما مائة جلدة فاجلدوا میں فا جزائیہ ہے اور اس میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے جلد مائۃ (سو کوڑوں) کو پوری سزا قرار دیا ہے۔ صاحب ہدایہ نے جلاوطنی کے خلاف عقلی دلیل یہ پیش فرمائی ہے۔ حد زنا جاری ہونے کے بعد اگر زانی اپنے کنبہ قبیلہ کے لوگوں میں رہے گا تو دوبارہ زنا میں واقع ہونے سے حیا، مانع ہو گی اور اگر جلاوطن ہو کر قبیلہ والوں سے کہیں دور چلا گیا تو اس طرح قبیلہ والوں سے حیا معدوم ہو جائیگی اور زنا، کا دروازہ کھل جائے گا۔

صاحب ھدایہ نے امام شافعی رحمۃ اللہ کی پیش کردہ حدیث کا جواب یہ دیا کہ جس طرح حدیث شریف کا دوسرا حصہ الثيب بالثيب جلد مائة ورجم بالحجارة منسوخ ہے اس طرح حدیث شریف کا یہ حصہ قوله عليه السلام البكر بالبكر جلد مائة وتغريب عام بھی قول باری تعالیٰ فاجلدوا كل واحد منهما مائة جلدة سے منسوخ ہے۔

مؤمن کو عمداً قتل کرنے کی جزاء

وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ۝ (سورۃ النساء آیت ۹۳)	اور جو شخص کسی مسلمان کو قصداً قتل کر ڈالے تو اس کی سزا جہنم ہے کہ ہمیشہ کو اس میں رہنا ہے اور اس پر اللہ تعالیٰ غضب ناک ہوں گے اور اس کو اپنی رحمت سے دُور کریں گے اور اس کے لئے بڑی سزا کا سامان کریں گے۔

قتلِ عمد کی جزاء

احناف کے نزدیک قتلِ عمد میں قاتل کی پوری سزا دخولِ جہنم ہے اس کے علاوہ کوئی اور کفّارہ وغیرہ لازم نہیں، حنفیہ قتلِ عمد میں کفّارہ کے عدمِ وجوب پر اس آیت سے استدلال کرتے ہیں ومن یقتل مؤمنا متعمدًا فجزاؤہ جھنم خالدا فیھا۔

امام شافعی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ قتلِ عمد میں بھی دخولِ جہنم کے علاوہ کفّارہ بھی واجب ہے۔ دلیل کے طور پر فرماتے ہیں کہ چونکہ آیت ومن قتل مؤمنا خطاء فتحریر رقبۃ مؤمنۃ کے پیشِ نظر قتل خطا میں کفّارہ عبارت النص سے ثابت ہے لہٰذا قتل عمد جو قتلِ خطا سے بڑھ کر ہے کفّارہ دلالت النص سے بطریقِ اولیٰ واجب ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس آیت میں قتلِ عمد کی پوری جزاء جہنم بیان کی ہے، چونکہ جزاء اسم کامل ہے لہٰذا اشارہ النص سے ثابت ہے کہ جہنم کے علاوہ اور کچھ واجب نہیں معلوم ہوا کہ کفّارہ واجب نہیں۔ باقی رہا قصاص تو وہ جزاء محل کے طور پر واجب ہے جزاء فعل کے طور پر نہیں لہٰذا وجوب قصاص اس آیت کے منافی نہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ اشارۃ النص کا تقاضا ہے کہ کفّارہ واجب نہیں اور سابقہ آیت میں دلالت النص کا تقاضا تھا کہ کفّارہ واجب ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ تعارض کے وقت اشارہ النص کو دلالتُ النص پر ترجیح ہوتی ہے لہٰذا کفّارہ واجب نہیں۔

قیدِ خلود کی توضیح

فجزاءہ جھنم خالدا فیھا آیت کے اس حصہ سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ قاتل جہنم میں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا یہی وجہ ہے کہ معتزلہ اپنے اس عقیدہ کہ (مرتکب کبیرہ کافر ہے) پر اسی آیت سے استدلال کرتے ہیں کیونکہ قتل کبیرہ گناہ ہے اور یہاں اس کی سزا جہنم میں ہمیشہ رہنا مذکور ہے اور جہنم میں ہمیشہ رہنے والا کافر ہوتا ہے۔ لہٰذا مرتکب کبیرہ کافر ہے۔ ہم اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ حکم جب کسی اسم مشتق پر مرتب ہو تو ماخذ اشتقاق حکم کی علت ہوتی ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ جو شخص مؤمن کو مؤمن ہونے کی بنا پر قتل کرے وہ کافر ہے یا یہ کہ خلود سے مراد خلود ہمیشہ نہیں بلکہ مدت مدید ہے (یعنی مدت دراز) مراد ہے جس کا قاتل بالاتفاق مستحق ہے اگر آپ کلامِ الٰہی میں غور کریں تو آپ کو نظر آئے گا کہ جہاں کہیں کفارہ کی جزا میں خلود آیا ہے وہاں اس کے ساتھ ابدا بھی مذکور ہے لیکن جہاں کہیں اس آیت کی طرح مؤمن مرتکب کبیرہ کی جزا میں خلود آیا ہے وہاں ابدا کی قید نہیں ہے بلکہ صرف خلود مذکور ہے اور اہلِ سنت و الجماعت اسی کو فارق بناتے ہیں

قتلِ خطا میں وجوبِ کفارہ اور اس کی دیت کا بیان

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا ۚ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا ۚ فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۚ وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍۭ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖ وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ ۡ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ

اور کسی مؤمن کی شان نہیں کہ وہ کسی مؤمن کو قتل کرے لیکن غلطی سے اور جو شخص کسی مؤمن کو غلطی سے قتل کردے تو اس پر ایک مسلمان غلام یا لونڈی کو آزاد کرنا ہے اور خون بہا ہے جو اس کے خاندان والوں کو حوالہ کردی جائے گی مگر یہ کہ وہ لوگ معاف کردیں اور اگر وہ ایسی قوم سے ہوں جو تمہارے مخالف ہیں اور وہ شخص خود مؤمن ہے تو ایک غلام یا لونڈی مسلمان کا آزاد کرنا ہے اور اگر وہ ایسی قوم سے ہو کہ تم میں اور ان میں معاہدہ ہو تو خون بہا ہے جو اس کے خاندان والوں کو حوالہ کردی جائے اور ایک غلام یا لونڈی مسلمان کا آزاد کرنا پھر جس شخص کو نہ ملے تو متواتر دو ماہ کے روزے ہیں۔ بطریق

وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝
(سورۃ النسآء، آیت ۹۲)

توبہ کے جو اللہ کی طرف سے مقرر ہوئی ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے علم والے، بڑی حکمت والے ہیں۔

قتل کے اقسام اور اُن کی تفاصیل

فقہاء کرام نے قتل کی پانچ اقسام لکھی ہیں۔
(۱) قتلِ عمد (۲) شبہ عمد (۳) قتلِ خطاء (۴) جار مجری خطاء (۵) قتل بالسبب۔

۱ــــ **قتلِ عمد**: اس کو کہتے ہیں کہ جان بوجھ کر بالارادہ کسی کو تیز دھار ہتھیار یا ہتھیار کی کسی اور چیز سے قتل کرے۔

۲ــــ **شبہ عمد**: یہ ہے کہ مارے تو بالارادہ لیکن مارنے کا آلہ ہتھیار نہ ہو بلکہ ہتھیار سے کم تر درجہ کا کوئی آلہ یا کوئی چیز ہو مثلاً لاٹھی، کوڑا پتھر وغیرہ شبہ عمد کی یہ تعریف امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کے نزدیک ہے۔ مگر صاحبین و امام شافعی رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک اگر بڑے پتھر یا بڑی لکڑی سے مارے تو یہ قتلِ عمد میں داخل ہے شبہ عمد نہیں۔ صاحبین و امام شافعی رحمہم اللہ کے نزدیک شبہ عمد کی تعریف یہ ہے کہ کسی ایسے آلہ سے قصداً زخمی کر دے جو عام طور پر آلہ قتل نہیں ہوتا مثلاً چھوٹی لاٹھی چھوٹا پتھر وغیرہ۔

۳ــــ **قتلِ خطاء** کی دو قسمیں ہیں (۱) ارادہ میں خطا (۲) فعل میں خطاء، ارادہ میں خطاء یہ ہے کہ کسی چیز کو شکار سمجھ کر تیر مارے اور فی الواقع وہ شکار نہ ہو بلکہ آدمی ہو یا اسے حربی سمجھ کر تیر مارے اور فی الواقع وہ مسلم ہو۔

فعل میں خطاء، یہ ہے کہ کسی اور نشانہ پر تیر مارے لیکن تیر چوک کر آدمی کے لگ جائے۔

۴ــــ **جار مجری خطاء**، یہ ہے کہ کوئی سویا ہوا شخص کسی دوسرے شخص پر گر جائے اور اسے جان سے مار دے۔

۵ــــ **قتل بالسبب** یہ ہے کہ مِلکِ غیر میں کوئی شخص بڑا پتھر رکھ دے یا کنواں کھودے جس سے کوئی شخص گر کے ہلاک ہو جائے۔ قتل عمد کے متعلق سورہ بقرہ اور سورہ مائدہ میں احکام مذکور ہیں اس آیت میں قتلِ خطاء کے احکام مذکور ہیں اور یہاں پر انہی کا بیان کرنا مقصود ہے۔

شانِ نزول

تفسیرات احمدیہ میں بحوالہ حسینی مذکور ہے کہ یہ آیت عیاش بن ربیع رضی اللہ عنہ کے بارے نازل ہوئی ہے جو ہجرت سے پہلے ایمان لائے اور اپنی قوم سے چھپ گئے یہاں تک کہ ایک دن

بھاگ کر مدینہ چلے گئے، ان کی والدہ سخت گھبرائی ہوئی تھیں اس پر ابوجہل اور حارث جو ماں کی طرف سے حضرت عیاش رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھائی تھے انہیں پکڑ کر مکہ واپس لے آئے اور ان کے ہاتھ پاؤں باندھ کر سخت دھوپ میں لٹا دیا۔ حارث بن زیدان کے پاس آیا اور انہیں مرتد ہو جانے کی ترغیب دی جب وہ مرتد ہو گئے تو انہیں ملامت شروع کر دی۔ عیاش رضی اللہ عنہ نے اسے قتل کی دھمکی دی۔ اس کے بعد عیاش رضی اللہ عنہ، دوبارہ مدینہ چلے آئے اور نئے سرے سے مسلمان ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر بیعت کر لی۔ حارث بن زیدؓ بھی ہجرت کر کے اسلام لے آئے لیکن عیاش رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اُن کو اسلام لانے کا پتہ نہیں چلا۔ جب حارث بن زیدؓ مدینہ آ گئے تو عیّاش نے انہیں اپنے وعدہ کے مطابق قتل کر دیا۔ جب پتہ چلا کے مسلمان ہو چکے تھے تو ان کے قتل پر سخت نادم ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر تمام واقعہ بیان کیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور اس میں دیت و کفّارہ کے احکام بتلائے گئے۔

وجوب کفّارہ و دیت کا بیان

کفارہ کے طور پر قاتل پر ایک مؤمن گردن (مرد یا عورت) آزاد کرنا لازم ہے اور مقتول کے ورثاء کو خون بہا ادا کرنا

واجب ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے ومن قتل مؤمنا فتحریر رقبة مومنة ودیة مسلمة الیٰ اھلہ اور یہ ادائیگی قاتل کے ورثاء پر لازمی ہے اور ہر حال میں لازمی ہوگی ہاں اگر مقتول کے ورثاء معاف کر دیں تو معاف کر دیں تو معاف ہوگا اور صرف ایک مؤمن گردن آزاد کرنا لازمی ہوگا۔ تحریر کا معنی آزاد کرنا اور عتیق معزز آزاد شخص کو کہتے ہیں گردن سے مُراد آدمی ہے جیسے سر بول کر آدمی مُراد لیتے ہیں۔

دیت مقتول کے ورثاء کا حق ہے۔

دیت مقتول کے ورثاء کا حق ہے اور انہی کے حوالہ کرنا چاہیئے۔ ودیة مسلمة الیٰ اھلہ ہاں اگر مقتول کے ورثاء اسے معاف کر دیں تو معاف ہے۔

رقبہ میں قید ایمان کا فائدہ

الغرض نص سے دو چیزیں واجب ہو رہی ہیں کفارہ اور دیت۔ کفارۂ قتل میں صرف مؤمن سے گردن ہی کافی

ہوگی کیونکہ نص مؤمن کی قید سے مقید ہے لیکن کفّارہ قتل کے علاوہ دیگر کفارات میں کافر گردن بھی جائز ہے، مگر امام شافعی رحمۃ اللہ کا اس میں اختلاف ہے۔ شاید مؤمن رقبہ آزاد کرنے میں یہ حکمت ہے کہ قاتل نے ایک مؤمن کو قتل کرکے زندہ مسلمانوں سے خارج کر دیا لہٰذا اس پر لازم ہے کہ آزاد مسلمانوں میں ایک فرد مؤمن کا اضافہ کرے کیونکہ اسے غلامی سے آزاد کرنا گویا زندگی عطا کرنا ہے اس لئے کہ غلامی موت ہے۔ غلامی کفر کی علامت میں سے ایک علامت ہے اور کفر موت ہے لہٰذا غلامی بھی موت کی طرح ہے اور اس سے آزادی زندگی ہے۔

دیت کی تفصیل

فقہاء کرام کتاب الدیات میں لکھتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک خون بہا صرف تین قسم کے اموال میں سے ادا کرنا ہوگا (۱) سونے میں سے ایک ہزار دینار (۲) چاندی میں سے دس ہزار دراہم یا سو اونٹ درج ذیل تفصیل کے مطابق ادا کرنے ہوں گے۔

(۱) بیس ابن مخاض (۲) بیس بنت مخاض (۳) بیس بنت لبون (۴) بیس بنت جذعہ (۵) بیس بنت حقہ۔

امام شافعی رحمۃ اللہ کے نزدیک بیس ابن مخاض کی جگہ بیس ابن لبون دینے پڑیں گے۔ صاحبین کے نزدیک مذکورہ تین اموال کے علاوہ دیگر اموال سے بھی خون بہا ادا کیا جا سکتا ہے گائے سے دو سو گائیں، بھیڑ بکریوں میں سے ایک ہزار بھیڑ بکریاں اور کپڑے کے جوڑوں میں سے دو سو جوڑے۔

مسلمان مقتول دشمن قوم کا فرد ہو

جو شخص خطاءً قتل کیا گیا ہو وہ تمہاری دشمن قوم کا فرد ہو دراں حالیکہ خود مسلمان ہو تو قاتل پر صرف کفارہ کے طور پر ایک مؤمن غلام یا لونڈی کا آزاد کرنا ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے۔ فان کان من قوم عدو لکم وھو مؤمن فتحریر رقبۃ مؤمنۃ۔ اس آیت میں کان کی ضمیر کا مرجع مقتول کا خطاء ہے اس لئے آگے وھو مؤمن کی قید لگائی ہے۔

حربی کی دیت

تفسیر مدارک میں ہے کہ جب کوئی حربی دارالحرب میں اسلام لے آئے اور ہجرت کرکے دارالسلام میں نہ آئے اور اسے کوئی مسلمان غلطی سے مار ڈالے تو اس کے مسلم ہونے کے پیشِ نظر اس کی عصمت کی بناء پر قاتل پر کفارہ واجب ہے

دیت واجب نہیں، کیونکہ دارالحرب میں ہونے کی وجہ سے وہ عصمتِ مقوم یعنی پوری عصمت وحفاظت کا مالک نہیں۔ نیز دیت یعنی خون بہا چونکہ مقتول کے ورثاء کو ملتی ہے اور دارالحرب میں ہونے کی بنا پر اس کا کوئی وارث نہیں۔ لہذا دیت (خون بہا) واجب نہیں۔

نیز چونکہ وہ ہمارے محارب ہیں اس لئے ان کو خون بہا نہیں دیا جائے گا۔

غیر مسلم ذمی کی دیت

اگر مقتول اس قوم کا فرد ہو کہ تمہارے اور ان کے درمیان معاہدہ ہے یعنی وہ ذمی ہیں تو پھر اس کے ورثاء کو خون بہا بھی دینا ہوگا اور بطور کفارہ ایک فرد مؤمن کو غلامی سے آزاد بھی کرنا ہوگا یعنی اس کا حکم وہی ہے جو مسلمان مقتول کا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وان کان من قوم بینکم وبینھم میثاق فدیۃ مسلمۃ الیٰ اھلہ وتحریر رقبۃ مؤمنۃ۔

اگر غلام آزاد نہ کر سکتا ہو تو دو ماہ کے روزے رکھے

اللہ تبارک وتعالیٰ نے تمام صورتوں میں یا تو خون بہا اور غلام آزاد کرنا دونوں لازم کئے ہیں یا صرف غلام آزاد کرنے کا حکم دیا ہے اس کے بعد فرمایا کہ جو شخص غلام آزاد نہ کر سکے تو وہ غلام آزاد کرنے کے بدلہ دو مہینے کے لگاتار روزے رکھے۔ فمن لم یجد فصیام شھرین متتابعین۔

دو ماہ کے روزے مسلسل رکھنا ضروری ہیں

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کے نزدیک لگاتار روزوں کا مطلب یہ ہے کہ ان کے درمیان رمضان، عیدین اور ایام تشریق وغیرہ نہ ہوں اور کسی طرح بھی روزے نہ چھوٹیں۔ نہ عذر کی بنا پر نہ بغیر عذر کے دیگر فقہاء کے نزدیک اگر کسی عذر کی بنا پر روزہ چھوٹ جائے تو کوئی حرج نہیں۔ بلا عذر ہرگز نہیں چھوٹنا چاہیئے۔

ولی کے لئے قصاص و دیت کی مشروعیت

اور جس شخص (کے قتل) کو اللہ تعالیٰ نے حرام فرمایا ہے	وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا

بِالْحَقِّ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطَانًا فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا

(سورۃ الاسراء آیت ۳۳)

اس کو قتل مت کیجئے ہاں مگر حق پر اور جو شخص ناحق قتل کیا جاوے تو ہم نے اس کے وارث کو اختیار دیا ہے، سو اس کو قتل کے بارے میں حد (شرع) سے تجاوز نہ کرنا چاہئے وہ شخص طرفداری کے قابل ہے۔

سورۃ بنی اسرائیل کی زیر بحث آیت قتل کی حرمت اور قصاص کے وجوب اور دیگر فوائد کے بارے میں ہے۔

قتل کی حرمت

تین جرائم ایسے ہیں جن میں مجرم کو قتل کرنا جائز ہے اور ان کے علاوہ کسی وجہ سے کسی کو قتل کرنا جائز نہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ ولا تقتلوا النفس التی حرم اللہ الا بالحق حق کے سوا اللہ تعالیٰ کی حرام کی ہوئی جان کو مت مارو۔ حق سے مراد ایسا جرم ہے جس کے ارتکاب کی سزا جان سے مار دینا ہے۔ ایسے جرم تین ہیں (۱) مرتد ہو جانا (۲) کسی کو ناحق قتل کرنا۔ (۳) محصن (شادی شدہ) کا زنا کرنا۔

قصاص یا دیت ولی کا حق ہے

جو کوئی ظلم سے مارا جائے تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کے ولی کو قتل پر غلبہ و زور دیا ہے کہ قتل کے مطابق قاتل سے بدلہ لے سکتا ہے خواہ وہ قصاص و دیت دونوں لے یا صرف قصاص لے۔ ومن قتل مظلوما فقد جعلنا لولیہ سلطانا اور جو شخص ناحق قتل کیا جائے تو ہم نے اس کے وارث کو اختیار دیا ہے۔ الغرض یہ آیت اس امر کی دلیل ہے کہ ولی کو قصاص لینے کا حق حاصل ہے اور ولی عصبات کی ترتیب کے لحاظ سے ہوتا ہے اور جس کا کوئی ولی نہ ہو اس کا ولی حاکم وقت ہے۔

قتل میں حد سے تجاوز کی ممانعت

قتل میں حد سے بڑھنا منع ہے فلا یسرف فی القتل۔ آیت کے اس کے جملہ کے دو مطلب ہیں۔ (۱) اگر آیت میں لا یسرف کی ضمیر کا مرجع قاتل اول ہے تو معنی واضح ہے کہ قاتل اول قتل میں پہل کر کے حد سے تجاوز نہ کرے۔

اور اگر فلا یسرف کی ضمیر کا مرجع ولی مقتول ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ مقتول کا ولی قاتل کے علاوہ کسی اور کو قتل کر کے حد سے تجاوز نہ کرے۔ یا رسوم جاہلیت کے مطابق ایک کے عوض دو کو قتل نہ کرے اور مُثلہ کرنے سے بھی اجتناب کرے۔

زنا کی حد

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ وَّلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَائِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۔ (سورۃ النور آیت ۲)	زنا کرنے والی عورت، زنا کرنے والے مرد سو ان میں ہر ایک کے سو دُرّے مارو اور تم لوگوں کو ان دونوں پر اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں ذرا رحم نہ آنا چاہیے اگر تم اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو۔ اور دونوں کی سزا کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت کو حاضر رہنا چاہیے۔

اس آیت میں زنا کی سزا مذکور ہے۔

زنا کی سزا

غیر شادی شدہ مرد اور عورت اگر زنا کریں تو ان کی سزا سو کوڑے ہیں اس لئے اللہ تبارک و تعالیٰ نے حکام کو حکم دیا ہے کہ غیر محصن مرد اور عورت اگر زنا کا ارتکاب کریں تو ان میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے الزانیۃ والزانی فاجلدوا کل واحد منہما مائۃ جلدۃ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اے حکام! جب غیر محصن مرد اور عورت زنا کے مرتکب ہوں تو ان میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو۔

زانیہ اور زانی سے مراد غیر شادی شدہ ہیں۔

زانیہ اور زانی کبھی محصن (شادی شدہ) ہوتے ہیں اور کبھی غیر محصن (غیر شادی شدہ) مگر یہاں آیت میں جو سزا مذکور ہے وہ غیر محصن کی ہے۔ اس لئے کہ محصن کی سزا تو سنگسار کرنا ہے جبکہ یہاں سو کوڑوں کی سزا مذکور ہے فاجلدو کل واحد منہما مائۃ جلدۃ معلوم ہوا کہ اس آیت میں غیر شادی شدہ کی سزا مذکور ہے۔

زانی کی سزا میں شفقت منع ہے

زانی کی سزا میں شفقت اور رحم دلی کرنا منع ہے کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے حکام کو خطاب فرمایا ہے کہ: ولا تاخذکم بہما رأفۃ اے حکام! زانیوں کو سزا دو اور اگر تم اللہ تعالیٰ اور روزِ قیامت پر یقین رکھتے ہو تو تمہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت یعنی سزا جاری کرنے میں ان پر شفقت دامن گیر نہ ہو یعنی سزا دینے میں سستی اور کاہلی نہ کرو بلکہ فوراً اس کام کو بغیر کسی کمی و بیشی کے پایۂ تکمیل تک پہنچاؤ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر فاطمہؓ بنت محمدؐ بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیتا۔

سزا دیتے وقت مؤمنین کی جماعت موجود ہو،

زانی اور زانیہ پر مؤمنین کی ایک جماعت کی موجودگی میں سزا جاری کرنا چاہیئے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ولیشہد عذابہما طائفۃ من المؤمنین آیت کے اس جملہ کا عطف ماقبل جملہ فاجلدوا پر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ سزا کے وقت وہاں مؤمنین کی ایک جماعت موجود ہو تاکہ وہ اس سے عبرت حاصل کریں اور ایسے کاموں سے باز رہیں۔

زنا میں دنیاوی سزا ہی کافی ہے

ولیشہد عذابہما آیت کے اس جملہ میں زنا کی سزا کو عذاب سے تعبیر کیا ہے اس تعبیر میں اس بات کا ثبوت ہے کہ اس سزا کے بعد آخرت میں ان کو عذاب نہیں ہوگا۔ اور تاکہ وہ بھی دوسرے ایسے کاموں سے باز رہیں اور اسے نکال بھی کہا جاتا ہے۔

زنا کی حدودِ منسوخہ کا بیان

وَالّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَۃَ مِنْ نِّسَآئِکُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَیْهِنَّ اَرْبَعَۃً مِّنْکُمْ فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِکُوْهُنَّ فِی الْبُیُوْتِ حَتّٰی یَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ یَجْعَلَ اللّٰهُ

اور جو عورتیں بے حیائی کا کام کریں تمہاری بیبیوں میں سے سو تم لوگ ان عورتوں پر چار آدمی اپنوں میں سے گواہ کر لو، سو اگر وہ گواہی دیدیں تو تم ان کو گھروں کے اندر مقید رکھو یہاں تک کہ موت ان کا خاتمہ کر دے یا، اللہ تعالیٰ

لَهُنَّ سَبِيلًا ۔ وَالَّذٰنِ يَاْتِيٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا فَاِنْ تَابَا وَاَصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ۔ (سورۃ النسآء آیت ۱۵ و ۱۶)	ان کے لئے کوئی راہ تجویز فرمادیں اور جونسے دو شخص بھی وہ بے حیائی کا کام کریں تم میں سے ان دونوں کو اذیت پہنچاؤ پھر اگر وہ دونوں توبہ کرلیں اور اصلاح کرلیں تو ان دونوں سے کچھ تعرض نہ کرو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والے ہیں۔

ان آیات کے منسوخ ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں مفسرین کے اقوال وآرا مختلف ہیں۔ حسن لکھتے ہیں کہ سب سے پہلے زنا کی سزا ایذا پہنچانا نازل ہوئی پھر قید کرنا، پھر کوڑے مارنا اور سنگسار کرنا، گویا ترتیبِ نزول، ترتیبِ تلاوت کے خلاف ہے یعنی زیرِ بحث آیات میں سے دوسری آیت فاٰذوھما نزول میں سب سے مقدم ہے جس میں زنا کی سزا بلاتعیین ایذا وتکلیف ہے۔

پھر یہ آیت اپنے سے سابقہ آیت وَاللّٰتِی یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَۃَ سے منسوخ ہے جس میں چار مسلمان گواہ طلب کرنے کا حکم ہے جو تاحال بالاتفاق باقی ہے اور زانی کو تاحیات گھر میں قید کرنے کا حکم ہے یا اس وقت تک قید میں رکھنے کا حکم ہے جب تک کوئی اور سزا مقرر نہ ہوجائے۔ یہ حکم کوڑے مارنے، سنگسار کرنے کی سزا سے منسوخ ہے۔

زنا کے ثبوت کے لئے چار گواہ شرط ہیں

زنا کے ثبوت کے لئے چار ایسے مردوں کی گواہی جو شہادت کی اہلیت رکھتے ہوں ضروری ہے، عورتوں کی گواہی معتبر نہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے فاستشھدوا علیھن اربعۃ منکم۔ اس آیت سے یہ حکم ثابت ہوتا ہے کہ جن عورتوں سے ایسی حرکت سرزد ہوجائے تو اس کے ثبوت کے لئے چار گواہ مرد طلب کئے جائیں یعنی جن حکام کے پاس یہ معاملہ پیش کیا جائے وہ ثبوتِ زنا کے لئے چار گواہ طلب کریں۔

توبہ کی صورت میں عدمِ تعرض کا حکم

اگر زنا کی سزا دینے کے بعد وہ دونوں توبہ کرلیں اور اپنی اصلاح کرلیں تو پھر ان سے کوئی تعرض نہ کیا جائے

یعنی ان کو ان کے فعل پر ملامت یا مزید تکلیف نہ دی جائے جیسا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے آیت کے آخر میں فرمایا فان تابا و اصلحا فاعرضوا عنہما ان اللہ کان توابًا رحیمًا۔ آیت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ توبہ سے سزا بھی مُعاف ہوگئی ہے۔ اس لئے کہ یہ حکم تو سزا کے بعد مذکور ہے۔ جیسا کہ فا کی تفریع سے ظاہر ہے۔ ہاں اگر توبہ نہ کی تو سزا کے بعد بھی ملامت کر سکتے ہیں۔

قرآن کریم کی ان دونوں آیتوں میں زنا کے لئے کوئی متعین حد بیان نہیں کی گئی بلکہ صرف اتنا کہا گیا کہ ان کو تکلیف پہنچاؤ اور زنا کار عورتوں کو گھر میں بند کر دو تکلیف پہنچانے کا بھی کوئی خاص طریقہ نہیں بتلایا گیا بلکہ حکام کی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا۔

کنیز کے ساتھ زنا کرنے کی حد

وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ فَاِذَا اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ وَاَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔

(سورۃ النساء۔ آیت ۲۵)

اور جو شخص تم میں سے پُوری مقدرت اور گنجائش نہ رکھتا ہو آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح کرنے کی تو وہ اپنے آپس کی مسلمان لونڈیوں سے جو کہ تم لوگوں کی مملوکہ ہیں نکاح کر لے اور تمہارے ایمان کی پُوری حالت اللہ ہی کو معلوم ہے۔ تم سب آپس میں ایک دوسرے کے برابر ہو۔ سو ان سے نکاح کر لیا کرو ان کے مالکوں کی اجازت سے اور اُن کو اُن کے مہر قاعدہ کے موافق دے دیا کرو اس طور پر کہ منکوحہ بنائی جاویں، نہ تو علانیہ بدکاری کرنے والی ہوں اور نہ خفیہ آشنائی کرنے والی ہوں۔ پھر جب وہ لونڈیاں منکوحہ بنائی جائیں پھر اگر وہ بڑی بے حیائی کا کام کریں تو ان پر اس سزا سے نصف سزا ہوگی۔ جو کہ آزاد عورتوں پر ہوتی ہے یہ اُس شخص کیلئے ہے جو تم میں سے زنا کا اندیشہ رکھتا ہو، اور تمہارا ضبط کرنا زیادہ بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے، بڑے رحمت والے ہیں۔

کنیز کی حد آزاد عورت کی حد سے آدھی ہے

جب باندیاں نکاح میں آجائیں اور ان کے پاکدامن رہنے کا انتظام ہوجائے تو اب اگر زنا کا ارتکاب کریں تو ان کو اس سزا سے آدھی سزا ملے گی جو آزاد عورتوں کے لئے مقرر ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ فان اتین بفاحشۃ فعلیھن نصف ما علی المحصنٰت من العذاب ۔ **محصنٰت** سے مُراد شادی شدہ آزاد عورتیں ہیں۔ غیر شادی شدہ آزاد مَرد وعورت سے اگر زنا کا صدور ہوجائے تو اس کو سو کوڑے لگائے جائیں گے جس کا ذکر سورہ نور کی دُوسری آیت میں ہے اور جو کوئی شادی شُدہ مَرد وعورت زنا کرلیں تو اس کی سزا رجم ہے یعنی پتھروں سے مار مار کر قتل کر دیا جائے گا کیونکہ اسمیں تنصیف نہیں ہوسکتی اس لئے چاروں اماموں کا مذہب یہی ہے کہ غلام یا باندی خواہ شادی شدہ ہوں یا خواہ کنوارے ہوں اگر ان سے زنا سرزد ہوجائے تو ان کی سزا پچاس کوڑے ہیں۔ باندیوں کا حکم تو آیت شریفہ میں مذکور ہے اور بطور دلالت النص غلام کا مسئلہ بھی اسی سے سمجھ میں آرہا ہے۔

حدِ قذف، تہمتِ زنا کی سزا

وَالَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ یَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُھَدَآءَ فَاجْلِدُوْھُمْ ثَمٰنِیْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَھُمْ شَھَادَةً اَبَدًا وَاُولٰٓئِكَ ھُمُ الْفٰسِقُوْنَ اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (سورۃ النور آیت ۴ و ۵)

جو لوگ تہمت لگائیں پاک دامن عورتوں کو اور پھر چار گواہ نہ لاسکیں تو ایسے لوگوں کو اسّی دُرّے لگاؤ اور ان کی گواہی کبھی قبول مت کرو اور یہ لوگ فاسق ہیں لیکن جو لوگ اس کے بعد توبہ کرلیں اور اپنی اصلاح کرلیں سو اللہ تعالیٰ ضرور مغفرت کرنے والا، رحمت کرنیوالا ہے۔

حدِ قذف

جو شخص کسی پاک دامن عورت یا پاکدامن مَرد پر زنا کی تہمت لگائے اور اپنے دعویٰ کے ثبوت میں چار گواہ پیش نہ کرسکے تو جس پر تہمت لگائی ہے اس کے مطالبہ کرنے پر تہمت لگانے والے پر سزا واجب ہے

جو اسّی کوڑے ہیں فاجلدوا ھم ثمانین جلدۃ تہمت لگانے والوں کو اسّی کوڑے لگاؤ۔

تہمت لگانے والے کی گواہی قبول نہیں

تہمت لگانے والے کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی ولا تقبلوا لھم شھادۃ ابدًا اور ان کی گواہی قبول مت کرو اگرچہ نص عام ہے اور ہر تہمت اس کے تحت داخل ہے لہذا ہر قسم کی تہمت کا حکم یہی ہونا چاہئے کہ تہمت لگانے والے کی شہادت قبول نہ ہو مگر چونکہ یہاں عدم قبولیت شہادت کا ذکر زنا کے بعد ہے۔ لہذا اس سے صرف وہ تہمت مراد ہوگی جو زنا کے بارے میں ہو۔ مطلق تہمت مراد نہیں ہوگی۔ اس صورت میں آیت کا ترجمہ ہوگا۔ جو لوگ زنا کی تہمت لگاتے ہیں۔ نیز چار گواہوں کا لانا بھی اس معنی کی تائید کرتا ہے۔ علاوہ ازیں اس آیت میں لفظ محصنات ہے محصنات کا معنی پاکدامن اور عفیف ہے جو زنا سے پاک ہے اس سے اس معنی کی تائید ہوتی ہے۔

چوری کی سزا

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ ۗ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔

(سورۃ المائدہ آیت ۳۸ و ۳۹)

اور جو مرد چوری کرے اور جو عورت چوری کرے سو ان دونوں کے ہاتھ کاٹ ڈالو ان کے کردار کے عوض میں بطور سزا کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور اللہ بڑی قوت والے ہیں بڑی حکمت والے ہیں پھر جو شخص توبہ کرلے اپنی اس زیادتی کے بعد اور اعمال کی درستی رکھے تو بیشک خدا تعالیٰ اس پر توجہ فرمائیں گے۔ بے شک خدا تعالیٰ بڑی مغفرت والے ہیں، بڑی رحمت والے ہیں۔

چوری کی تعریف

لفظ سرقہ (چوری) کا لغوی معنی اور شرعی کے متعلق قاموس میں ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے کا مال کسی محفوظ جگہ

سے اس کی اجازت کے بغیر چھپ کر لے لے اسے سرقہ کہتے ہیں یہی اس کی شرعی تعریف ہے اور اس تعریف کی رُو سے سرقہ ثابت ہونے کے لئے چند چیزیں ضروری ہیں۔

(۱) اوّل یہ ہے کہ وہ مال کسی فرد یا جماعت کی ذاتی ملک ہو چرانے والی کی اس میں نہ ملکیت ہو نہ ملکیت کا شُبہ ہو اور نہ ایسی چیزیں ہوں جن میں عوام کے حقوق مساوی ہوں جیسے رفاہِ عامہ کے ادارے اور ان کی اشیا اس سے معلوم ہُوا کہ اگر کسی شخص نے کوئی ایسی چیز لے لی جس میں اس کی ملکیت یا شُبہ ہے یا جن میں عوام کے حقوق مساوی ہیں تو اس پر حد سرقہ جاری نہ کی جائے گی۔ حاکم اپنی صوابدید کے موافق تعزیری سزا جاری کر سکتا ہے۔

(۲) دوسری چیز تعریف سرقہ میں مال کا محفوظ ہونا ہے یعنی مقفل مکان کے ذریعہ یا کسی نگران چوکیدار کے ذریعہ محفوظ ہو، یا جو مال کسی محفوظ جگہ میں نہ ہو اس کو کوئی شخص اٹھالے تو وہ بھی حد سرقہ کا مستوجب نہیں ہوگا اور مال کے محفوظ ہونے میں شُبہ بھی ہو جائے گا تو بھی حد ساقط ہو جائے گی گُناہ اور تعزیر کا معاملہ جُدا ہے

(۳) تیسری شرط بلا اجازت ہونا ہے جس مال کے لینے یا اُٹھا کر استعمال کرنے کی کسی کو اجازت دے رکھی ہو اور وہ اس کو بالکل لے لے تو حد سرقہ عائد نہیں ہوگی اور اگر اجازت کا شُبہ بھی پیدا ہو جائے گا تب بھی حد ساقط ہو جائیگی۔

(۴) چوتھی شرط چھپا کر لینا ہے کیونکہ دوسرے کا مال اعلانیہ لُوٹا جائے تو وہ سرقہ نہیں بلکہ ڈاکہ ہے جس کی سزا آگے بیان ہوگی۔ غرض خفیہ نہ ہو تو حد سرقہ اس پر جاری نہ ہوگی۔

چوری کی سزا

اگر پہلی بار چوری کرے تو اس کا داہنا ہاتھ کلائی سے کاٹا جائے فاقطعوا ایدیھما اور اگر دوبارہ چوری کرے تو بایاں پاؤں کاٹا جائے اگر تیسری بار چوری کرے تو پھر ہاتھ پیر وغیرہ نہ کاٹے جائیں بلکہ توبہ کرنے تک قید کیا جائے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ کے نزدیک اگر تیسری بار چوری کرے تو پھر بایاں ہاتھ اور چوتھی بار داہنا پاؤں بھی کاٹ دیا جائے ان کی دلیل حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے۔

ڈاکو کی سزا کے احکام

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیۡنَ یُحَارِبُوۡنَ اللّٰہَ	جو لوگ اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسول سے لڑتے ہیں

وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهِمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

اور ملک میں فساد پھیلاتے پھرتے ہیں ان کی یہی سزا ہے کہ قتل کئے جائیں یا سولی دیئے جائیں یا ان کے ہاتھ پاؤں مخالف جانب سے کاٹ دیئے جائیں یا زمین پر سے نکلوائے جائیں یا ان کیلئے دنیا میں سخت رسوائی ہے اور ان کو آخرت میں عذابِ عظیم ہوگا، ہاں مگر جو لوگ قبل اس کے کہ تم ان کو گرفتار کرو توبہ کرلیں تو جان لو کہ بے شک اللہ تعالیٰ بخش دیں گے مہربانی فرمائیں گے۔

(سورہ المائدہ آیت ۳۳ و ۳۴)

شرعی سزاؤں کی اقسام

شرعی سزاؤں کی تین قسمیں ہیں۔ (۱) حدود (۲) قصاص (۳) تعزیرات۔

جن جرائم کی کوئی سزا قرآن و سنت نے متعین نہیں کی بلکہ ان کو حکام کی صوابدید پر چھوڑ دیا ہے۔ ان سزاؤں کو شرعی اصطلاح میں تعزیرات کہا جاتا ہے اور جن جرائم کی سزائیں قرآن و سنت نے متعین کردی ہیں وہ دو قسم پر ہیں (۱) وہ جن میں حق اللہ کو غالب قرار دیا گیا ہے انکی سزا کو حد کہا جاتا ہے جس کی جمع حدود ہے۔

(۲) دوسری وہ جن میں حق العبد کو ازروئے شرع غالب مانا گیا ہے اس کی سزا کو قصاص کہا جاتا ہے۔

تعزیری سزائیں حالات کے مطابق ہلکی سے ہلکی بھی کی جاسکتی ہیں اور سخت سے سخت بھی اور معاف بھی کی جاسکتی ہیں ان میں حکام کے اختیارات وسیع ہیں اور حدود میں کسی حاکم یا کسی حکومت کو ادنیٰ تغیر و تبدل یا کمی بیشی کی اجازت نہیں ہے اور نہ ہی زمان و مکان کے بدلنے کا ان پر کوئی اثر پڑتا ہے نہ کسی امیر و حاکم کو اس کے معاف کرنے کا حق ہے۔ شریعت اسلام میں حدود صرف پانچ ہیں (۱) ڈاکہ (۲) چوری (۳) زنا (۴) تہمت زنا کی سزا۔ یہ سزائیں قرآن کریم میں منصوص ہیں۔ پانچویں سزا شراب نوشی کی حد ہے جو اجماع صحابہ کرامؓ سے ثابت ہے۔ اس طرح کل جرائم کی سزائیں معین ہوگئیں جن کو حدود کہا جاتا ہے۔ ان سزاؤں کو جس طرح کوئی امیر یا حاکم کم یا معاف نہیں کرسکتا اسی طرح توبہ کرلینے سے بھی دنیوی سزا کے حق میں معاف نہیں ہوں گی۔ ہاں آخرت کا گناہ مخلصانہ توبہ سے معاف ہوکر وہاں کا کھاتہ بے باک ہوجاتا ہے۔

قصاص کی سزا بھی حدود کی طرح قرآنِ کریم میں متعین ہے کہ جان کے بدلے میں جان لی جائے۔ زخموں کے بدلے میں مساوی زخم کی سزا دیجائے لیکن فرق یہ ہے کہ حدود کو بحیثیت حق اللہ نافذ کیا گیا ہے۔ اگر صاحبِ حق انسان اپنا حق معاف بھی کرنا چاہے تو معاف نہیں ہوگا اور حد ساقط نہیں ہو گی۔ مثلاً جس کا مال چوری کیا ہے وہ معاف بھی کردے تو چوری کی شرعی سزا معاف نہیں ہو گی۔ بخلاف قصاص کے کہ اسمیں حق العبد کی حیثیت کو قرآن و سُنّت نے غالب قرار دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قاتل پر جرم ثابت ہو جانے کے بعد اس کو مقتول کے ولی کے حوالے کر دیا جاتا ہے وہ چاہے تو قصاص لے لے اور اس کو قتل کرا دے اور چاہے تو معاف کر دے۔ اسی طرح زخموں کے قصاص کا بھی یہی حال ہے۔

آیت کا شانِ نزول

تفسیر حُسینی نے اس آیت کے متعلق لکھا ہے کہ انس بن مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سنہ ۶ ھ میں قوم عرینہ کے کچھ لوگ مدینہ منورہ آئے اور مشرف باسلام ہو گئے لیکن اس جگہ کی آب و ہوا ان کے موافق نہ آئی۔ ان کے چہرے زرد ہو گئے اور ان کے پیٹ پھول گئے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے انہیں حکم دیا کہ وہ صدقہ کے اونٹوں والی جگہ باہر چلے جائیں (اور ایک روایت کے مطابق انہوں نے خود درخواست کی تھی) اور وہاں جاکر اونٹوں کا دودھ اور پیشاب پئیں۔ (لیکن صحیح تحقیق یہ ہے کہ نبی علیہ السّلام نے انہیں دودھ پینے کا حکم دیا تھا۔ پیشاب پینے کا نہیں۔ پیشاب وہ خود پیتے رہے۔ انہوں نے ایسا ہی کیا اور ان کی صحت بحال ہو گئی پھر وہ مُرتد ہو گئے اور پندرہ اونٹ لے کر اپنے وطن کو بھاگ نکلے، نبی علیہ السّلام نے ان کے تعاقب میں اپنے مولیٰ یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کچھ آدمی دے کر بھیجا وہ یسار رضی اللہ عنہ پر غالب آ گئے اور ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر پھینک دیا یہاں تک وہ شہید ہو گئے اس کے بعد نبی علیہ السّلام نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک دستہ دے کر ان کی سرکوبی کے لئے بھیجا وہ انہیں پکڑ کر مدینہ لے آئے اس پر یہ آیت نازل ہوئی، تو ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر ان کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیر دی گئیں۔ اس کے بعد انہیں سولی دے دی گئی۔ یہ قصّہ قدرے تغیر و تبدل کے ساتھ بھی منقول ہے۔)

راہزنوں و ڈاکوؤں کی سزا

راہزنوں اور ڈاکوؤں کی سزا کی چار صورتیں (۱) سب کو قتل کیا جائے (۲) سب کو سولی پر چڑھایا جائے۔

(۳) یا ان کے داہنے ہاتھ کلائیوں سے اور بائیں ٹخنوں سے کاٹ دیئے جائیں یا ان کو جلاوطن (زمین سے نکال دیا جائے) جیساکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے ان یقتلوا او یصلبوا او تقطع ایدیھم وارجلھم من خلاف او ینفوا من الارض۔ یعنی اگر کسی نے دارالاسلام کے کسی مسلم یا غیر مسلم شہری کو قتل کیا مگر مال نہیں لوٹا تو ان کی سزا ان یقتلوا ان سب کو قتل کر دیا جائے اگرچہ قتل کا فعل بلاواسطہ صرف بعض افراد سے صادر ہوا ہو اور اگر کسی کو قتل بھی کیا اور مال بھی لوٹا تو ان کی سزا یصلبون ہے یعنی ان سب کو سولی چڑھایا جائے جس کی صورت یہ ہے کہ ان کو زندہ سولی پر لٹکایا جائے پھر نیزہ وغیرہ سے پیٹ چاک کیا جائے اور اگر ان لوگوں نے صرف مال لوٹا ہے کسی کو قتل نہیں تو ان کی سزا ان **تقطع ایدیھم وارجلھم من خلاف** ہے یعنی ان کے داہنے ہاتھ کلائیوں سے اور بائیں پاؤں ٹخنوں سے کاٹ دیئے جائیں اور اس میں یہ مال لوٹنے کا عمل بلاواسطہ اگرچہ بعض سے صادر ہوا ہو مگر سزا سب کے لئے ہی ہوگی کیونکہ کرنے والوں نے جو کچھ کیا ہے اپنے ساتھیوں کے تعاون اور امداد کے بھروسہ پر کیا ہے اس لئے سب شریکِ جرم ہیں اور ابھی قتل وغارت گری کا کوئی جرم ان سے صادر نہیں ہوا تھا کہ پہلے ہی گرفتار کر لئے گئے تو ان کی سزا او ینفوا من الارض ہے یعنی ان کو زمین سے نکال دیا جائے۔

جلاوطنی کا مفہوم

او ینفوا من الارض۔ زمین سے نکالنے کا مفہوم فقہا کی ایک جماعت کے نزدیک یہ ہے کہ ان کو دارالاسلام سے نکالا جائے اور بعض کے نزدیک یہ ہے کہ جس مقام پر ڈاکہ ڈالا ہے وہاں سے نکال دیا جائے حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس قسم کے معاملات میں یہ فیصلہ فرمایا کہ اگر مجرم کو یہاں سے نکالا جائے اور دوسرے شہروں میں آزاد چھوڑ دیا جائے تو وہ وہاں کے لوگوں کو ستائے گا۔ اس لئے ایسے مجرم کو قید میں بند کر دیا جائے۔ یہی اس کا زمین سے نکالنا ہے کہ زمین پر کہیں چل پھر نہیں سکتا۔ امامِ اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔

اُخروی مُعافی کیلئے توبہ ضروری ہے

یہ شرعی سزائیں جو دُنیا میں ان پر جاری کی گئی ہیں یہ تو صرف دُنیا کی رُسوائی اور سزا کا ایک نمونہ ہے آخرت کی سزا اس سے بھی سخت اور دیرپا ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے۔ ذالک لھم خزی فی الدنیا ولھم فی

الاخرۃ عذاب عظیم۔ اس سے معلوم ہوا کہ دنیاوی سزاؤں حدود و قصاص یا تعزیرات سے بغیر توبہ کے آخرت کی سزا معاف ہو جائے گی۔

ڈاکو کی حد گرفت سے پہلے توبہ کرنے سے ساقط ہو جائیگی

اگر ڈاکو گرفتار ہونے سے پہلے توبہ کرلے تو اس سے ڈاکہ کی سزا ساقط ہو جائے گی جیسا کہ سورۃ مائدہ کی سابقہ آیت جس میں ڈاکوؤں کی سزا مذکور ہے سے بطور استثناء بعد میں الا الذین تابوا من قبل ان تقدروا علیھم فاعلموا ان اللہ غفور رحیم (القرآن) کا ذکر ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر ڈاکو اور باغی حکومت کے گھیرے میں آنے اور ان پر قابو پانے سے پہلے جبکہ ان کی قوت اور طاقت بحال ہے۔ اس حالت میں اگر توبہ کرکے رہزنی سے خود باز آجائیں تو ڈاکہ کی یہ حد شرعی ان سے ساقط ہو جائے گی۔ یہ استثناء عام قانون حدود سے مختلف ہے کیونکہ دوسرے جرائم چوری زنا وغیرہ میں جرم کرنے اور قاضی کی عدالت میں جرم ثابت ہو جانے کے بعد اگر مجرم سچے دل سے توبہ بھی کرلے تو گو اس توبہ سے آخرت کی سزا معاف ہو جائے گی مگر دنیا میں حد شرعی معاف نہ ہوگی۔
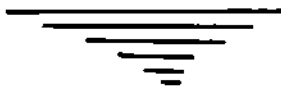
فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ
سو ایسا کیوں نہ کیا جاوے کہ ان کی ہر بڑی جماعت میں سے ایک ایک چھوٹی جماعت (جہاد میں) جایا کرے تاکہ (یہ) باقی ماندہ لوگ
دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرتے رہیں۔ (القرآن)
کتاب القتال

جہاد و قتال کے احکام

وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ وَاقْتُلُوْھُمْ حَیْثُ ثَقِفْتُمُوْھُمْ وَاَخْرِجُوْھُمْ مِّنْ حَیْثُ اَخْرَجُوْکُمْ وَالْفِتْنَۃُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ وَلَا تُقٰتِلُوْھُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰی یُقٰتِلُوْکُمْ فِیْہِ فَاِنْ قٰتَلُوْکُمْ فَاقْتُلُوْھُمْ کَذٰلِکَ جَزَآءُ الْکٰفِرِیْنَ فَاِنِ انْتَھَوْا فَاِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۔ (سورۃ البقرہ آیت نمبر ۱۹۰ تا ۱۹۲)

اور تم لڑو اللہ کی راہ میں اُن لوگوں کے ساتھ جو تمہارے ساتھ لڑنے لگیں اور حد سے مت نکلو واقعی اللہ تعالیٰ حد سے نکلنے والوں کو پسند نہیں کرتے اور ان کو قتل کرو جہاں ان کو پاؤ اور ان کو نکال باہر کرو جہاں سے انھوں نے تم کو نکلنے پر مجبور کیا ہے۔ اور شرارت قتل سے بھی سخت تر ہے اور ان کے ساتھ مسجد حرام کے قریب میں قتال مت کرو جب تک کہ وہ لوگ وہاں تم سے خود نہ لڑیں ہاں اگر وہ خود ہی لڑنے کا سامان کرنے لگیں تو تم ان کو مارو۔ ایسے کافروں کی ایسی ہی سزا ہے۔ پھر اگر وہ لوگ باز آجاویں تو اللہ تعالیٰ بخش دیں گے اور مہربانی فرما دیں گے۔

شانِ نزول

روایت ہے کہ صلح حدیبیہ والے سال جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے ساتھ عمرہ کی غرض سے مکہ آئے تو مشرکین نے انہیں مکہ میں داخل نہ ہونے دیا اور اس بات پر صلح ٹھہری کہ آئندہ عمرہ کرنے آئیں اور مشرکین تین دن آپ کو مکہ میں قیام کی اجازت دیں گے۔ چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آئندہ سال اپنے صحابہؓ کے ہمراہ قضاء عمرہ کی غرض سے مکہ تشریف لائے تو مسلمانوں کو یہ اندیشہ ہوا کہ کفار اپنا وعدہ پورا نہیں

کریں گے اور وہ ماہ حرم ذیقعدہ میں حرمِ مکہ میں ان سے لڑائی چھیڑ دیں گے لہٰذا انہیں فکر لاحق ہوئی کہ ایسی جنگ کا کیا حکم ہے کیا اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ حرام ہے یا جائز ہے۔ انہیں یہ فکر اس لئے لاحق ہوئی کہ حرمت والے مہینوں میں دورِ جاہلیت میں حرم میں لڑائی ممنوع تھی اور آغازِ اسلام تک یہی حکم باقی تھا۔ صحابۂ کرام کو یہ معلوم نہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قوتِ اسلام کے پیشِ نظر اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے قتال کا حکم ہو گا یا نہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے سورہ بقرہ کی مذکورہ کئی آیتیں نازل فرمائیں۔

قتال کا حکم

کفار اگر قتال میں پہل کریں تو مسلمانوں کے لئے بھی ان سے لڑنا جائز ہے وقاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم مطلب یہ ہے کہ اے ایمان والو جو کفار تم سے لڑائی کریں تو تم بھی ان سے لڑائی کرو، لیکن جب تک وہ نہ لڑیں تم لڑائی کی ابتداء نہ کرو۔

معذوروں سے قتال منع ہے

جو کفار لڑنے کی طاقت رکھتے ہیں مسلمانوں کو اُن سے لڑنا جائز ہے مگر جو لڑنے کی طاقت نہیں رکھتے مثلاً شیخِ فانی، بچے، دیوانے، اپاہج، مریض، عورتیں وغیرہ سے لڑنا منع ہے وقاتلوا فی سبیل اللہِ الذین یقاتلونکم ولا تعتدوا ان اللہ لا یحب المعتدین اور تم لڑو اللہ کی راہ میں ان لوگوں کے ساتھ جو تمہارے ساتھ لڑنے لگیں اور حد سے مت نکلو، اللہ تعالیٰ حد سے نکلنے والوں کو پسند نہیں کرتا، لہٰذا معذورین کا قتل حرام ہے کیونکہ یہ میدانِ جنگ میں لڑائی پر قادر نہیں ہیں پس جن کے قتل سے تمہیں منع کیا گیا ہے انہیں قتل کر کے زیادتی نہ کرنا، اسی طرح کسی کا مثلہ کرنے کی زیادتی نہ کرنا کیونکہ مُثلہ اواخرِ اسلام میں حرام کر دیا گیا ہے یا جن سے معاہدہ کیا ہے ان سے جنگ کرنے کی زیادتی نہ کرنا یا انہیں اسلام کی دعوت دیئے بغیر ان سے جنگ کی زیادتی نہ کرنا۔

اس سلسلہ میں صحیح طریق کار یہ ہے کہ پہلے انہیں اسلام کی دعوت دو اگر وہ انکار کریں تو انہیں جزیہ ادا کرنے کی دعوت دو اگر اس سے بھی انکار کریں تو پھر لڑائی کرو۔

کفّار کو ہر جگہ مارنے اور گھروں سے نکال لینے کا حکم

چونکہ کفارِ مکہ نے مسلمانوں کو ان کے گھروں سے نکال دیا تھا اس لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ واقتلوھم حیث ثقفتموھم واخرجوھم من حیث اخرجوکم یعنی ان کفار کو حل یا حرم میں جہاں بھی پاؤ مار ڈالو اور انہیں ان کے موجودہ گھروں سے نکال باہر پھینکو کیونکہ انہوں نے گذشتہ سال تمہیں تمہارے گھروں سے نکال دیا تھا جو شخص فتح مکّہ کے دن اسلام نہ لایا رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ان کے ساتھ یہی معاملہ کیا۔

شِرک قتل سے زیادہ سخت ہے،

اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا قتل کرنے سے زیادہ شدید ہے وَالفتنۃ اشدّ من القتل یہاں فتنہ سے مُراد شرک ہے۔ یعنی ان کا حرم میں شرک کرنا اور تمہیں وہاں داخل ہونے سے روکنا تمہارے ان کو قتل کرنے سے زیادہ سخت ہے یا ان کا شرک کرنا ان کے تمہیں قتل کرنے سے زیادہ سخت ہے۔ اگر وہ تمہیں قتل کریں تو ان سے لڑنے میں مت ہچکچاؤ یا فتنہ سے مُراد عذابِ آخرت ہے۔

حَرم میں قتال کے جواز کی صورت

مسجد حرام کے احترام کی وجہ سے اس میں ابتداً قتال کرنا حرام ہے کیونکہ یہاں جنگ میں پہل کرنے سے مسجد حرام کی ہتکِ حُرمت ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ ولا تقاتلوھم عند المسجد الحرام حتّٰی یقاتلوکم فیہ مسجد حرام میں ان سے جنگ میں پہل نہ کرو یہاں تک کہ وہ لڑائی چھیڑ دیں کیونکہ جنگ میں پہل کرنے سے مسجدِ حرام کی ہتکِ حُرمت ہے ہاں اگر وہ خود جنگ میں ابتداء کریں تو پھر تم بھی انہیں مارو کیونکہ اب انہوں نے مسجد حرام کی ہتک کرنے میں پہل کی ہے اس صورت میں تم پر کوئی الزام نہیں۔ ہمیشہ کیلئے کفّار کی یہی جزا ہے۔

جہاد کیلئے نکلنا

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَکُمْ | اے ایمان والو اپنی تو احتیاط رکھو پھر متفرق طور پر یا

فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِانْفِرُوْا جَمِيْعًا ۝ | مجمع طور پر نکلو۔

(پ ۵، سورۃ النسآء آیت ۷۱)

دشمن سے بچاؤ کی تیّاری کرنے کا حکم

دشمن سے بچاؤ کی تیاری کرنا چاہیئے کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کا حکم قرآن کریم اس آیت یاَیُّھا الذین اٰمنو خذوا حذرکم میں دیا ہے حذر اور حرز کا معنی بچاؤ ہے مطلب یہ ہے کہ دشمن سے اپنے بچاؤ کا بندوبست کرو، بعض کے نزدیک حذر کے معنی ہتھیار اور فنونِ حرب میں مہارت ہے یعنی اپنے ہتھیار اُٹھالو، جنگی تیاری کرلو فانفروا ثبات او انفروا جمیعًا کے کئی معانی ہیں ـــــ

کشاف، بیضاوی اور حسینی نے اس کا معنی کیا ہے الگ الگ دستوں میں یا ایک بڑے لشکر کی صورت میں دشمن کی طرف چلو۔ زاھدی میں ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے ساتھ نہ ہوں تو مختلف جماعتوں کے ساتھ تقسیم ہو جاؤ تاکہ بعض جہاد جاری رکھیں اور بعض علم حاصل کریں اور جب نبی علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے ساتھ ہوں تو سب چل پڑو، کیونکہ آپ کی صحبت میں علم اور جہاد دونوں حاصل ہوں گے۔

جنگ کی تیّاری اور حتّی الوسع سامانِ جنگ تیّار رکھنا اور معاھدہ صُلح

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ (سورۃ الانفال آیت ۶۰، ۶۱)

اور ان کافروں کے لئے جس قدر تم سے ہو سکے ہتھیار سے اور پلے ہوئے گھوڑوں سے سامان درست رکھو کہ اس کے ذریعے سے تم رعب جمائے رکھو ان پر جو کہ اللہ کے دشمن ہیں اور تمہارے دشمن ہیں اور ان کے علاوہ دوسروں پر بھی جن کو تم نہیں جانتے ان کو اللہ ہی جانتا ہے اور اللہ کی راہ میں جو کچھ خرچ کرو گے وہ تم کو پورا پورا دیدیا جائے گا اور تمہارے لئے کچھ کمی نہ ہوگی اور اگر وہ صُلح کی طرف جھکیں تو آپ بھی اس طرف جھک جائیں اور اللہ پر بھروسہ رکھئے بلاشبہ وہ خوب سُننے والا، خوب جاننے والا ہے۔

جہاد کیلئے اسلحہ اور سامانِ حرب کی تیاری فرض ہے

اپنے دفاع اور کفار سے مقابلہ کے لئے حسبِ استطاعت اسلحہ اور سامانِ جنگ کا تیار کرنا فرض ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے واعدوا لھم ما استطعتم من قوۃ اور سامان جنگ کی تیاری کرو کفار کے لئے جس قدر تم سے ہوسکے، آیت میں سامانِ جنگ کی تیاری کے ساتھ ما استطعتم کی قید لگا کر یہ اشارہ فرمادیا کہ تمہاری کامیابی کے لئے یہ ضروری نہیں کہ تمہارے مقابل کے پاس جیسا اور جتنا سامان ہے تم بھی اتنا ہی حاصل کرلو بلکہ اتنا ہی کافی ہے کہ اپنی مقدور بھر جو سامان تم سے ہوسکے وہ جمع کرلو تو اللہ تبارک و تعالیٰ کی نصرت و امداد تمہارے ساتھ ہوگی۔

جنگ کے سامان کا بیان

آیت مذکورہ میں لفظ قوت ایسا جامع لفظ ہے جس میں کفار سے مقابلہ کے لئے ہر دور کے مناسب آلات جنگ تیار کرنا ضروری ہے جیسا کہ آیت مذکورہ میں لفظ من قوۃ اس پر دلالت کرتا ہے کیونکہ یہ ایک ایسا جامع لفظ ہے کہ اس میں بدن کی قوت و طاقت، جسمانی ورزش و فنونِ جنگ کا سیکھنا اور تمام جنگی سامان، اسلحہ سواری وغیرہ داخل ہیں۔ قرآنِ کریم نے اس جگہ اس زمانے کے مروجہ ہتھیاروں کا ذکر نہیں فرمایا بلکہ قوت کا عام لفظ اختیار فرما کر اس طرف بھی اشارہ کردیا کہ یہ قوت ہر زمانہ اور ہر ملک اور ہر مقام کے اعتبار سے مختلف ہوسکتی ہے۔ اُس زمانہ کا اسلحہ تیر، تلوار اور نیزے تھے۔ اس کے بعد بندوق اور توپ کا زمانہ آیا۔ پھر اب بموں اور راکٹوں کا وقت آگیا لفظ قوت ان سب کو شامل ہے اس لئے آج مسلمانوں کو بقدرِ استطاعت ایٹمی قوت، ٹینک اور لڑاکا طیارے اور آبدوز کشتیاں جمع کرنا چاہئیں کیونکہ یہ سب کچھ اسی قوت کے مفہوم میں داخل ہیں۔

سامانِ جنگ میں گھوڑوں کی خصوصیت

جنگ کے سامان میں گھوڑوں کو خصوصی اہمیت حاصل ہے کیونکہ یہ ہر دور میں کام آتے ہیں بلکہ بعض مقامات کا فتح کرنا گھوڑوں پر موقوف ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے گھوڑوں کے باندھنے اور ان کے حاصل کرنے کا حکم دیا۔ فرمایا ومن رباط الخیل۔ رباط مصدری معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے اور مفعول یعنی مربوط کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ پہلی صورت میں معنی ہوں گے گھوڑے باندھنا۔ اور دوسری صورت میں معنی ہوں گے 'بندھے ہوئے گھوڑے'

حاصل دونوں معنی کا یہی ہے کہ جہاد کی نیت سے گھوڑے پالنا اور ان کو باندھنا یا پلے ہوئے گھوڑوں کو جمع کرنا۔
سامانِ جنگ میں سے خصوصیت کے ساتھ گھوڑوں کا ذکر اس لئے کر دیا کہ اس زمانہ میں کسی ملک و قوم کو فتح کرنے میں سب سے زیادہ مؤثر و مفید گھوڑے ہی تھے اور آج بھی بہت سے ایسے مقامات ہیں جن کو گھوڑوں کے بغیر فتح نہیں کیا جا سکتا اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گھوڑوں کی پیشانی میں اللہ نے برکت رکھی ہے۔ صحیح احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سامانِ جنگ فراہم کرنے اور اس کے استعمال کی مشق کرنے کو بڑی عبادت اور موجبِ ثوابِ عظیم قرار دیا ہے اور نیز تیر بنانے اور چلانے پر بڑے بڑے اجر و ثواب کا وعدہ ہے۔

سامانِ جنگ کی تیاری میں مال خرچ کرنے پر اجر کا وعدہ

جنگ میں استعمال ہونے والے سامان کی تیاری یا مہیا کرنے میں مال خرچ کرنے پر اللہ تعالیٰ نے دُنیا و آخرت میں اجر و ثواب دینے کا وعدہ فرمایا ہے۔ وما تنفقوا من شیئ فی سبیل اللّٰہ یوف الیکم جنگی سامان جمع کرنے اور جنگ کرنے میں بھی مال کی ضرورت پڑتی ہے بلکہ سامان جنگ بھی مال ہی کے ذریعہ تیار کیا جاتا ہے۔ اس لئے آخر آیات میں اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کی فضیلت اور اس کا اجرِ عظیم ہونا اس طرح بیان فرمایا ہے کہ اس راہ میں تم جو کچھ خرچ کرو گے اس کا پورا پورا بدلہ تمہیں دیدیا جائے گا۔ بعض اوقات تو دنیا میں بھی مالِ غنیمت کی صورت میں بدلہ مل جاتا ہے ورنہ آخرت کا بدلہ تو متعین ہے اور ظاہر ہے کہ وہی زیادہ قابلِ قدر ہے۔

جنگ سے صُلح

اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے توسط سے پوری اُمت کو اس بات کا حکم دیا ہے کہ اگر کفار صلح کرنے پر آمادہ ہوں اور صلح کرنا چاہیں تو مسلمانوں کو بھی صلح کر لینا چاہیئے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے۔ وان جنحوا للسلم فاجنح لھا آیت میں لفظ سَلم فتح و کسرہ دونوں طرح صُلح کے معنی میں آتا ہے مطلب آیت کا یہ ہے کہ اگر کفار کسی وقت صُلح کی طرف جھکیں تو آپ کو بھی جھک جانا چاہیئے۔ یہاں صیغہ اَمر تخییر کیلئے استعمال ہوا ہے مراد یہ ہے کہ جب کفار صُلح کی طرف مائل ہوں تو آپ کو بھی اختیار ہے اگر مسلمانوں کی مصلحت صلح میں سمجھیں تو صُلح کر سکتے ہیں۔

اگر کفار مسلمانوں سے دوچند ہوں تب بھی ان سے جنگ واجب ہے

یَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ ۚ إِن يَكُن مِّنكُمْ عِشْرُونَ صَابِرُونَ يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ ۚ وَإِن يَكُن مِّنكُم مِّائَةٌ يَغْلِبُوا أَلْفًا مِّنَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُونَ ۝ الْآنَ خَفَّفَ اللَّهُ عَنكُمْ وَعَلِمَ أَنَّ فِيكُمْ ضَعْفًا ۚ فَإِن يَكُن مِّنكُم مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ ۚ وَإِن يَكُن مِّنكُمْ أَلْفٌ يَغْلِبُوا أَلْفَيْنِ بِإِذْنِ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ ۔

(سورۃ الانفال آیت ۶۵ و ۶۶)

اے پیغمبر آپ مؤمنین کو جہاد کی ترغیب دیجئے اگر تم میں سے بیس آدمی ثابت قدم رہنے والے ہوں گے تو دو سو پر غالب آجائیں گے اور اگر تم میں کے سو آدمی ہوں گے تو ایک ہزار کفار پر غالب آجاویں گے اس وجہ سے کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو کچھ نہیں سمجھتے اب اللہ تعالیٰ نے تم پر تخفیف کر دی اور معلوم کر لیا کہ تم میں ہمت کی کمی ہے سو اگر تم میں کے سو آدمی ثابت قدم رہنے والے ہوں گے تو دو سو پر غالب آجائیں گے اور اگر تم میں کے ہزار ہوں گے تو دو ہزار پر اللہ کے حکم سے غالب آجائیں گے اور اللہ تعالیٰ صابرین کے ساتھ ہیں۔

ان دونوں آیتوں میں سے پہلی آیت منسوخ ہے اور دوسری اس کی ناسخ ہے۔ قرآن کریم میں ان دو آیات اور سورہ مجادلہ والی آیت کے سوا اور کہیں بھی ایسا نہیں کہ ناسخ تلاوت میں منسوخ کے بعد متصل ہو۔

جنگ کی ترغیب دینے کا حکم

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے مؤمنین کو جنگ کی ترغیب دینے پر مامور تھے یا ایھا النبی حرض المؤمنین علی القتال یعنی اے نبی مؤمنوں کو جنگ پر برانگیختہ کیجئے اس حکم کے بعد آیت میں مذکور ہے کہ کافر اگر مسلمانوں سے دس گنا بھی زیادہ ہوں تب بھی مسلمانوں کا ان کے مقابلہ سے فرار حرام اور منع ہے۔ مثلاً اگر مسلمان بیس اور کافر دو سو ہوں تب بھی ان سے لڑنا واجب ہے۔ اسی طرح اگر مسلمان ایک سو اور کافر ایک ہزار ہوں تب بھی جنگ واجب ہے۔ علیٰ ھذا القیاس ایسی صورت میں مسلمانوں کیلئے مقابلہ سے بھاگنا حرام اور مقابلہ کرنا واجب ہے۔ ابتداء اسلام میں یہی حکم تھا ——

سابقہ حکم میں تخفیف

جب مسلمانوں کے دل تنگ ہو گئے ان کے حوصلے پست ہو گئے اور وہ اسے گراں سمجھنے لگے تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس حکم کو منسوخ فرما کر تخفیف فرمادی الآن خفف اللہ عنکم الخ لہٰذا اب یہ حکم ہے کہ اگر کافر مسلمانوں سے دو چند ہوں تو مقابلہ سے بھاگنا حرام اور مقابلہ کرنا واجب ہے۔ مثلاً اگر مسلمان ایک سو اور کافر دو سو ہوں تو جنگ واجب اور فرار حرام ہے۔ علیٰ ھذا القیاس جب مسلمان ایک ہزار اور کافر دو ہزار ہوں تو بھی جنگ واجب اور فرار حرام ہے۔

لڑائی ختم ہونے کے بعد پہنچنے والا امدادی لشکر بھی لڑنے والے لشکر کے ساتھ مال غنیمت میں برابر کا شریک ہے۔

مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ وَلَا يَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهٖ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَةٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَطَـُٔوْنَ مَوْطِئًا يَّغِيْظُ الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ وَلَا يُنْفِقُوْنَ نَفَقَةً صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً وَّلَا يَقْطَعُوْنَ وَادِيًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۔ (سورۃ التوبہ آیت نمبر ۱۲۰، ۱۲۱)

مدینہ کے رہنے والوں کو اور جو دیہاتی ان کے گرد و پیش میں ہیں ان کو یہ زیبا نہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ نہ دیں اور نہ یہ کہ اپنی جان کو ان کی جان سے عزیز سمجھیں۔ یہ اس سبب سے ہے کہ ان کو اللہ کی راہ میں جو پیاس لگی جو ماندگی پہنچی اور جو بھوک لگی اور جو چلنا چلے، جو کفار کیلئے موجب غیظ ہوا ہو اور دشمنوں کی جو کچھ خرابی ان سب پر ان کے نام ایک ایک نیک کام لکھا گیا یقیناً اللہ تعالیٰ مخلصین کا اجر ضائع نہیں کرتے اور جو کچھ چھوٹا بڑا انہوں نے خرچ کیا اور جتنے میدان ان کو طے کرنے پڑے یہ سب بھی ان کے نام لکھا گیا تاکہ اللہ تعالیٰ ان کو ان کے کاموں کا اچھے سے اچھا بدلہ دے۔

جنگ کے آخر میں پہنچنے والا بھی غنیمت میں برابر کا شریک ہے

احناف کے نزدیک جنگ کے آخر میں پہنچنے والا بھی مال غنیمت میں برابر کا شریک ہے۔ صاحب کشاف فرماتے ہیں کہ احناف اس مسئلہ پر سورہ توبہ آیت ۱۲۰ کے اس جملہ ولا یطئون موطا ئً سے استدلال کرتے ہیں کہ جنگ ختم ہونے کے بعد پہنچنے والا امدادی لشکر بھی لڑنے والے لشکر کے ساتھ مال غنیمت میں برابر کا شریک ہوگا کیونکہ ان کا سفر اور منازل کا طے کرنا بھی کفار کو غصہ دلاتا ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عامر کے دونوں بیٹوں کو مال غنیمت میں سے حصہ دیا تھا، حالانکہ وہ جنگ ختم ہونے کے بعد پہنچے تھے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن ابی جہل کو پانچ سو سوار دے کر مہاجرین کی امداد کے لئے بھیجا تھا لیکن امدادی لشکر فتح کے بعد پہنچا پھر بھی ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں مال غنیمت میں سے حصہ دیا۔

مریضوں معذوروں اور کمزوروں پر جنگ فرض نہیں

لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ وَّاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (سورۃ التوبہ، آیت ۹۱)

کم طاقت لوگوں پر کوئی گناہ نہیں اور نہ بیماروں پر اور نہ ان لوگوں پر جن کو خرچ کرنے کو میسر نہیں جبکہ یہ لوگ اللہ اور رسول کے ساتھ خلوص رکھیں ان نیکوکاروں پر کسی قسم کا الزام نہیں اور اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت والے بڑی رحمت والے ہیں۔

ضعیفوں پر جنگ فرض نہیں

کمزوروں، بیماروں، بوڑھوں، اپاہجوں اور ان لوگوں پر جو فقر و فاقہ کی بنا پر راہ خدا میں خرچ کرنے کے لئے اور سامان جنگ تیار کرنے کے لئے کچھ نہیں رکھتے، جہاد میں تاخیر کرنے اور جنگ پر نہ جانے میں کوئی حرج نہیں۔ لیس علی الضعفآ ولا علی المرضی ولا علی الذین لا یجدون ما ینفقون حرج الخ بشرطیکہ وہ

صحیح معنوں میں مؤمن اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کے فرمانبردار ہوں اور ظاہراً وباطناً خیر خواہ ہوں۔

معذوروں پر جنگ فرض نہیں

لَيْسَ عَلَى الْأَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْأَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيضِ حَرَجٌ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُولَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ وَمَنْ يَّتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿ سورۃ الفتح آیت ۱۷ ﴾

نہ اندھے پر کوئی گناہ ہے اور نہ لنگڑے پر کوئی گناہ ہے اور نہ بیمار پر کوئی گناہ ہے اور جو شخص اللہ اور رسول کا کہنا مانے گا اس کو ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور جو شخص (حکم سے) روگردانی کرے گا اس کو دردناک عذاب کی سزا دیگا۔

نابینا، لنگڑے اور بیمار پر جنگ کرنا واجب نہیں

روایت ہے کہ جب لڑائی سے پیچھے رہنے والوں اور جنگ سے کترانے والوں پر سخت وعیدیں نازل ہوئیں تو کمزور اور بیمار قسم کے لوگوں نے خیال کیا کہ جنگ نہ کرنے پر انہیں بھی سخت سزا ملے گی اور دردناک عذاب میں مبتلا کئے جائیں گے اس پر یہ آیت نازل ہوئی لیس علی الاعمیٰ حرج ولا علی الاعرج حرج ولا علی المریض حرج، یعنی اندھے، لنگڑے اور مریض پر جنگ نہ کرنے کی بنا پر کوئی حرج نہیں کیونکہ ان پر جنگ کرنا ہی واجب نہیں۔

قیدیوں کے احکام

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ أَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِى الْأَرْضِ تُرِيدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ يُرِيدُ الْاٰخِرَةَ وَاللّٰهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝ لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيمَا أَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝ فَكُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا

نبی کی شان کے لائق نہیں کہ ان کے قیدی باقی رہیں جب تک کہ وہ زمین میں اچھی طرح خون ریزی نہ کرلیں تم تو دنیا کا مال اسباب چاہتے ہو اور اللہ تعالیٰ آخرت کو چاہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بڑے زبردست اور بڑی حکمت والے ہیں۔ اگر خدا تعالیٰ کا ایک نوشتہ نہ ہو چکتا تو جو امر تم نے اختیار کیا ہے اس کے بارے میں تم پر کوئی

طَيِّبًا وَّاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

(سورۃ الانفال آیت ۶۷ تا ۶۹)

بڑی سزا واقع ہوتی سو جو کچھ تم نے لیا ہے اس کو حلال پاک سمجھ کر کھاؤ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے بڑی رحمت والے ہیں۔

ان تینوں آیتوں میں سے پہلی دو کے نزول کے متعلق وارد ہے کہ جنگِ بدر میں ستّر کافر گرفتار ہوئے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے متعلق صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے مشورہ کیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ یہ قیدی آپ کی قوم کے لوگ اور آپ کے رشتہ دار ہیں ان کے عوض مال لے کر انہیں چھوڑ دیجئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ انہیں قتل کر دیجئے کیونکہ یہ کفر کے سرغنے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عقیل پر اور حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عباس پر مسلط کر دیجئے اور مجھے فلاں (اپنے رشتہ دار کا نام لیا) پر مسلط کر دیجئے تاکہ ہم انہیں قتل کریں۔ فیصلہ یہ ہوا کہ فدیہ لے کر قیدیوں کو چھوڑ دیا جائے، بعد ازاں یہ آیت نازل ہوئی جس میں فیصلہ کی غلطی پر تنبیہ اور دشمن کی قوت کو توڑنے کا حکم ہے۔

دشمن کی قوّت کو توڑنے کا حکم

آیت کے شانِ نزول میں بدر کے قیدیوں کے متعلق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے کہ قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے کہ مقابلہ میں قرآن مجید نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے کہ قیدیوں کو قتل کیا جائے کی تائید میں فرمایا کہ ما کان لنبی ان یکون لہٗ اسریٰ حتّٰی یثخن فی الارض نبی کی شان کے لائق نہیں کہ ان کے قیدی باقی رہیں جب تک کہ وہ زمین میں اچھی طرح خون ریزی نہ کرلیں۔

لغت میں اثخان کے معنی کسی کی قوت و شوکت کو توڑنے میں مبالغہ سے کام لینے کے ہیں اس معنی کی تائید کے لئے لفظ فی الارض لایا گیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ دشمن کی شوکت کو خاک میں ملادے۔

مالِ غنیمت حلال ہے

سابقہ آیت میں قیدیوں سے فدیہ لے کر آزاد کرنے یا مالِ غنیمت جمع کرنے پر جو عتاب نازل ہوا تھا اور عذابِ الٰہی سے ڈرایا گیا تھا اور پھر معافی دیدی گئی مگر اب تک یہ بات واضح نہیں ہوئی تھی کہ آئندہ کے لئے ان معاملات میں مسلمانوں کو کیا کرنا چاہیئے اس لئے اگلی آیت میں مالِ غنیمت کے مسئلہ کو تو صاف طور پر بیان کر دیا گیا یعنی جو مالِ غنیمت تم کو ہاتھ آگیا ہے وہ اب کھا سکتے ہو وہ آئندہ کے لئے تمہارے واسطے حلال کر دیا گیا ہے۔ مگر اس میں ایک شبہ

اب بھی باقی تھا کہ مال غنیمت کے حلال ہونے کا حکم تو اب ملا ہے اس حکم سے پہلے جو مال غلطی سے جمع کر لیا گیا تھا شاید اس میں کسی قسم کی کراہت ہو تو لہٰذا اس کے بعد حلالاً طیباً فرما کر اس شبہ کو بھی دور کر دیا گیا اگرچہ اس کے حکم کے نازل ہونے سے پہلے غنیمت کے جمع کرنے کا اقدام درست نہیں تھا مگر اب جب کہ مال غنیمت کے حلال ہونے کا حکم آ گیا تو پہلا جمع کیا ہوا بغیر کسی کراہت کے حلال ہے۔

مشرکین کا پناہ طلب کرنا

وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلَامَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ۔

(سورۃ التوبہ آیت نمبر ۶)

اور اگر کوئی شخص مشرکین میں سے آپ سے پناہ کا طالب ہو تو آپ اس کو پناہ دیجئے تاکہ وہ کلام الٰہی سن لے پھر اس کو اس کے امن کی جگہ میں پہنچا دیجئے یہ حکم اس سبب سے ہے کہ وہ ایسے لوگ ہیں کہ پوری خبر نہیں رکھتے۔

مستامن کو امن دینا

اگر کوئی حربی شخص ہمارے ہاں تجارت کے لئے امان طلب کرتا ہے تو اسے امان دی جائے وان احد من المشرکین استجارك فاجرہ حتی یسمع کلام اللہ ثم ابلغہ مامنہ فاجرہ اور ثم ابلغہ مامنہ کی تفسیر سے معلوم ہوتا ہے کہ مستامن کو امن دیا جائے اور مدت امان کے دوران اس سے کچھ نہ کیا جائے۔ لیکن مدت امان ختم ہونے کے بعد اسے دارالاسلام میں رہنے کی اجازت نہ دی جائے بلکہ مدت ختم ہونے پر اس سے جنگ کے بجائے اسے دارالحرب بھیج دیا جائے اس کے علاوہ اسے کچھ نہ کہا جائے کیونکہ آیت میں حکم ہے کہ اسے ایذا نہ دی جائے اور مدت ختم ہونے پر دارالاسلام سے نکال کر دارالحرب میں پہنچا دیا جائے۔

باغی کو قتل کرنا واجب ہے

وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا

اور اگر مسلمانوں میں دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان اصلاح کر دو پھر اگر ان میں کا ایک گروہ

عَلَى الْأُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِىْ تَبْغِىْ حَتّٰى تَفِیْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ؕ

(سورۃ الحجرات آیت ۹ و ۱۰)

دوسرے پر زیادتی کرے تو اس گروہ سے لڑو جو زیادتی کرتا ہو یہاں تک کہ وہ خدا کے حکم کی طرف رجوع ہو جائے، پھر اگر رجوع ہو جائے تو ان دونوں کے درمیان عدل کے ساتھ اصلاح کر دو اور انصاف کا خیال رکھو بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے مسلمان تو سب بھائی ہیں، سو اپنے دو بھائیوں کے درمیان اصلاح کر دیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہا کرو تاکہ تم پر رحمت کی جائے۔

باغیوں سے قتال کا حکم

اگر مومنین کی دو جماعتیں آپس میں لڑ پڑیں تو بات چیت کے ذریعہ دونوں میں صلح کراؤ، اگر دونوں صلح کرلیں تو فبہا اور اگر ایک جماعت دوسری جماعت پر زیادتی کرنے لگے تو زیادتی کرنے والی جماعت سے لڑو حتیٰ کہ وہ باغی جماعت اللہ کے فیصلہ کی طرف رجوع کرلے اور اگر لڑائی کے بعد باغی جماعت رجوع کرلے تو دونوں کے درمیان انصاف سے صلح کرادو اور تمام اُمور میں انصاف کو مدِ نظر رکھو۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے فان بغت احدھما علی الاخریٰ فقاتلوا التی تبغی حتّٰی تفیٓئ الیٰ امر اللہ۔ آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ باغی سے لڑائی کرنا واجب ہے۔ باغی وہ شخص ہے جو امام حق کی اطاعت سے انکار کردے۔ فقہاء لکھتے ہیں کہ باغی وہ مسلمان ہے جو امامِ حق کی اطاعت کا انکار کردے۔

تمام مشرکین کو اُن کے توبہ کرنے تک قتل کرنا واجب ہے

فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا

سو جب اشہر حرم گزر جاویں تو ان مشرکین کو جہاں پاؤ مارو پکڑو، باندھو اور داؤ گھات کے موقعوں میں ان کی تاک میں بیٹھو پھر اگر توبہ کرلیں اور نماز پڑھنے لگیں اور زکوٰۃ دینے لگیں تو ان کا راستہ چھوڑ دو واقعی

الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ فَخَلُّوْا سَبِیْلَھُمْ | اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت کرنے والے، بڑی رحمت کرنے والے ہیں۔
اِنَّ اللہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۔ (سورۃ التوبہ آیت ۵)

تائب ہونے تک تمام مشرکین کو قتل کرنے کا حکم

جب چار ماہ کی مدت گذر جائے جس میں حاجیوں کے چلنے پھرنے کی مہلت ہے تو جن مشرکین نے معاہدہ توڑ کر تمہارے خلاف تمہارے دشمن کی مدد کی ہے انہیں حرم میں یا حرم کے باہر جہاں بھی پاؤ قتل کر دو، ان کا گھیراؤ کرکے پکڑ لو اور انہیں ملک میں چلنے پھرنے سے روک دو، ان کے لئے ہر جگہ گھات لگا کر بیٹھو تاکہ وہ بچ کر نہ جا سکیں اگر وہ کفر و شرک سے تائب ہو جائیں اور نماز زکوٰۃ کی پابندی کریں تو ان کو چھوڑ دو اور ان سے کوئی تعرض نہ کرو، اللہ تعالیٰ بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے وہ اُن کے گناہ معاف کر دے گا۔

جہاد کے احکام

وَمَا کَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِیَنْفِرُوْا کَآفَّۃً فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ کُلِّ فِرْقَۃٍ مِّنْھُمْ طَآئِفَۃٌ لِّیَتَفَقَّھُوْا فِی الدِّیْنِ وَلِیُنْذِرُوْا قَوْمَھُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَیْھِمْ لَعَلَّھُمْ یَحْذَرُوْنَ۔ (سورۃ التوبۃ، آیت ۱۲۲)

اور مسلمانوں کو یہ نہ چاہیئے کہ سب کے سب نکل کھڑے ہوں، سو ایسا کیوں نہ کیا جائے کہ ان کی ہر بڑی جماعت میں سے ایک چھوٹی جماعت جایا کرے تاکہ باقی ماندہ لوگ دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرتے رہیں اور تاکہ یہ لوگ اپنی قوم کو جب کہ وہ ان کے پاس آویں ڈراویں احتیاط رکھیں۔

جہاد اور دینی تعلیم فرضِ کفایہ ہیں

مذکورہ آیت کے متعلق مفسرین نے کئی توجیہات بیان کی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ جب جنگ سے پیچھے رہ جانے والوں کے بارے میں مذکورہ بالا مذمت اور وعید نازل ہوئی تو تمام مسلمان جنگ پر جانے لگے اور اس طرح دینی علم حاصل کرنے اور اس میں تفقہ پیدا کرنے کا کام رک گیا تو اس پر اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا کہ کچھ لوگ جنگ کے لئے جائیں اور پیچھے رہنے والے دین کا علم حاصل کریں۔ تاکہ علمِ دین کا حصول جو کہ جہادِ اکبر ہے جاری رہے اور منقطع نہ ہو جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے: وما کان المؤمنون لینفروا کافۃ فلولا نفر من کل فرقۃ منھم طائفۃ لیتفقھوا فی الدین ۔ اس صورت میں آیت کا معنی یہ ہے کہ سب کے سب مسلمان کو جہاد کیلئے

نہیں نکلنا چاہیئے سو ایسا کیوں نہیں ہوتا کہ ہر بڑی جماعت میں سے ایک چھوٹی جماعت جنگ کے لئے نکلے اور باقی لوگ دین کا علم حاصل کریں اور اس میں سمجھ بوجھ پیدا کریں۔ تاکہ جب جنگ پر جانے والے واپس آئیں تو انہیں ارشاد و تبلیغ کریں تاکہ وہ بھی گناہوں سے بچتے رہیں۔

تمام مسلمانوں پر قتال فرض ہے

اِنفِرُوا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنفُسِكُمْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔ (سورۃ التوبۃ، آیت ۴۱)	نکل پڑو تھوڑے سامان سے اور زیادہ سامان سے اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے جہاد کرو، یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم یقین رکھتے ہو۔

قتال کیلئے اذنِ عام

اگر جہاد میں نکلنے کا عام اعلان ہو تو جہاد فرض ہو جاتا ہے کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے انفروا خفافا وثقالا وجاهدوا باموالکم وانفسکم فی سبیل اللہ۔ یہ آیت جہاد کے متعلق ہے اور اس میں تمام مسلمانوں کو خفافاً و ثقالاً لڑائی کے لئے نکلنے کا حکم ہے۔ آیت میں خفافاً و ثقالاً کے مفسرین نے کئی معنی کئے ہیں۔

(۱) خوشی خوشی نکلو یا بادل نخواستہ (۲) پیدل نکلو یا سوار ہو کر نکلو (۳) جوان ہو تب بھی نکلو، بوڑھے ہو تب بھی نکلو (۴) نادار ہو تب بھی نکلو، مالدار ہو تب بھی نکلو۔ (۵) تھوڑے ہتھیار ہوں تب بھی نکلو، بہت ہتھیار ہوں تب بھی نکلو (۶) قلیل العیال ہو تب بھی نکلو کثیر العیال ہو تب بھی نکلو (۷) دُبلے ہو تب بھی نکلو، بھاری بدن والے ہو تب بھی نکلو (۸) تندرست ہو تب بھی نکلو، بیمار ہو تب بھی نکلو۔

بہرکیف اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بہرحال ہر شخص پر جہاد کرنا فرض ہے۔ جبکہ اس کے مقابل بعض وہ آیات ہیں جن سے بعض معذورین کو جہاد میں نہ نکلنے کی اجازت ہے مثلاً وما کان المؤمنون لینفروا کافۃ اس میں تفقہ فی الدین حاصل کرنے کیلئے جہاد میں نہ نکلنے کی اجازت ہے۔

اسی طرح لیس علی الاعمیٰ حرج ولا علی الاعرج حرج ولا علی المریض حرج اس میں نابینا، اپاہج اور

مریض کیلئے جہاد میں نہ جانے کی اجازت ہے۔

اسی طرح لیس علی الضعفآء ولا علی المرضیٰ ولا علی الذین لایجدون ما ینفقون حرج

اس آیت میں کمزور مریضوں اور جن کے پاس خرچہ نہ ہو کو جہاد میں نہ جانے کی اجازت ہے۔

بعض مفسرین، صاحبِ کشاف و صاحبِ اتقان نے ان آیات کے پیشِ نظر زیرِ بحث آیت کے نسخ کا قول کیا ہے۔ مگر صاحب ہدایہ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ آیت مطلقاً منسوخ نہیں بلکہ نفیرِ عام پر محمول ہے صاحب ہدایہ لکھتے ہیں کہ اگر جہاد کا عام اعلان ہو تو پھر جہاد فرض ہو جاتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے انفروا خفافا وثقالا ہلکے ہو یا بوجھل جہاد کیلئے چلو۔

اگر کوئی شخص کلمۂ شہادت پڑھ لے تو اُسے قتل کرنا حرام ہے

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوْا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا۔ (سورۃ النسآء، آیت ۹۴)

اے ایمان والو! جب تم اللہ کی راہ میں سفر کیا کرو تو ہر کام کی تحقیق کر کے کیا کرو اور ایسے شخص کو جو کہ تمہارے سامنے اطاعت ظاہر کرے دُنیوی زندگی کے سامان کی خواہش میں یُوں مت کہدیا کرو کہ تم مُسلمان نہیں کیونکہ خدا کے پاس بہت غنیمت کے مال ہیں۔ پہلے تم بھی ایسے ہی تھے پھر اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان کیا، سو غور کرو بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کی پُوری خبر رکھتے ہیں۔

اس آیت میں یہ ہدایت کی گئی ہے کہ جو شخص اپنا مسلمان ہونا ظاہر کرے تو کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ بغیر تحقیق کے اس کے قول کو نفاق پر محمول کرے۔ اس آیت کا سببِ نزول بعض ایسے واقعات ہیں جن میں بعض صحابہ کرامؓ سے اس بارے میں لغزش ہو گئی تھی۔

اس آیت کے سبب نزول کئی واقعات ہیں منجملہ ان میں سے ایک یہ ہے کہ حضرت عبداللہ ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک روایت ہے جس کو بُخاری نے مختصراً اور بزاز نے تفصیلاً نقل کیا ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے ایک دستہ مجاہدین کا بھیجا جن میں حضرت مقداد ابن اسودؓ بھی تھے جب وہ موقع پر پہنچے تو سب لوگ بھاگ گئے۔ صرف ایک شخص رہ گیا جس کے پاس بہت مال تھا، اس نے صحابہ کرامؓ کے سامنے کہا اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مگر حضرت مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ سمجھ کر کہ دل سے یہ کلمہ نہیں کہا بلکہ محض جان و مال بچانے کیلئے کلمۂ اسلام پڑھ رہا ہے اس کو قتل کر دیا۔ مگر حاضرین میں سے ایک صحابیؓ نے کہا کہ آپ نے بُرا کیا کہ ایک ایسے شخص کو قتل کر دیا جس نے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی شہادت دی تھی، میں اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گیا تو اس واقعہ کا ضرور ذکر کروں گا۔ جب یہ لوگ مدینہ منورہ واپس آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ واقعہ سنایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بُلا کر سخت تنبیہ فرمائی اور فرمایا کہ بروز قیامت تمہارا کیا جواب ہو گا جب کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ تمہارے مقابلہ میں دعویدار ہو گا۔ اس واقعہ پر یہ آیت نازل ہوئی۔

واقعہ کی تحقیق کے بغیر فیصلہ کرنا جائز نہیں

مسلمانوں کو ہر کام تحقیق کے بعد کرنا چاہیئے کہ کوئی کام بغیر تحقیق محض گمان پر نہیں کرنا چاہیئے ارشاد باری تعالےٰ یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَتَبَیَّنُوْا آیت کے اس حصہ میں ایک عام ہدایت ہے کہ جب تم اللہ کی راہ میں سفر کیا کرو تو ہر کام تحقیق کے ساتھ کیا کرو محض خیال اور گمان پر کام کرنے سے بسا اوقات غلطی ہو جاتی ہے۔ اس میں سفر کی قید بھی اسی وجہ سے ذکر کی گئی ہے کہ یہ واقعات سفر ہی میں پیش آئے یا اس وجہ سے کہ شبہات عموماً سفر ہی میں پیش آتے ہیں اپنے شہر میں ایک دوسرے کے حالات سے عموماً واقفیت ہوتی ہے ورنہ اصل حکم عام ہے خواہ سفر میں ہو یا حضر میں۔ بغیر تحقیق کسی عمل پر اقدام جائز نہیں۔ ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ سوچ سمجھ کر کام کرنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور جلد بازی شیطان کی طرف سے ہے۔

اسلام کا اظہار جان محفوظ ہونے کیلئے کافی ہے:

اگر کسی مسلمان کی کسی شخص سے ملاقات ہو اور وہ شخص اسلام کا اظہار کرے تو اس کے اسلام کا انکار نہیں کرنا چاہیئے بلکہ اس کے اسلام کو تسلیم کر کے اسے جانی تحفظ دینا چاہیئے۔ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰۤی اِلَیْکُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا۔ مطلب یہ ہے کہ تمہیں کوئی شخص ملتا ہے اور اسلام کا اظہار کرتا ہے تو تم اس کا اسلام

تسلیم نہیں کرتے بلکہ دنیاوی سامان کے خاطر اسے قتل کرتے ہو تمہیں ہرگز ایسا نہیں کرنا چاہیئے بلکہ توقّف کرنا چاہیئے تاکہ اس کے ایمان کا پتہ چل جائے۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں بہت سا مالِ غنیمت دے رکھا ہے تمہیں ایک مسلمان کے مال کی کوئی ضرورت نہیں اور اگر تمہارا دعویٰ یہ ہے کہ وہ شخص صرف زبانی کلمہ پڑھ رہا تھا اور اس کا دل زبان کے موافق نہیں تھا تو تم بھی جب اسلام میں نئے نئے داخل ہوئے تھے تو ایسے ہی تھے تمہارا کلمہ شہادت سُن کر تمہارے جان و مال محفوظ کر دیئے گئے اور اس بات کی کھوج کرید نہیں کی کہ تمہارے دِل زبان کے موافق ہیں یا نہیں، اللہ تعالیٰ نے تمہیں استقامت عطا کرکے تم پر فضل و احسان کیا۔ لہٰذا تم بھی اسلام میں نو واردوں کے ساتھ وہی سلوک کرو جو تمہارے ساتھ روا رکھا گیا تھا لہٰذا بات کی تحقیق کیا کرو اور قتل میں جلدی نہ کیا کرو۔

میدانِ جنگ سے بھاگنا گناہ ہے لڑائی میں دشمن کو دھوکہ دینا جائز ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوهُمُ الْأَدْبَارَ ۝ وَمَن يُوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهُ إِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ أَوْ مُتَحَيِّزًا إِلَىٰ فِئَةٍ فَقَدْ بَاءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللَّهِ وَمَأْوَاهُ جَهَنَّمُ ۖ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ

(سورۃ الانفال آیت ۱۵ و ۱۶)

اے ایمان والو، جب تم کافروں سے دو بدو مقابل ہو جاؤ تو ان سے پشت مت پھیرنا جو شخص ان سے اس موقع پر پشت پھیرے گا مگر ہاں جو لڑائی کے لئے پینترا بدلتا ہو یا جو اپنی جماعت کی طرف پناہ لینے آتا ہو وہ مستثنیٰ ہے باقی اور جو ایسا کرے گا وہ اللہ کے غضب میں آجائے گا اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہوگا اور وہ بہت بُری ہی جگہ ہے۔

میدانِ جہاد سے فرار کی ممانعت اور اس پر عذاب کی وعید

مسلمانوں کو میدانِ جہاد میں دشمن کے مقابلہ سے پُشت پھیر کر بھاگنا حرام ہے خواہ فریقِ مقابل کتنی ہی زیادہ تعداد اور قوت و شوکت میں ہو بجز دو استثنائی صورتوں کے کہ پُشت پھیرنا بھاگنے کے لئے نہ ہو بلکہ پینترا بدلنے کے طور پر یا کمک حاصل کرکے دوبارہ حملہ کرنے کے قصد سے ہو یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوۡا اِذَا لَقِیۡتُمُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا زَحۡفًا فَلَا تُوَلُّوۡھُمُ الۡاَدۡبَارَ۔ یہ استثناء ذکر کرنے کے بعد ان لوگوں کی سزاء کا ذکر ہے جنہوں نے

استثنائی حالت کے بغیر ناجائز طور پر میدان چھوڑا یا پشت موڑی ارشاد باری تعالیٰ ہے: فقد باء بغضب من اللہ و مأوٰلہ جہنم وبئس المصیر: یعنی میدان سے بھاگنے والے اللہ تعالیٰ کا غضب لے کر لوٹے اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بُرا ٹھکانا ہے۔

لڑائی میں دشمن کو دھوکہ دینا جائز ہے

لڑائی سے بھاگنا منع ہے مگر کوئی شخص لڑائی میں داؤ کے لئے بھاگے تو جائز ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے الا متحرفا لقتال مطلب یہ ہے کہ پسپائی سے دشمن یہ خیال کرے کہ مسلمانوں کا لشکر بھاگ رہا ہے اور وہ غافل ہو جائیں مسلمان انہیں غافل پا کر دوبارہ حملہ کر دیں۔ یہ بھی لڑائی کی چالوں میں سے ایک چال ہے اور یہ جائز ہے لیکن غدر حرام ہے۔

غدر اور خدع میں فرق

غدر: کہتے ہیں کہ دشمن کو زبانی طور پر کہنا کہ آج ہم تم سے لڑائی نہیں کریں گے اور پھر اسے بتلائے بغیر لڑائی شروع کر دیں۔

خداع: کہتے ہیں کہ زبانی طور پر کچھ نہ کہے بلکہ ایسی حرکتیں شروع کر دینا جس سے دشمن از خود نتیجہ نکالے کہ مسلمان آج جنگ نہیں کریں گے۔ اور غافل ہو جائے اسے غافل پا کر حملہ کر دینا خدع ہے۔

قوت حاصل کرنے کیلئے میدان سے پھرنا جائز ہے

بڑی جماعت سے ملنے اور کمک حاصل کرنے کے ارادہ سے جو قریب ہی ہو دشمن سے بیٹھ پھیرنا جائز ہے تاکہ خوب طاقتور ہو کر دشمن پر کاری ضرب لگائی جا سکے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے او متحیزا الی فئۃ مگر بعض فقہاء بڑی جماعت کے قریب ہونے کی شرط نہیں لگاتے بلکہ جماعت میں شامل ہونے کے ارادہ سے مطلقاً بیٹھ پھیرنا جائز ہے خواہ بڑی جماعت دُور ہو یا نزدیک کیونکہ بیضاوی شریف میں ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں ایک دستے میں شامل تھا جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ کیلئے بھیجا تھا۔ ہم لوگ بھاگ کر مدینہ آ گئے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ہم بھاگنے والے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں بلکہ تم مسلمانوں کی جماعت

میں پناہ لینے والے ہو۔ میں اور میرے صحابہؓ مسلمانوں کی بڑی جماعت ہیں۔

شہداء زندہ ہیں اُن کو اُن کے رب کے پاس رزق ملتا ہے

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْیَاۗءٌ عِنْدَ رَبِّھِمْ یُرْزَقُوْنَ فَرِحِیْنَ بِمَآ اٰتٰىھُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ وَیَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِیْنَ لَمْ یَلْحَقُوْا بِھِمْ مِّنْ خَلْفِھِمْ اَلَّا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ۝

(سورۃ آل عمران آیت نمبر ۱۶۹ و نمبر ۱۷۰)

اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل کئے گئے ان کو مُردہ مت خیال کرو بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے پروردگار کے مقرب ہیں ان کو رزق بھی ملتا ہے وہ خوش ہیں اس چیز سے جو اُن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے عطا فرمائی ہے اور جو لوگ ان کے پاس نہیں پہنچے ان سے پیچھے رہ گئے ہیں ان کی بھی اس حالت پر خوش ہیں کہ ان پر بھی کسی طرح کا خوف واقع ہونے والا نہیں اور نہ وہ مغموم ہوں گے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے شہید کی چار فضیلتیں بیان کی ہیں (۱) دائمی زندگی (۲) اللہ کے پاس ان کو رزق ملتا ہے (۳) ہمیشہ خوش وخرم ہوں گے (۴) ان کو اپنے دُنیاوی متعلقین کی طرف سے بھی خوشی رہے گی پہلی فضیلت کا بیان سورۃ البقرہ کی آیت نمبر ۱۵۴ میں بیان ہو گی۔

شہداء کی دُوسری فضیلت

شُہداء کو اپنے رب کے پاس رزق ملتا ہے۔ نیز یہ کہ ان کی اَرواح پرندوں کے جسموں میں ہیں جو قیامت تک جنت میں کھاتے پیتے رہیں گے۔ عند ربھم یرزقون یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب کفار نے صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین پر طعن کیا کہ وہ مر گئے اور دُنیاوی لذّات سے بے بہرہ رہے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں بتلایا کہ وہ زندہ ہیں مُردہ نہیں ہیں۔

شہداء کی تیسری فضیلت

شُہداء کی تیسری فضیلت یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں پر ہمیشہ خوش وخرم رہیں گے۔

فرحین بما اتٰھم اللہ من فضلہ۔

شہداء کی چوتھی فضیلت

شہداء کی چوتھی فضیلت یہ ہے کہ وہ اپنے جن متعلقین کو دنیا میں چھوڑ گئے تھے ان کے متعلق بھی ان کو یہ خوشی ہوتی ہے کہ وہ دنیا میں رہ کر نیک عمل اور جہاد میں مصروف ہیں تو ان کو بھی یہاں آکر یہی نعمتیں اور درجاتِ عالیہ ملیں گے۔

شہداء کے فضائل اور قبر میں انعامات کا ثبوت

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَاۗءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ
(سورۃ البقرہ آیت ۱۵۴)

اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کئے جاتے ہیں ان کی نسبت یوں بھی مت کہو کہ وہ مردہ ہیں بلکہ وہ لوگ زندہ ہیں لیکن تم حواس سے ادراک نہیں کر سکتے۔

شہداء زندہ ہیں

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ شہداء اللہ تعالیٰ کے ہاں زندہ ہیں ان کی ارواح کے سامنے ان کے رزق پیش کئے جاتے ہیں جس سے انہیں خوشی اور انبساط حاصل ہوتی ہے جیسا کہ قرآنِ کریم سے بھی ثابت ہے بل احیاء ولکن لا تشعرون یہ آیت شہداء بدر کے بارے میں نازل ہوئی جو تعداد میں چودہ تھے۔ اس طرح آلِ فرعون کی ارواح کو دوزخ صبح و شام دکھائی جاتی ہے تو انہیں تکلیف ہوتی ہے۔ حضرت مجاہدؒ سے روایت ہے کہ انہیں جنت کے پھل ملتے ہیں اور اس کی خوشبو سونگھتے ہیں لیکن جنت میں نہیں۔

شہداء اور انبیاء کی حیاتِ برزخی اور اس کے درجات میں تفاضل

یہ تو سب جانتے ہیں کہ اسلامی روایات کی رو سے ہر مرنے والے کو برزخ میں ایک خاص قسم کی حیات ملتی ہے اس سلسلہ میں حضرت تھانوی نوّر اللہ مرقدہٗ کی تحقیق ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت تھانوی نوّر اللہ مرقدہٗ کی تحقیق

ایسے مقتول کو جو اللہ کی راہ میں قتل کیا جاوے شہید کہتے ہیں اور اس کی نسبت گویا یہ کہنا کہ وہ مر گیا ہے صحیح اور جائز ہے لیکن اس کی موت کو دوسرے مُردوں کی سی موت سمجھنے کی ممانعت کی گئی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ مَرنے کے بعد گو برزخی حیات ہر شخص کی رُوح کو حاصل ہے اور اسی سے جزا، وسزا کا ادراک ہوتا ہے لیکن شہید کو اس حیات میں اور مُردوں سے ایک گونہ امتیاز ہے اور وہ امتیاز یہ ہے کہ اس کی یہ حیات آثار میں اوروں سے قوی ہے جیسے انگلیوں کے اگلے پُوروں اور ایڑھی۔ اگرچہ دونوں میں حیات ہے اور حیات کے آثار بھی دونوں میں موجود ہیں مگر انگلیوں کے پوروں میں حیات کے آثار واحساس وغیرہ بہ نسبت ایڑی کے زیادہ ہیں اسی طرح شہداءؔ میں آثارِ حیات اور مُردوں سے بہت زیادہ ہیں حتیٰ کہ شہید کی اس حیات کی قوت کا ایک اثر برخلاف دیگر مُردوں کے اس کے ظاہری جسم تک بھی پہنچتا ہے کہ اس کا جسم باوجودیکہ گوشت پوست کا مجموعہ ہے۔ مٹی سے متاثر نہیں ہوتا اور زندہ کی طرح صحیح سالم رہتا ہے جیساکہ احادیث ومشاہدات شاہد ہیں۔ پس اس امتیاز کی وجہ سے شہداء کو احیاءؔ کہا گیا ہے اور ان کو دوسرے اموات کے برابر اَموات کہنے کی ممانعت کی گئی مگر احکام ظاہرہ میں وہ عام مُردوں کی طرح ہیں یعنی ان کی میراث تقسیم ہوتی ہے اور ان کی بیویاں دوسروں سے نکاح کر سکتی ہیں —

اور یہی حیات ہے کہ جس میں حضرات انبیاء علیہم السلام شہداء سے بھی زیادہ امتیاز اور قوت رکھتے ہیں یہاں تک کہ سلامت جسم کے علاوہ اس حیاتِ برزخی کے کچھ آثار ظاہری احکام پر بھی پڑتے ہیں مثلاً ان کی میراث تقسیم نہیں ہوتی۔ ان کی ازواج دوسروں کے نکاح میں نہیں آسکتیں۔ پس اس حیات میں سب سے قوی انبیاء علیہم السلام ہیں پھر شہداء پھر اور معمولی مُردے ہیں۔ —

فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ
سو ایسا کیوں نہ کیا جائے کہ ان کی ہر بڑی جماعت میں سے ایک چھوٹی جماعت (جہاد میں) جایا کرے تاکہ (یہ) باقی ماندہ لوگ دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرتے رہیں۔ (القرآن)
کتاب البیوع

خرید و فروخت کے احکام

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَایَنْتُمْ بِدَیْنٍ اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی فَاكْتُبُوْهُ ؕ وَلْیَكْتُبْ بَّیْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ ۪ وَلَا یَاْبَ كَاتِبٌ اَنْ یَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْیَكْتُبْ ۚ وَلْیُمْلِلِ الَّذِیْ عَلَیْهِ الْحَقُّ وَلْیَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ وَلَا یَبْخَسْ مِنْهُ شَیْـًٔا ؕ فَاِنْ كَانَ الَّذِیْ عَلَیْهِ الْحَقُّ سَفِیْهًا اَوْ ضَعِیْفًا اَوْ لَا یَسْتَطِیْعُ اَنْ یُّمِلَّ هُوَ فَلْیُمْلِلْ وَلِیُّهٗ بِالْعَدْلِ ؕ

(سورۃ البقرۃ آیت ۲۸۲)

اے ایمان والو! جب معاملہ کرنے لگو اُدھار کا ایک میعاد معین تک تو اس کو لکھ لیا کرو اور یہ ضروری ہے کہ تمہارے آپس میں کوئی لکھنے والا انصاف کے ساتھ لکھے اور لکھنے والا لکھنے سے انکار بھی کرے جیسا کہ خدا تعالیٰ نے اس کو سکھلا دیا۔ اس کو چاہیئے کہ لکھ دیا کرے اور وہ شخص لکھوا دے جس کے ذمہ وہ حق واجب ہو اور اللہ تعالیٰ سے جو اس کا پروردگار ہے ڈرتا رہے اور اس میں ذرہ برابر کمی نہ کرے، پھر جس شخص کے ذمہ حق واجب تھا وہ اگر خفیف العقل یا ضعیف البدن ہو یا خود لکھانے کی قدرت نہ رکھتا ہو تو اس کا رکن ٹھیک ٹھیک طور پر لکھوا دے۔

بیع سلم اور اس کی تحریر

صاحب ہدایہ لکھتے ہیں کہ بیع سلم ایک مشروع عقد ہے اور اس کی مشروعیت کتاب اللہ کی آیت مداینۃ سے ثابت ہے۔ یٰٓاالذین اٰمنوا اذا تداینتم بدین الیٰ اجل مسمی یعنی جب تم آپس میں کسی وقت مقرر تک اُدھار کا مُعاملہ کرو تو اسے لکھ لیا کرو، یہ آیت اگرچہ بظاہر ہر اُدھار کے بارے میں ہے خواہ وہ مبیع ہو یا ثمن، لیکن

ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سے منقول ہے کہ اس سے مُراد بیع سلم ہے۔

ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نے فرمایا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے بیع سلم یعنی مضمون مؤجل کو اپنی کتاب میں حلال کیا ہے اور اس کے بارے میں طویل ترین آیت اُتاری ہے۔ پھر انہوں نے مذکورہ آیت تلاوت فرمائی اور اسی وجہ سے صاحبِ ہدایہ نے بھی بیع سلم کی مشروعیت پر اسی آیت سے استدلال کیا ہے۔

بیع سلم کی تعریف

اس سے بیع سلم کی تعریف بھی معلوم ہوتی ہے۔ بیع سلم ایک ایسی چیز کی بیع ہے جو ایک وقت مقررتک بائع کے ذمّہ اُدھار ہوتی ہے اور اس کے لئے چند شرائط بھی ہیں مبیع کو مسلم فیہ کہتے ہیں۔ ثمن کو رأس المال، بائع کو مسلم الیہ اور مُشتری کو رب السلم کہتے ہیں۔

دَین اور قرض میں فرق

قرض وہ ہوتا ہے کہ جو اپنی جنس کے عوض ہو مثلاً کوئی شخص کسی کو ایک درہم قرض دے اور یہ شرط لگائے کہ وہ اس کے عوض کل اسے ایک درہم دے گا یا مثلاً بطور قرض جو دے اور مقروض بھی اس کو عوض میں جو ہی دے اس میں تاخیر جائز نہیں ہے مطلب یہ ہے کہ اگر ایک وقت مقرر کا وعدہ کیا ہے تو اس سے پہلے بھی مطالبہ کا حق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں مُتعدد مقامات پر قرضِ حسنہ کا استحباباً حکم دیا ہے۔ قرضِ حسنہ کا مطلب یہ ہے کہ قرض دینے والا اس کا مُطالبہ نہ کرے اور مقروض جب دے، تو جتنا دیا ہے اتنا ہی لے اس سے زیادہ نہ لے اور اسے ذریعۂ نفع نہ بنائے قرضِ حسن صدقہ کے معنیٰ میں ہے۔ اسی لئے کہتے ہیں القرض سوال۔

دَین وہ ہے جو علی اختلاف الجنس دُوسرے کے ذمّہ واجب ہو اور مطالبہ وقت مقرر پر ہو جیسے مبیع کی قیمت وغیرہ اسی لئے فرمایا اذا تداینتم بدَین تاکہ قرض اس سے خارج ہو جائے۔

اُدھار کے مُعاملہ میں وقت کی تعیین ضروری ہے

آیت زیر بحث میں ایک اصول تو یہ بتلا دیا کہ اُدھار کے معاملات کی دستاویز لکھنی چاہیئے تاکہ بھول چُوک

یا انکار کے وقت کام آئے' دوسرا مسئلہ یہ بیان فرمایا گیا کہ جب اُدھار کا معاملہ کیا جائے تو اس کی میعاد ضرور مقرر کی جائے، غیر معیّن مُدت کے لئے اُدھار لینا دینا جائز نہیں کیونکہ اس سے جھگڑے فساد کا دروازہ کھلتا ہے۔ اسی لئے فرمایا اذا تداینتم بدین الیٰ اجل مسمّٰی۔ اسی وجہ سے فقہاء کرام نے فرمایا کہ میعاد بھی ایسی مقرر ہونی چاہیئے کہ جس میں کوئی ابہام نہ ہو یعنی مہینہ اور تاریخ کے ساتھ معیّن کی جائے کوئی مُبہم میعاد نہ رکھیں۔ جیسے کھیتی کٹنے کے وقت' کیونکہ وہ موسم کے اختلاف سے آگے پیچھے ہو سکتا ہے اور چونکہ لکھنا اس زمانے میں عام نہ تھا اور آج بھی عام ہونے کے باوجود دُنیا کی بیشتر آبادی وہی ہے جو لکھنا نہیں جانتی۔ تو یہ ممکن تھا کہ لکھنے والا کچھ لکھ دے جس سے کسی کا نفع اور کسی کا نقصان ہو جائے اس لئے اس کے متعلّق فرمایا کہ کوئی لکھنے والا انصاف کے ساتھ لکھے۔

لکھنے والا عادل ہو

لکھنے والے کے لئے انصاف سے لکھنا ضروری ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے ولیکتب بینکم کاتب بالعدل یعنی ضروری ہے کہ تمہارے درمیان کوئی لکھنے والا انصاف کے ساتھ لکھے اس میں ایک تو اس طرف ہدایت کی گئی ہے کہ کاتب کسی فریقِ مخصوص کا آدمی نہ ہو بلکہ غیر جانبدار ہو تاکہ کسی کو شبہ اور خلجان نہ رہے دُوسرے کاتب کو ہدایت کی گئی ہے کہ انصاف کے ساتھ لکھے۔ دُوسرے کے فانی نفع کے لئے اپنا دائمی نقصان نہ کرے۔

کاتب لکھنے سے انکار نہ کرے

آیت کے اگلے حصّہ میں کاتب کو یہ ہدایت کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو یہ ہنر دیا ہے کہ وہ لکھ سکتا ہے لہٰذا شکریہ یہ ہے کہ وہ لکھنے سے انکار نہ کرے ولا یأب کاتب ان یکتب کما علمه اللّٰه اور لکھنے والا لکھنے سے انکار بھی نہ کرے۔ جیسا کہ خدا تعالیٰ نے اس کو سکھلا دیا ہے۔

دستاویز کا لکھوانا مدیون کے ذمّہ ہے

اُدھار کے مُعاملہ کا لکھوانا مدیون کے ذمّہ ہے ولیملل الذی علیه الحق یعنی لکھوا دے وہ آدمی جس کے ذمّہ حق ہے مثلاً سودا خریدا اور قیمت اُدھار کی تو جس شخص کے ذمّہ اُدھار ہے وہ دستاویز کا مضمون لکھوا دے کیونکہ یہ

اس کی طرف سے اقرار نامہ ہوگا اور لکھوانے میں یہ بھی احتمال تھا کہ کوئی کمی بیشی کر دے اس لئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے اور لکھوانے میں کمی نہ کرے۔

دستاویز کے لکھوانے میں خوفِ خدا،

چونکہ دستاویز کے لکھوانے میں یہ اندیشہ تھا کہ کوئی کمی بیشی کر دے اس لئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے جو آپ کا پروردگار ہے ڈرتا رہے اور حق کے لکھوانے میں ذرّہ برابر کمی نہ کرے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ولیتق اللّٰہ ربہ ولا یبخس منہ شیئا۔

دستاویز ولی لکھے،

معاملات میں کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جس شخص پر حق عائد ہوتا ہے وہ خفیف العقل یا سٹھیایا ہوا بوڑھا یا نابالغ بچہ یا گونگا ہو یا کوئی دوسری زبان بولنے والا ہو جس کو کاتب نہیں سمجھتا اس لئے دستاویز لکھوانے پر اس کو قدرت نہیں ہوتی لہٰذا ایسی صورت میں ان کی طرف سے ان کا ولی لکھوا دے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے فان کان الذی علیہ الحق سفیھا اوضعیفا اولا یستطیع ان یمل ھو فلیملل ولیہ بالعدل پھر جس شخص کے ذمہ حق واجب تھا وہ اگر خفیف العقل یا ضعیف البدن ہو یا خود لکھانے کی قدرت نہ رکھتا ہو تو اس کا ولی ٹھیک ٹھیک طور پر لکھوا دے۔

مجنون اور نابالغ کی طرف سے تو ولی کا ہونا ظاہر ہے کہ اس کے سارے معاملات ولی ہی کی معرفت ہوا کرتے ہیں اور گونگے یا دوسری زبان بولنے والے کا ولی بھی یہ کام کر سکتا ہے اور اگر وہ کسی کو اپنا وکیل بنا دے تو بھی ہو سکتا ہے قرآن مجید میں اس جگہ لفظ ولی دونوں معنی کو شامل ہے۔

وَلَا تَسْـَٔمُوْٓا اَنْ تَكْتُبُوْهُ صَغِيْرًا اَوْ كَبِيْرًا اِلٰٓى اَجَلِهٖ ۭ ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَاَدْنٰٓى اَلَّا تَرْتَابُوْٓا اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيْرُوْنَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَلَّا تَكْتُبُوْهَا ۭ وَاَشْهِدُوْٓا اِذَا تَبَايَعْتُمْ

اور تم اس کے لکھنے سے اکتایا مت کرو خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا۔ یہ لکھ لینا انصاف کا زیادہ قائم رکھنے والا ہے اللہ کے نزدیک اور شہادت کا زیادہ درست رکھنے والا ہے اور زیادہ سزاوار ہے۔ اس بات کا کہ تم کسی شبہ میں نہ پڑو مگر یہ کہ کوئی سودا دست بدست ہو جس کو باہم لیتے دیتے ہوں، تو اس کے نہ لکھنے میں تم پر کوئی الزام

وَلَا یُضَآرَّ کَاتِبٌ وَّلَا شَہِیۡدٌ ۬ؕ وَ اِنۡ تَفۡعَلُوۡا فَاِنَّہٗ فُسُوۡقٌۢ بِکُمۡ ؕ وَ اتَّقُوا اللّٰہَ ؕ وَ یُعَلِّمُکُمُ اللّٰہُ ؕ وَ اللّٰہُ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ ﴿۲۸۲﴾

(سورۃ البقرۃ آیت ۲۸۲)

نہیں اور خرید و فروخت کے وقت گواہ کر لیا کرو اور کسی کاتب کو تکلیف نہ دیجائے اور نہ کسی گواہ کو اور اگر تم ایسا کرو گے تو اس میں تم کو گناہ ہوگا اور خدا تعالیٰ سے ڈرو اور اللہ تعالیٰ تم کو تعلیم فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ سب چیزوں کے جاننے والے ہیں۔

معاملات میں تحریر واجب ہے

لین دین کے معاملات کو لکھنے میں سستی اور کاہلی نہیں برتنی چاہیئے بلکہ ان کا لکھنا ضروری ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ولا تسئموا ان تکتبوہ صغیرا او کبیرا الی اجلہ۔ اس کا عطف فاکتبوہ یا دوسرے جملہ پر ہے تاکید کی غرض سے مسئلہ کتابت کو دوبارہ ذکر کیا ہے۔ سام کا معنی ملال، کاہلی یا سستی ہے۔ ان تکتبوہ میں ضمیر منصوب کا مرجع دین حق یا تحریر ہے اگر مرجع دین یا حق ہو تو معنی ہوگا کہ اے لین دین کرنے والو لین دین کی کثرت کی بنا پر دین یا حق کے لکھنے میں سستی نہ کرو خواہ دین وحق قلیل ہو یا کثیر، چھوٹا ہو یا بڑا اپنے وقت تک لکھو اور اگر ضمیر کا مرجع تحریر ہو تو معنی یہ ہوگا کہ تحریر خواہ مختصر ہو یا طویل اپنے وقت تک اسے لکھنے میں کاہلی نہ کرو۔

کپڑوں میں بیع سلم جائز ہے

کپڑوں میں بیع سلم جائز ہے اور اس کا ثبوت قرآن مجید کی آیت کے جملہ ان تکتبوہ صغیرا او کبیرا سے ہے سابقہ دو توجیہوں کے پیش نظر صاحب مدارک لکھتے ہیں کہ یہ اس امر کی دلیل ہے کہ کپڑوں میں بھی بیع سلم جائز ہے کیونکہ مکیل اور موزوں اشیاء پر صغیر اور کبیر کا اطلاق نہیں ہوتا بلکہ قلیل وکثیر کا اطلاق ہوتا ہے صغیر و کبیر کا اطلاق ذراعی اشیاء یعنی کپڑے وغیرہ پر ہوتا ہے۔ حاصل کلام کا یہ ہے کہ دین وحق پر صغیر و کبیر یا قلیل وکثیر کا اطلاق مسلم فیہ کے لحاظ سے ہوتا ہے۔ ورنہ دین وحق کی کتابت سے صرف مسلم فیہ کی کتابت مقصود نہیں بلکہ مقصود سودا کرنے والوں کا نام راس المال کی مقدار مسلم فیہ کی مقدار جنس نوع وصف مکان وغیرہ سب کی تحریر ہے جیسا کہ عرف عام میں معروف ہے۔ صغیر کبیر کا اطلاق ذراعی اشیاء پر اور قلیل وکثیر کا اطلاق غیر

زراعی اشیاء پر ہوتا ہے لہٰذا صغیر او کبیر اسے کپڑوں میں بیع سلم کا جواز ثابت ہوتا ہے۔

مُعاملہ کی تحریر قرینِ انصاف ہے

اللہ تبارک و تعالیٰ کے نزدیک انصاف کا تقاضہ یہ ہے کہ لین دین کے مُعاملہ کو لکھ لیا جائے ذٰلکم اقسط عند اللہ واقوم للشہادۃ وادنیٰ الا ترتابوا آیت میں ذٰلکم کا اشارہ تحریر کی طرف ہے مطلب یہ ہے کہ تمہارا لکھ لینا اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ قرینِ انصاف ہے اور گواہی کی اَدائیگی میں زیادہ ممد و معاون ہے اور شکوک و شُبہات کے انتفا کے قریب ہے۔

سیبویہ کے نزدیک اقسط و اقوم یا تو اقساط و اقامت سے افعل التفضیل ہیں۔ اور یا پھر قاسط بمعنی ذی قسط و قویم سے افعل التفیضل ہیں۔

اگر سودا نقد ہو تو پھر نہ لکھنے میں کچھ حرج نہیں

آیت کے اِبتدائی حصہ میں معاملہ کو لکھنے کا حکم تھا اور بعد میں بطور استثناء کے فرمایا کہ اگر سودا ہاتھوں ہاتھ ہو تو پھر نہ لکھنے میں کچھ حرج نہیں کیونکہ یہ صورت جھگڑے اور نسیان سے بعید ہے ارشادِ باری تعالیٰ ہے الا ان تکون تجارۃ حاضرۃ تدیرونھا بینکم فلیس علیکم جناح الا تکتبوھا۔ آیت کا یہ حصہ اَمر بالکتابۃ سے مستثنیٰ ہے۔ تجارۃ حاضرۃ کان کی خبر ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور تدیرونہا اس کی صفت ہے اور کان کا اسم مضمر ہے جیسا کہ قرآت عاصم میں ہے دوسروں کی قرأت کے مُطابق تجارۃ حاضرۃ مرفوع ہے اور کان تامہ کا اسم ہے اور تدیرونہا اس کی خبر ہے مطلب یہ ہے کہ مُعاملہ کو لکھ لیا کرو مگر یہ کہ اگر سودا نقد ہو تو پھر نہ لکھنے میں کچھ حرج نہیں۔

مطلق بیع کے وقت گواہ بنانے کا حُکم

مطلق بیع کے وقت گواہ بنانے کا حُکم آیت مذکورہ کے جُملہ واشھدوا اذا تبایعتم سے ثابت ہے۔ اِس حُکم کو آیت مذکورہ کے تمام مضمون سے بھی متعلق کیا جا سکتا ہے، یعنی مطلق بیع کے وقت گواہ بنا لیا کرو اور یہ بھی ہو سکتا ہے

کہ اسے صرف تجارتِ حاضرہ سے خاص کریں یعنی سودے کے وقت گواہ بنالیا کرو جو توجیہ بھی ہو، بہرکیف امر استحباب کے لئے ہے۔ بعض مفسّرین کے نزدیک اَمر وجوب کے لئے ہے۔

آزاد شخص کو فروخت کرنا باطل ہے

وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُودَةٍ وَكَانُوا فِيهِ مِنَ الزَّاهِدِينَ ﴿﴾ (سورۃ یوسف آیت ۲۰)	اور ان کو بہت ہی کم قیمت کو بیچ ڈالا، یعنی گنتی کے چند درہم کے عوض اور وہ لوگ کچھ ان کے قدر دان تو تھے ہی نہیں۔

یوسف علیہ السلام کی فروخت کا مختصر واقعہ

آیت وشروہ بثمن بخس میں یوسف علیہ السلام کے بیچے جانے کا ذکر ہے جب اُن کے بھائیوں نے انہیں قافلے والوں کو بیچ دیا تھا۔ قافلہ والوں نے عزیزِ مصر کو بیچا تھا مختصراً واقعہ یہ ہے کہ بھائیوں نے یوسف علیہ السلام کو ایک کنوئیں میں پھینک دیا۔ وہاں سے ایک قافلہ گذرا تو انہوں نے پانی نکالنے کے لئے کنوئیں میں ڈول ڈالا، اس طرح یوسف علیہ السلام باہر آگئے قافلہ والوں نے انہیں غلام بنالیا۔ بھائیوں کو پتہ چلا تو وہ آکر کہنے لگے کہ یہ ہمارا بھاگا ہوا غلام ہے۔ اس طرح بھائیوں نے قافلہ والوں سے یوسف علیہ السلام کی برائے نام قیمت وصول کرلی، پھر قافلہ والوں نے مصر جاکر یوسف علیہ السلام کو دوبارہ عزیزِ مصر کے ہاتھ فروخت کردیا۔ اس کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بھائیوں نے اُسے ردّی اور ناقص قیمت کے عوض قافلہ والوں کے ہاتھ بیچ دیا کیونکہ قیمت چالیس درہم سے کم تھی، گن کرلی تولنے کی ضرورت ہی نہ تھی۔ بیس درہم یا کم و بیش لئے اور یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کی یوسف علیہ السلام سے بیزاری کی وجہ واضح ہے۔

آزاد آدمی کو بیچنا باطل ہے

تمام فقہائے کے نزدیک آزاد آدمی کو بیچنا باطل ہے اور اس کے بطلان پر آیت وشروہ بثمن بخس سے استدلال کرتے ہیں۔ اکثر مفسّرین کے نزدیک بخس کا معنی رَدّی اور ناقص کے ہیں لیکن تفسیر الوجیز میں اس کے

معنی ثمن حرام کے لکھے ہیں کیونکہ یہ آزاد آدمی کی قیمت تھی اور اسی سے بعض فقہائے نے یہ استدلال کیا کہ آزاد فرد کی فروخت باطل ہے۔ اسی پر اجماع ہے اور یہ مسئلہ فقہاء میں معروف و مشہور ہے۔

اشیائے خوردنی کا ماپ کر فروخت کرنا جائز ہے

فَلَمَّا دَخَلُوا عَلَيْهِ قَالُوا يَاأَيُّهَا الْعَزِيزُ مَسَّنَا وَأَهْلَنَا الضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُزْجَاةٍ فَأَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا إِنَّ اللَّهَ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِينَ ۝ (سورۃ یوسف آیت ۸۸)	پھر جب یوسف کے پاس پہنچے کہنے لگے اے عزیز! ہم کو اور ہمارے گھر والوں کو بڑی تکلیف پہنچ رہی ہے اور ہم کچھ نکمی چیز لائے ہیں سو آپ پورا غلہ دیدیجئے اور ہم کو خیرات دیدیجئے، بے شک اللہ تعالیٰ خیرات دینے والوں کو جزاء دیتا ہے۔

اشیاء خوردنی کا سامان یا دراہم کے عوض بیچنا جائز ہے

جب یوسف علیہ السّلام کے بھائی تیسری بار مصر آئے تو یوسف علیہ السّلام کو مخاطب کر کے عرضی پیش کی جس میں اپنی پونجی کا ناقص ہونا ظاہر کیا کیونکہ ان کے پاس بہت قلیل مقدار میں ردّی قسم کے دراہم اور ایک قول کے مطابق اُون، تیل یا پنیر وغیرہ قسم کی کوئی تھوڑی سی چیز تھی کہنے لگے وجئنا ببضاعۃ مزجٰۃ فاوف لنا الکیل۔ اور ہم نکمی چیز لائے ہیں سو آپ پورا غلہ دیدیجئے۔ لہٰذا آیت سے معلوم ہوا کہ اشیاء خوردنی کی فروخت ماپ کر سامان اور دراہم کے عوض جائز ہے۔

اصل قیمت سے کم میں فروخت کرنا جائز ہے

اصل قیمت سے کم میں خرید و فروخت جائز ہے اور اس کا ثبوت وتصدق علینا سے ہے۔ یہاں ایک اشکال ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور ان کی اولاد کے لئے صدقہ لینا جائز نہیں ہے۔ امام زاھدؒ نے اس کا جواب دیا ہے کہ وحی سے پہلے انبیاء کو صدقہ دینا جائز ہے اور وحی کے بعد جائز نہیں۔ لیکن زیر بحث آیت میں یہ صورت ہی نہیں بلکہ تصدق سے مُراد سودے میں قیمت کم کرانا مقصود ہے اور ایسا کرنا جائز ہے۔

مکّہ کے مکانوں کی خرید و فروخت جائز نہیں

اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَ یَصُدُّوۡنَ عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ وَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ الَّذِیۡ جَعَلۡنٰہُ لِلنَّاسِ سَوَآءَ ۨ الۡعَاکِفُ فِیۡہِ وَ الۡبَادِ ؕ وَ مَنۡ یُّرِدۡ فِیۡہِ بِاِلۡحَادٍۭ بِظُلۡمٍ نُّذِقۡہُ مِنۡ عَذَابٍ اَلِیۡمٍ ٪

(سورۃ الحج آیت ۲۵)

بے شک جو لوگ کافر ہوئے اور اللہ کے راستہ اور مسجد حرام سے روکتے ہیں جس کو ہم نے تمام آدمیوں کے واسطے مقرر کیا ہے کہ اس میں سب برابر ہیں اس میں رہنے والا بھی اور باہر سے آنے والا بھی۔ یہ لوگ معذب ہوں گے۔ جو شخص اس میں کوئی خلافِ دین کام کا قصداً ظلم کے ساتھ کرے گا تو ہم اس کو عذابِ دردناک چکھاویں گے

مکّہ مکرّمہ کی زمین کا کرایہ پر دینا یا بیچنا جائز ہے

مکّہ مکرّمہ کی زمین کا کرایہ پر دینا اور اس کا بیچنا ناجائز ہے اور اس عدم جواز پر فقہاء کرام آیت ویصدکو عن سبیل اللہ والمسجد الحرام سے استدلال کرتے ہیں۔ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک آیت میں مسجد حرام سے مُراد پورا مکّہ ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ مکّہ معظمہ کی زمین نہ تو بیچی جا سکتی ہے اور نہ ہی کرایہ پر دی جا سکتی ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مسجد حرام سے مُراد بیت اللہ اور اس کے اِرد گرد بنی ہوئی مسجد ہے اور یہ تمام لوگوں کا قبلہ ہے۔ مقیم اور مسافر اس کی طرف متوجہ ہونے میں برابر ہیں۔

نماز جُمعہ کا اہتمام اور خرید و فروخت کی حُرمت

یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِذَا نُوۡدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنۡ یَّوۡمِ الۡجُمُعَۃِ فَاسۡعَوۡا اِلٰی ذِکۡرِ اللّٰہِ وَ ذَرُوا الۡبَیۡعَ ؕ ذٰلِکُمۡ خَیۡرٌ لَّکُمۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ فَاِذَا قُضِیَتِ الصَّلٰوۃُ

اے ایمان والو! جب جمعہ کے روز نماز (جمعہ) کیلئے اذان کہی جایا کرے تو تم اللہ کی یاد (یعنی نماز و خطبہ کی طرف فوراً) چل پڑا کرو اور خرید و فروخت اور اسی طرح دوسرے مشاغل جو چلنے سے مانع ہوں) چھوڑ دیا کرو، یہ تمہارے

فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ، وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوًا انْفَضُّوْا اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَآئِمًا قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ؏

(سورۃ الجمعہ آیت ۱۰، ۱۱)

زیادہ بہتر ہے اگر تم کو کچھ سمجھ ہو (کیونکہ اس کا نفع باقی ہے اور بیع وغیرہ کا فانی پھر جب نماز (جمعہ) پوری ہو چکے تو (اسوقت تم کو اجازت ہے کہ) تم زمین پر چلو پھرو اور خدا کی روزی تلاش کرو (اس میں بھی) اللہ کو بکثرت یاد کرتے رہو تاکہ تم کو فلاح ہو اور (بعضے لوگوں کا یہ حال ہے کہ) وہ لوگ جب کسی تجارت یا مشغولی کی چیز کو دیکھتے ہیں تو وہ اس کی طرف دوڑنے کیلئے بکھر جاتے ہیں اور آپ کو کھڑا ہوا چھوڑ جاتے ہیں، آپ فرما دیجئے کہ جو چیز (از قسم ثواب وصبر) خدا کے پاس ہے وہ ایسے مشغلہ اور تجارت سے بدرجہا بہتر ہے اور اللہ سب سے اچھا روزی پہنچانے والا ہے۔

نماز جمعہ کے اہتمام کا حکم

جمعہ کے روز جب نماز جمعہ کے لئے اذان اوّل ہو تو نماز جمعہ کی تیاری اور اہتمام ضروری ہے۔ ارشاد باری تعالےٰ ہے: اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الی ذکر اللہ۔ ندا للصلوٰۃ سے مُراد اذان ہے اور من یوم الجمعۃ میں من بمعنی فی ہے اور سعی کے معنی دَوڑنے کے بھی آتے ہیں اور کسی کام کو اہتمام کے ساتھ کرنے کے بھی اِس جگہ یہی دوسرے معنی مُراد ہیں کیونکہ نماز کے لئے دوڑتے ہوئے آنے کو رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے اور یہ ارشاد فرمایا کہ جب نماز کے لئے آؤ تو سکینت اور وقار کے ساتھ آؤ، اس صورت میں آیت کے معنی ہوں گے کہ جب جمعہ کے دن جمعہ کی اذان دی جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو یعنی نماز و خطبہ کیلئے مسجد کی طرف چلنے کا اہتمام کرو جیسا کہ دَوڑنے والا کسی دوسرے کام کی طرف توجہ نہیں دیتا۔ اذان کے بعد تم بھی بجز نماز و خطبہ کے کسی اور کام کی طرف توجہ نہ دو۔

نمازِ جمعہ کی اذان کے بعد خرید و فروخت حرام ہے

نماز جمعہ کی اذان کے بعد خرید و فروخت کرنا حرام ہے و ذروا البیع یعنی چھوڑ دو بیع (فروخت کرنے کو) آیت میں صرف بیع کے ذکر پر اکتفاء کیا گیا ہے مگر مراد بیع و شرا خرید و فروخت دونوں ہیں۔ اور فقط بیع کے ذکر کا اکتفا کی وجہ یہ ہے کہ ایک کے چھوٹنے سے دوسرا خود بخود چھوٹ جائے گا۔ جب کوئی فروخت کرنے والا فروخت نہیں کریگا تو خریدنے والے کیلئے خریدنے کا راستہ ہی نہیں رہے گا۔

نماز جمعہ سے فراغت کے بعد تجارت کرنا جائز ہے

سابقہ آیت میں اذان جمعہ کے بعد بیع وشرا وغیرہ تمام دُنیاوی امور کو ممنوع قرار دیا گیا تھا۔ اگلی آیت میں اس کی اجازت دے دی گئی کہ نماز جمعہ سے فراغت کے بعد تجارت کاروبار اور اپنا اپنا رزق حاصل کرنے کا سب اہتمام کر سکتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ فاذا قضیت الصلوٰۃ فانتشروا فی الارض وابتغوا من فضل پھر جب نماز (جمعہ) پوری ہو چکے تو (اس وقت تم کو اجازت ہے کہ) تم زمین پر چلو پھرو اور خدا کی روزی تلاش کرو۔

تجارتی امور میں مشغولیت کے وقت بھی یادِ الٰہی کا حکم

نماز جمعہ سے فراغت کے بعد اگرچہ اللہ تعالیٰ نے کسب معاش و تجارت وغیرہ کی اجازت تو دے دی مگر ساتھ ساتھ یہ ہدایت بھی کر دی کہ کفار کی طرح خدا سے غافل ہو کر تجارت میں مشغول نہ ہو، بلکہ عین خرید و خت کے وقت بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کی یاد جاری رکھو۔ فرمان باری تعالیٰ ہے واذکروا اللہ کثیرًا لعلکم تفلحون اور اللہ کو بکثرت یاد کرتے رہو تاکہ تم کو فلاح ہو۔

نماز جمعہ چھوڑ کر تجارت میں مشغول ہونے پر وعید

اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن مجید میں نماز جمعہ کو چھوڑ کر تجارت میں مشغول ہونے والوں کے لئے وعید بیان فرمائی ہے۔ واذا راؤا تجارۃ او لھوا انفضوا الیھا وترکوک قائمًا۔ آیت کے اس حصہ میں ان لوگوں کو تنبیہ کی گئی ہے جو

جمعہ کا خطبہ چھوڑ کر تجارتی کام کی طرف متوجہ ہو گئے تھے امام ابن کثیرؒ نے فرمایا کہ یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ نماز جمعہ کے بعد دیا کرتے تھے جیسا کہ عیدین میں اب بھی یہی معمول ہے۔ ایک مرتبہ جمعہ کے دن یہ واقعہ پیش آیا کہ نماز جمعہ سے فارغ ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ اچانک ایک تجارتی قافلہ مدینہ طیبہ کے بازار میں پہنچا اور ڈھول دباجا وغیرہ سے اس کا اعلان کیا گیا اس وقت نماز جمعہ سے فراغت ہو چکی تھی خطبہ ہو رہا تھا بہت سے حضرات صحابہؓ بازار چلے گئے اور آپ کے ساتھ تھوڑے سے حضرات رہ گئے جن کی تعداد بارہ بتلائی گئی ہے۔ اس روایت کو امام ابو داؤدؒ نے "مراسیل" میں بیان فرمائی ہے۔ بعض روایات حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس واقعہ پر فرمایا کہ اگر تم سب کے سب چلے جاتے تو مدینہ کی ساری وادی عذاب کی آگ سے بھر جاتی۔ (رواہ ابو یعلیٰ)

(نوٹ) امام تفسیر حضرت مقاتل کا بیان ہے کہ یہ تجارتی قافلہ دحیہ بن خلف کلبی کا تھا جو ملک شام سے آیا تھا اور تجارِ مدینہ میں اس کا قافلہ عموماً تمام ضروریات کا سامان لے کر آیا کرتا تھا اور جب مدینہ کے لوگوں کو اس کی آمد کی خبر ملتی تھی تو سب مرد، عورت اس کی طرف دوڑتے تھے۔ یہ دحیہ بن خلف اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ بعد میں اسلام میں داخل ہو گئے۔

سود کی حرمت اور اس کا عذاب
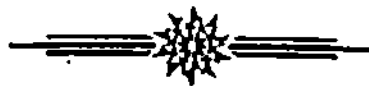
اَلَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا کَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰی فَلَهٗ مَا سَلَفَ وَ اَمْرُهٗٓ اِلَی اللّٰهِ وَ مَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ

(سورۃ البقرہ آیت نمبر ۲۷۵)

جو لوگ سود کھاتے ہیں نہیں کھڑے ہوں گے مگر جس طرح کھڑا ہوتا ہے ایسا شخص جس کو شیطان خبطی بنا دے لپٹ کر یہ سزا اس لئے ہوگی کہ ان لوگوں نے کہا تھا کہ بیع بھی تو مثل سود کے ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال فرمایا ہے اور سود کو حرام کر دیا ہے۔ پھر جس شخص کو اس کے پروردگار کی طرف سے نصیحت پہنچی اور وہ باز آ گیا تو جو کچھ پہلے ہو چکا ہے وہ اس کا رہا اور معاملہ اس کا خدا کے حوالہ رہا۔ اور جو شخص پھر عود کرے تو یہ لوگ دوزخ میں جاویں گے۔

قیامت کے دن سود خوروں کی بدحالی کا ذکر

اللہ تبارک و تعالیٰ نے سود خوروں کے متعلق فرمایا کہ وہ قیامت کے روز ایسے بدحال ہو کر اٹھیں گے گویا کہ ان کو شیطان نے حواس باختہ کر دیا ہے اَلَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ الربوا لا یقومون الا کما یقوم الذی یتخبطہ الشیطن من المس یعنی جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ قیامت کے روز بوجہ جنون نہ اٹھ سکیں گے مگر اس شخص کی طرح جس کو شیطان نے حواس باختہ کر دیا ہو۔ یا وہ روزِ قیامت نہ اٹھیں گے مگر جس طرح کا جنون زدہ پاگل اٹھتا ہے یا جس طرح وہ شخص اٹھتا ہے جیسے شیطان نے دیوانہ کر دیا ہو۔ ان دونوں توجیہوں کی صورت میں ان کا گرنا اٹھنا مرگی والوں کا سا ہوگا اور فتورِ عقل کی وجہ سے نہ ہوگا بلکہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے بوجہ سود خواری ان کے پیٹوں کو بڑھا دیا ہوگا اور انہیں بوجھل

بنادیا ہوگا۔ یہ عذاب ہر اس شخص کے لئے ہے جو سُود لے، خواہ سُود کھائے یا نہ کھائے۔ کھانے کا ذکر خصوصیت سے اس لئے کیا گیا کہ کھانا مال کے بڑے منافع میں سے ہے نیز کھانے والی اشیاء میں ربوا بہت پھیلا ہُوا ہے۔

بیع حلال اور سُود حرام ہے

اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن مجید میں بیع کو حلال اور سُود کو حرام قرار دیا ہے واحل اللہ البیع وحرم الربوا اس جُملہ میں حق تعالیٰ نے ان لوگوں کے قول کا جواب دیا ہے جنہیں وہ لوگ بیع کو ربوا کی مثل اور برابر قرار دیتے تھے حالانکہ بحکمِ خداوندی ان دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ایک یعنی بیع کو حلال اور دوسرے یعنی ربوا کو حرام قرار دیا ہے لہٰذ دونوں برابر کیسے ہوسکتے ہیں۔

سُود خواری سے توبہ کا حُکم

جو شخص سُودی لین دین کرتا ہو اور پھر اس کو چھوڑ دے اور توبہ کرلے تو اللہ تبارک و تعالیٰ توبہ سے پہلے سُودی لین دین کے گناہ کو مُعاف فرما دیتے ہیں اور اس پر مؤاخذہ نہیں فرماتے فمن جاءہ موعظۃ من ربہ فانتھی فلہ ما سلف وامرہ الی اللہ۔ یعنی جس کے پاس اللہ تعالیٰ کی موعظت اور نہی عن الربوا کی ممانعت پہنچ جائے اور وہ سُود خواری سے رُک جائے تو جو گذر چکا وہ معاف ہے اس پر مؤاخذہ نہیں یعنی ممانعت کے نزول سے پہلے سُود کے ذریعے حاصل ہونے والا مال اسی کا ہے اس پر کوئی مواخذہ نہیں ہوگا کیونکہ وہ نزولِ تحریم سے پہلے پہلے لے چکا ہے اس کا معاملہ خدا کے اختیار میں ہے وہ اسے اس کی نیّت کے موافق صِلہ دے گا اگر اس نے صدقِ دل سے تعمیلِ ارشاد کی ہے تو اسے عُمدہ صلہ ملے گا تمہارے ذمہ نہیں کہ تم اب اس سے اس بارے میں باز پُرس کرو اور جس شخص نے پھر سُود خواری کو حلال سمجھا تو ایسے لوگ دوزخ والے ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

نوٹ: ایسے شخص کا ہمیشہ دوزخ میں رہنا سُود کو حلال سمجھنے کی وجہ سے ہے اور یہ کفر ہے اور کفر کی سزا ہمیشہ دوزخ میں رہنا ہے۔ یا خلود سے مُراد عرصہ دراز ہے لہٰذا یہ آیت معتزلہ کے اس اعتقاد کی دلیل نہیں ہوسکتی کہ فاسق ہمیشہ دوزخ میں رہے گا۔

سودی قرض میں تنگ دست کو معاف کرنا یا قرض کی ادائیگی میں مہلت دینا

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔

(سورۃ البقرۃ آیت ۲۷۸ تا ۲۸۰)

اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور جو کچھ سود کا بقایا ہے اس کو چھوڑ دو اگر تم ایمان والے ہو پھر اگر تم نہ کرو گے تو اشتہار سن لو جنگ کا اللہ کی طرف سے اور اس کے رسول کی طرف سے اور اگر تم توبہ کر لو گے تو تم کو تمہارے اصل اموال مل جاویں گے نہ تم کسی پر ظلم کرنے پاؤ گے نہ تم پر کوئی ظلم کرنے پائے گا اور اگر تنگ دست ہو مہلت دینے کا حکم ہے آسودگی تک اور یہ کہ معاف ہی کر دو تو اور زیادہ بہتر ہے تمہارے لئے اگر تم کو خبر ہو۔

شانِ نزول

سود کی حرمت نازل ہونے سے پہلے عام عرب میں سود کا رواج پھیلا ہوا تھا۔ آیت متذکرہ سے پہلی آیتوں میں اس کی ممانعت آئی تو حسب عادت تمام مسلمانوں نے سود کے معاملات ترک کر دیئے لیکن کچھ لوگوں کے مطالبات سود کی بقایا رقم کے دوسرے لوگوں پر تھے۔

اسی میں یہ واقعہ پیش آیا کہ بنی ثقیف اور بنی مخزوم کے آپس میں سودی معاملات کا سلسلہ تھا اور بنو ثقیف کے کچھ لوگوں کا سودی مطالبہ بنو مخزوم کی طرف تھا، بنو مخزوم مسلمان ہو گئے تو اسلام لانے کے بعد انہوں نے سود کی رقم ادا کرنا جائز نہ سمجھا۔ ادھر بنو ثقیف کے لوگوں نے مطالبہ شروع کر دیا کیونکہ یہ لوگ مسلمان نہیں ہوئے تھے مگر مسلمانوں سے مصالحت کر لی تھی۔ بنو مخزوم کے لوگوں نے کہا کہ اسلام میں داخل ہونے کے بعد ہم اسلامی کمائی کو سود کی ادائیگی میں خرچ نہیں کریں گے ــــــ

یہ جھگڑا مکہ مکرمہ میں پیش آیا اسوقت مکہ فتح ہوچکا تھا رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی طرف سے مکہ کے امیر حضرت معاذ اور دوسری روایت میں عتاب بن اسید تھے انہوں نے اس جھگڑے کا قضیہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں بغرض دریافت حکم لکھ بھیجا اس پر قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اسلام میں داخل ہونے کے بعد سود کے تمام سابقہ معاملات ختم کر دیئے جائیں۔ پچھلا سود بھی وصول نہ کیا جائے۔ صرف راس المال وصول کیا جائے۔

سود کے بارے میں اللہ سے ڈرنے کا حکم

سودخواری کے بارے میں اللہ سے ڈرتے ہوئے اس کو ترک کرنا ضروری ہے۔ یاایھا الذین امنوا اتقوا اللہ آیت کی ابتدا، اس طرح کی گئی ہے کہ مسلمانوں کو خطاب کر کے اول اتقوا اللہ کا حکم سنایا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اس کے بعد اصل مسئلہ کا حکم بتلایا گیا یہ قرآن مجید کا وہ خاص طرز ہے جس میں وہ دنیا بھر کی قانون کی کتابوں سے ممتاز ہے کہ جب کوئی ایسا قانون بنایا جاتا ہے جس پر عمل کرنے میں لوگوں کو کچھ دشواری معلوم ہو۔ تو اس کے آگے پیچھے خدا تعالےٰ کے سامنے پیشی اعمال کے حساب وکتاب اور آخرت کے عذاب وثواب کا ذکر کر کے مسلمانوں کے دلوں اور ذہنوں کو اس پر عمل کرنے کے لئے تیار کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد حکم سنایا جاتا ہے یہاں بھی پچھلے عائد شدہ سود کی رقم کا چھوڑ دینا انسانی طبیعت پر بار ہو سکتا تھا۔ اس لئے پہلے اتّقوا اللہ فرمایا، اس کے بعد سود کو چھوڑنے کا حکم دیا۔

بقیہ سود کو چھوڑنے کا حکم

خوفِ خدا سے بقیہ سود کا چھوڑنا ضروری ہے۔ وذروا ما بقی من الرّبوا ان کنتم مؤمنین یعنی بقایا سود کو چھوڑ دو، آیت کے آخر میں فرمایا ان کنتم مؤمنین اگر تم ایمان والے ہو، اس سے اشارہ کر دیا کہ ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ حکمِ خداوندی کی اطاعت کی جائے اس کی خلاف ورزی ایمان کے منافی ہے۔ یہ حکم چونکہ طبیعتوں پر بھاری تھا اس لئے اس حکم سے پہلے اِتّقوا اللہ اور بعد میں ان کنتم مؤمنین بڑھا دیئے گئے۔

سُود کے نہ چھوڑنے پر شدید وعید

سُود کی حُرمت نازل ہونے کے بعد سُودی مُعاملات کو بدستور جاری رکھنے والوں اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی کرنیوالوں سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اعلانِ جنگ ہے فان لم تفعلوا فاذنوا بحرب من اللہ ورسولہ آیت کے اس جملہ میں مذکورہ حکم کی مخالفت کرنیوالوں کو سخت وعید سُنائی گئی ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ اگر تم نے سُود کو نہ چھوڑا تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلانِ جنگ سُن لو۔ یہ وعید شدید ایسی ہے کہ کُفر کے سوا اور کسی بڑے سے بڑے گناہ پر قرآن کریم میں ایسی وعید نہیں آئی جیسے کہ اس آیت کے آخر میں اشارہ فرمایا ہے۔

توبہ کی صورت میں رائس المال ملنے کا حُکم

سُودی معاملات کرنے والے اگر سُودی لین دین کو ترک کر دیں اور سُود کی بقایا رقم کو چھوڑنے کا عزم کر لیں تو اصل کے مالک ہیں جو ان کو واپس ملے گا فان تبتم فلکم رؤس اموالکم لا تظلمون ولا تظلمون۔ یعنی اگر تم توبہ کر لو اور آئندہ کیلئے سُود کی بقایا رقم چھوڑنے کا عزم کر لو تو تمہیں تمہارے اصل رائس المال مل جائیں گے نہ تم رائس المال سے زائد حاصل کر کے کسی پر ظلم کرنے پاؤ گے اور نہ کوئی راس المال میں کمی یا دیر کر کے تم پر ظلم کرنے پائے گا، اس میں اصل رائس المال دینے کو اس شرط کے ساتھ مشروط کیا ہے کہ تم توبہ کر لو اور آئندہ سود چھوڑنے کا عزم کر لو تب اصل رائس المال ملے گا اس سے بظاہر اس طرف اشارہ ہوتا ہے کہ اگر سود چھوڑنے کا عزم کر کے توبہ نہ کی تو اصل راس المال بھی نہیں ملے گا۔

تنگدست مدیون کو فراخی تک مُہلت دینے کا حُکم

قرآن کریم نے سود خوری کی انسانیت سوز حرکت کے بالمقابل پاکیزہ اخلاق اور غریبوں اور ناداروں کے ساتھ مساہلت (یعنی آسانی) کے سلوک کی تعلیم دی ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے۔ وان کان ذو عسرۃ فنظرۃ الیٰ میسرۃ وان تصدقوا خیر لکم یعنی اگر تمہارے مدیون تنگ دست ہوں تمہارے قرض ادا کرنے پر قادر نہ ہوں تو شرعی حُکم یہ ہے کہ اس کو فراخی اور آسودگی کے وقت تک مُہلت دی جائے اور اگر تم اس کو اپنا قرض مُعاف کر دو تو یہ تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے۔

سود حرام ہے گناہِ کبیرہ کا مرتکب ایمان سے خارج نہیں ہوتا

گناہ مؤمن کیلئے مضر ہے، جنّت دوزخ فی الحال موجود ہیں

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْکُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَۃً وَّاتَّقُوا اللّٰہَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْٓ اُعِدَّتْ لِلْکٰفِرِیْنَ وَ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ ۔

(سورۃ آلِ عمران آیت نمبر ۱۳۰ تا نمبر ۱۳۲)

اے ایمان والو! سود مت کھاؤ کئی حصہ زائد اور اللہ تعالےٰ سے ڈرو، اُمید ہے کہ تم کامیاب ہو اور اس آگ سے بچو جو کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے اور خوشی سے کہنا مانو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا۔ اُمید ہے کہ تم رحم کیے جاؤ۔

سُودخوری کی ممانعت

بڑھا چڑھا کر سُود خواری منع ہے لا تأکلوا الربوا اضعافا مضاعفۃ۔ تفسیرات احمدیہ میں بحوالہ بیضاوی اور حسینی مذکور ہے کہ مضاعفۃ اضعاف سے اُوپر ہے۔ جاہلیت میں دستور تھا کہ ایک آدمی سُود پر اُدھار دیتا جب اُدھار کی معیاد مع سُود ختم ہونے کو آتی تو سُود کو اصل میں شامل کر کے معیاد بڑھادی جاتی اور اس طرح اُدھار جو پہلے اضعاف (دوگنا) ہوتا اگلی معیاد تک مضاعفۃ (چوگنا ہوجاتا اور اگلی معیاد کے آنے پر پھر سُود کو اصل میں شامل کر کے معیاد میں اضافہ کر دیا جاتا۔ اور جب تک ادائیگی نہ ہوتی سُود بڑھتا چلا جاتا اور ساتھ اصل زر بھی بڑھتا جاتا اس طرح ایک مُدت کے بعد سُود اصل رقم سے بھی کئی گنا بڑھ جاتا آج کی اصطلاح میں اسے سُود مرکب کہتے ہیں۔

رھن کا بیان

وَاِنْ کُنْتُمْ عَلٰی سَفَرٍ وَّلَمْ تَجِدُوْا کَاتِبًا فَرِھٰنٌ مَّقْبُوْضَۃٌ فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُکُمْ

اور اگر تم کہیں سفر میں ہو اور کوئی کاتب نہ پاؤ، سو رہن رکھنے کی چیزیں جو قبضہ میں دی جائے اور اگر ایک

بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ۔ (سورۃ البقرہ آیت ۲۸۳)	دوسرے کا اعتبار کرتا ہو تو جس شخص کا اعتبار کر لیا گیا ہو، اس کو چاہیئے کہ دوسرے کا حق ادا کر دے اور اللہ تعالیٰ سے جو کہ اس کا پروردگار ہے ڈرے اور شہادت کا اخفا مت کرو اور جو شخص اس کا اخفا کرے گا اس کا قلب گنہگار ہوگا اور اللہ تعالیٰ تمہارے کئے ہوئے کاموں کو خوب جانتا ہے۔

رھن کا حکم

اگر لین دین کا معاملہ کرنے والوں کو معاملہ کو تحریر کرنے کے لئے کاتب نہ ملے یا کاغذ قلم میسر نہ ہو تو ایسی صورت میں کوئی چیز بطور رہن رکھنی چاہیئے۔ وان کنتم علی سفر ولم تجدوا کاتبا فرھان مقبوضۃ۔ یعنی لین دین کرنے والو اگر تم مسافر ہو اور تمہیں وثیقہ، دین لکھنے والا یا کاغذ قلم میسر نہ ہو تو رہن سے کام لو مطلب یہ ہے کہ عدم تحریر کی صورت میں رھن تحریر کا بدل ہے۔ سفر میں چونکہ گمان غالب یہی ہوتا ہے کہ تحریر کی سہولت میسر نہ ہوگی۔ اس لئے رہن کے سلسلہ میں سفر کا ذکر اتفاقاً آگیا ہے ورنہ سفر رہن کی شرائط میں سے نہیں ہے کہ بغیر سفر رہن جائز ہی نہ ہو۔ جیسے کہ ضحاک اور مجاھد کہتے ہیں بلکہ رہن حضر میں بھی جائز ہے کیونکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مدینہ طیبہ میں اپنی زرہ بیس صاع جَو کے عوض ایک یہودی کے پاس رھن رکھی تھی۔

رھن میں قبض شرط ہے

احناف کے نزدیک رہن کا قبضہ شرط ہے۔ فرھان مقبوضہ۔ مقبوضہ اس اُمر کی دلیل ہے کہ رہن میں قبض شرط ہے۔ ایسا نہیں جیسا کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ رہن محض ایجاب وقبول سے تام ہو جاتا ہے اور یہ بات پہلے سے بھی عجیب تر ہے کیونکہ تعلیق بالشرط یا وصف بالشئی سے یہ لازم نہیں آتا کہ شرط اور وصف کے نہ ہونے کی صورت میں حکم بھی نہ پایا جائے۔ لہٰذا یہ لازم نہیں کہ جو رہن مقبوض نہ ہو وہ وثیقہ نہیں ہو سکتا۔

صاحب ہدایہ نے زیر بحث آیت کو رہن کی مشروعیت اور رہن میں قبضہ کے شرط ہونے کی دلیل قرار دیا ہے۔

حیث قال رھن مشروع لقولہ تعالیٰ۔ فرھان مقبوضہ:-

امانت کی ادائیگی کا حکم

اگر کوئی قرض خواہ کسی مقروض پر اعتبار کرلے اور اس کے متعلق اسے حسنِ ظن ہو کہ یہ شخص صادق الوعد الوفا ہے خائن نہیں ہے اور بوقتِ معاملہ کوئی تحریر یا گواہ رہن وغیرہ نہ لے تو مقروض جس پر اعتبار کیا گیا ہے اسے چاہیئے کہ اس امانت (دَین مسلم فیہ) وغیرہ کو ادا کردے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے اس کے حق کا انکار نہ کرے بلکہ بطریق احسن ادائیگی کردے فان امن بعضکم بعضا فلیؤد الذی اؤتمن امانتہ اور اگر ایک دوسرے کا اعتبار کرتا ہو تو جس شخص کا اعتبار کرلیا گیا ہے اس کو چاہیئے کہ دوسرے کا حق ادا کردے۔

شہادت کو چھپانا منع ہے

گواہ بنائے جانے کے بعد گواہوں کو چاہیئے کہ شہادت کو نہ چھپائیں ورنہ ان کا پورا دل گنہگار ہوگا۔ ولا تکتموا الشہادۃ ومن یکتمھا فانہ اثم قلبہ اس آیت میں تمام گواہوں کو خطاب ہے کہ وہ گواہ بنائے جانے کے بعد کتمانِ شہادت نہ کریں۔ ایک توجیہہ کے مطابق خطاب قرضداروں کو ہے اور شہادت سے مراد ان کی اپنے خلاف شہادت جو ان کے اور خدائے تعالیٰ کے درمیان ہے۔

کوئی توجیہہ بھی ہو بہر کیف جو بھی شہادت کو چھپائے تو اس کا تمام دِل گنہگار ہے۔ گناہ کی اسناد دِل کی طرف اس لئے ہے کہ کتمان دِل ہی میں آتا ہے جیسے کہتے ہیں العین زانیۃ والاذن زانیۃ۔ گناہ کے قلب کی طرف نسبت کی وجہ یہ ہے کہ دِل رئیسُ الاعضاء ہے اور اس کے افعال اعظم الافعال ہیں۔ تمام نیکیوں اور تمام برائیوں کی اصل ایمان و کفر ہے اور یہ دونوں دِل کے افعال ہیں۔

قاضی کا جھوٹی گواہی پر فیصلہ کرنا امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک ظاہراً و باطناً نافذ ہوگا دیگر ائمہ کے نزدیک ظاہراً تو نافذ ہوگا باطناً نہیں ہوگا۔

اور آپس میں ایک دوسرے کے مال کو ناحق مت	وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ

وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَی الْحُکَّامِ لِتَاْکُلُوْا فَرِیْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (سورۃ البقرۃ آیت ۱۸۸)

کھاؤ اور ان کو حُکّام کے یہاں اس غرض سے رجوع مت کرو کہ لوگوں کے مالوں کا ایک حصہ بطریق گناہ کے کھاجاؤ اور تم کو علم بھی ہو۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اگر تمہیں معلوم ہو کہ درحقیقت دعویٰ میں گواہی دینے میں قسم کھانے میں صلح میں باطل ہو لیکن ظاہری طور پر تمہارا حق ثابت ہورہا ہو تو وہ مال لو بھی نہیں اور کھاؤ بھی نہیں۔ خواہ ظاہر میں تمہارا حق ثابت ہی کیوں نہ ہوجائے۔ جیسا کہ روایت ہے کہ عبدان حضرمی نے امرأالقیس کندی پر ایک قطعہ زمین کا دعویٰ کیا اور اس کے پاس کوئی گواہ نہ تھا تو رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امرأالقیس کندی کو قسم کھانے کا حُکم دیا وہ قسم کھانے سے رُک گیا اور اس نے زمین کا ٹکڑا عبدان حضرمی کے حوالہ کردیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

قاضی کا جھوٹی گواہی پر فیصلہ ظاہراً و باطناً نافذ ہوگا

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قاضی کا جھوٹی گواہی پر فیصلہ دینا ظاہرًا و باطنًا دونوں طرح نافذ ہوگا وتدلوا بہا الی الحکام لتأکلوا فریقًا من اموال الناس بالاثم یعنی اور ان کو حُکّام کے یہاں اس غرض سے رجوع مت کرو کہ لوگوں کے مالوں کا ایک حصہ بطور گناہ کے کھاجاؤ۔ الغرض آیت سے یہ ثابت ہے کہ یہ چیزیں حرام ہیں نیز آیت سے یہ بھی ثابت ہے کہ اگر قاضی جھوٹی شہادت پر کوئی فیصلہ سُنادے تو وہ ظاہر میں نافذ ہوگا باطن میں نافذ نہیں ہوگا جیسا کہ امام ابویوسف، امام محمد اور امام شافعی رحمہم اللہ کا یہی مسلک ہے۔

روایت ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مقدمہ کے دو فریقوں سے کہا تھا کہ میں ایک انسان ہوں اور تم میرے پاس مقدمات لے کر آتے ہو شاید تم میں سے کوئی دلائل میں دوسرے فریق پر سبقت لے جائے اور میں بھی جیسا اس سے سُنوں اس کے مطابق فیصلہ کردوں پس اگر کسی کے حق میں دُوسرے بھائی کے حق سے کسی چیز کا فیصلہ کردوں تو وہ ایسی چیز ہرگز نہ لے۔

کیونکہ میں جو کچھ اس کے لئے فیصلہ کررہا ہوں اور اسے دے رہا ہوں وہ آگ کا ایک ٹکڑا ہے۔ یہ سُن کر دونوں رونے لگے اور ہر ایک نے کہا کہ میں اپنا حق اپنے ساتھی کو دیتا ہوں۔ آپ نے فرمایا تم دونوں جاؤ آپس میں بھائی چارہ کرلو پھر اپنا اپنا حصہ بانٹ لو تاکہ تم میں سے ہر ایک دوسرے کے لئے اپنا حصہ حلال کردے۔ بیضاوی

کی تصریح کے مطابق اس حدیث کے شروع میں صاحبین اور امام شافعی رحمہم اللہ کے مذہب کی دلیل ہے۔

کفالہ کے احکام

قَالُوْا نَفْقِدُ صُوَاعَ الْمَلِكِ وَلِمَنْ جَآءَ بِهٖ حِمْلُ بَعِيْرٍ وَّاَنَا بِهٖ زَعِيْمٌ۔

(سورۃ یوسف، آیت ۷۲)

انہوں نے کہا کہ ہم کو شاہی پیمانہ نہیں ملتا (وہ غائب ہے) اور جو شخص اس کو (لاکر) حاضر کر دے اس کو ایک بار شتر غلہ ملے گا۔ اور میں اس (کے دلوانے) کا ذمہ دار ہوں۔

ضمانت کے لئے شرط لگانا جائز ہے،

مشہور قصہ ہے کہ جب یوسف علیہ السلام کے بھائی دوسری دفعہ غلہ لینے مصر آئے تو یوسف علیہ السلام کے کارندوں نے غلہ ناپنے کا پیمانہ اس کے بھائی کے سامان میں رکھ دیا، جب وہ مصر سے روانہ ہوئے تو ایک شخص نے بلند آواز سے کہا کہ ہمیں بادشاہ کا پیمانہ نہیں مل رہا ہمارا خیال ہے کہ تم نے چوری کر لیا ہے اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی کہا کہ جو کوئی پیمانہ لادے اسے ایک اُونٹ غلہ انعام میں ملے گا اور میں اس کی ضمانت دیتا ہوں ولمن جآء بہ حمل بعیر وانا بہ زعیم۔

اعلان کرنے والے نے ایک بار غلہ کی ضمانت دی لیکن اسے ایک شرط سے مشروط کر دیا اللہ تعالیٰ نے یہ قصہ ہمیں بتلایا اُس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ حکم ہماری شریعت میں بھی باقی ہے۔ نیز یہ کہ لفظ زعیم کے ساتھ ضامن ہونا بھی جائز ہے۔ نیز یہ کہ انعام دینا بھی جائز اور کام ہونے سے پیشتر انعام کی ضمانت دینا بھی اور ضمانت کو شرط سے مشروط کرنا بھی جائز ہے۔

گواہی کے احکام

وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّ

اور دو شخصوں کو اپنے مردوں میں سے گواہ کر لیا کرو پھر اگر وہ دو گواہ مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو

امْرَأَتَانِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ أَنْ تَضِلَّ إِحْدٰهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدٰهُمَا الْأُخْرٰى وَلَا يَأْبَ الشُّهَدَاءُ إِذَا مَا دُعُوا۔

(سورۃ البقرہ آیت ۲۸۲)

عورتیں ایسے گواہوں میں سے جن کو تم پسند کرتے ہو تاکہ ان دونوں عورتوں میں سے کوئی ایک بھی بھول جائے تو ان میں سے ایک دوسری کو یاد دلا دے اور گواہ بھی انکار نہ کیا کریں جب بلائے جایا کریں۔

عقد دین کے وقت گواہ بنانا

قرض کے معاملہ کے لئے صرف تحریری دستاویز کو کافی نہ سمجھا جائے بلکہ دو آدمیوں کو گواہ بھی بنا لیا جائے واستشھدوا شھیدین من رجالکم۔ آیت کے اس جملہ میں یہ بتلایا گیا ہے کہ دستاویز کی صرف تحریر کو کافی نہ سمجھیں بلکہ اس پر گواہ بھی بنا لیں۔ اگر کسی وقت باہمی نزاع پیش آجائے تو عدالت میں ان گواہوں کی گواہی سے فیصلہ ہو سکے۔ یہی وجہ ہے کہ فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ محض تحریر حجت شرعی نہیں ہے جبتک کہ اس پر شرعی شہادت موجود نہ ہو۔ خالی تحریر پر کوئی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔ آج کل عام عدالتوں کا یہی دستور ہے کہ صرف تحریر پر زبانی تصدیق و شہادت کے بغیر کوئی فیصلہ نہیں کرتیں۔

گواہی کیلئے دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کا ہونا ضروری ہے

اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن مجید میں ضابطۂ شہادت کے چند اہم اصول بیان فرمائے ہیں۔ مثلاً گواہ دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کا ہونا ضروری ہے: واستشھدوا شھیدین یعنی دو شخصوں کو اپنے میں گواہ کر لیا کرو۔ ایک اکیلا مرد یا صرف دو عورتیں عام معاملات کی گواہی کیلئے کافی نہیں۔

گواہی کی شرط

گواہی کی دوسری شرط یہ ہے کہ گواہ مسلمان ہوں جیسا کہ لفظ من رجالکم سے اس طرف ہدایت کی گئی ہے تیسرے یہ کہ گواہ ثقہ اور عادل ہوں جن کے قول پر اعتماد کیا جا سکے فاسق و فاجر نہ ہوں۔

گواہوں کا عادل ہونا شرط

قرآن کریم کے طرز بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ گواہوں کا عادل ہونا شرط ہے کیونکہ قرآن مجید کا ارشاد ہے مِمَّنْ ترضون من الشھداء جن گواہوں کو تم پسند کرتے ہو اور ظاہر ہے کہ پسندیدہ گواہ عادل ہی ہو سکتا ہے غیر عادل

نہیں ہوسکتا، لہٰذا آیت کے مذکورہ حصہ سے گواہی کی ایک شرطِ عدالت معلوم ہوئی گویا کہا گیا کہ جن کی عدالت تمہیں معلوم ہے اور جن کے نیک ہونے پر تمہیں اعتماد ہے اس لئے ضروری ہے کہ گواہ عادل ہوں۔

گواہوں کیلئے گواہی کا یاد ہونا ضروری ہے۔

گواہی کی ایک شرط یہ ہے کہ دونوں گواہوں کو گواہی پوری پوری یاد ہو اگر ان میں سے ایک مشہود بہ کا وصف مقدار یا وقت جگہ بھول جائے تو دوسرا یاد دلادے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے ان تضل احداھما فتذکر احداھما الاخریٰ یعنی ان دونوں عورتوں میں سے کوئی ایک بھی بھول جائے تو دوسری یاد دلادے۔ یا ایک گواہ دوسرے گواہ سے مختلف گواہی دے خواہ اختلاف ان تمام امور میں ہو یا ان میں سے کسی ایک میں دونوں کو رد کر دیا جائے گا اور کسی کی گواہی قبول نہیں ہوگی۔

گواہی دینے سے بلا عذرِ شرعی انکار کرنا گناہ ہے

جب کسی معاملہ پر گواہ موجود ہوں اور ان کو گواہی کے لئے طلب کیا جائے تو ان کو گواہی دینا ضروری ہے اور بلا عذر شرعی گواہی سے انکار کرنا گناہ ہے ولا یأب الشہداء اذا ما دعوا اور گواہ بھی انکار نہ کیا کریں جب بلائے جایا کریں، اس آیت میں عام لوگوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ جب ان کو کسی معاملہ میں گواہ بنانے کے لئے بلایا جائے تو وہ آنے سے انکار نہ کریں کیونکہ شہادت ہی احیاءِ حق کا ذریعہ اور جھگڑا چکانے کا طریقہ ہے۔

معاملہ خواہ چھوٹا ہو یا بڑا اس کا لکھنا ضروری ہے۔

ہر معاملہ کو لکھنا ضروری ہے خواہ چھوٹا ہو یا بڑا ولا تسئموا ان تکتبوہ صغیرا او کبیرا الیٰ اجلہ آیت کے اس جملہ میں معاملات کی دستاویز لکھنے کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا کہ معاملہ خواہ چھوٹا ہو یا بڑا سب کو لکھنا چاہیئے اسمیں اکتائیں نہیں کیونکہ معاملات کو قلم بند کر لینا انصاف کو قائم رکھنے اور صحیح شہادت دینے اور شک و شبہ سے بچنے کے لئے بہترین ذریعہ ہے۔

لکھنے والے یا گواہی دینے والے کو نقصان پہنچانا منع ہے

معاملہ کی تحریر کرنے والے یا اس پر گواہی دینے والے کو نقصان پہنچانا منع ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ولا یضار کاتب ولا شہید یعنی کسی لکھنے والے یا گواہی دینے والے کو نقصان نہ پہنچایا جائے یعنی ایسا نہ کریں کہ اپنی مصلحت اور فائدہ کے لئے ان کی مصلحت اور فائدہ میں خلل ڈالیں۔

گواہی کیلئے علم شرط ہے

وَلَا يَمْلِكُ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ط
(سورۃ زخرف آیت ۸۶)

اور خدا کے سوا جن معبودوں کو یہ لوگ پکارتے ہیں وہ سفارش (تک) کا اختیار نہ رکھیں گے۔ ہاں جن لوگوں نے حق بات (یعنی کلمہ ایمان) کا اقرار کیا تھا اور وہ تصدیق بھی کیا کرتے تھے۔

یہ آیت اگرچہ شفاعت و توحید میں وارد ہوئی لیکن اس سے ثابت ہوتا ہے کہ گواہی کے لئے علم شرط ہے کسی کا گواہ بنایا جانا شرط نہیں۔

گواہی کیلئے علم ضروری ہے

صاحب ہدایہ لکھتے ہیں کہ جن امور کی گواہی دیجاتی ہے وہ دو قسم کے ہیں (۱) ایک وہ امور جو بنفسہ ثابت ہوتے ہیں جیسے بیع شراء، اقرار، غصب قتل کسی حاکم کا فیصلہ وغیرہ جب کوئی گواہ ان امور میں سے کسی کو خود سنے یا اپنی آنکھوں سے دیکھے تو وہ ان کے بارے میں گواہی دے سکتا ہے۔ خواہ ان معاملات میں اسے گواہ نہ بھی بنایا گیا ہو کیونکہ جو چیز ضروری ہے وہ اس کے علم میں ہے۔

اور گواہی دینے کے لئے اس چیز کا علم ہونا ضروری ہے جس کی گواہی دے رہا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: الا من شہد بالحق وھم یعلمون۔ لیکن گواہی دیتے وقت یوں کہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اس نے یہ چیز خریدی ہے اور یوں نہ کہے کہ اس نے مجھے گواہ بنایا تھا کیونکہ یہ جھوٹ ہے۔

اور دوسرے وہ امور ہیں کہ ان پر جب تک گواہ نہ بنایا جائے ان کا حکم بنفسہ ثابت نہیں ہوتا۔ جیسے گواہی

دینا اور اگر کسی کو گواہی دیتے سُنے تو اس کی گواہی پر گواہی نہیں دے سکتا جب تک کہ اسے اس پر گواہ نہ بنایا جائے۔

لفظ اشھد یمین کے الفاظ میں سے ہے

اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ اِتَّخَذُوْا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۔

(سورۃ المنافقون آیت ۱ و ۲)

جب آپ کے پاس یہ منافقین آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ (دل سے) گواہی دیتے ہیں آپ بیشک اللہ کے رسول ہیں اور یہ تو اللہ کو معلوم ہے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں (اس میں تو ان کے قول کی تکذیب نہیں کیجاتی) اور (باوجود اس کے) اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ منافقین (اس کہنے میں جھوٹے ہیں' ان لوگوں نے اپنی قسموں کو (اپنی جان و مال بچانے کے لئے) سپر بنا رکھا ہے۔ پھر یہ لوگ (دوسروں کو بھی) اللہ کی راہ سے روکتے ہیں بے شک ان کے یہ اعمال بہت بُرے ہیں۔

اشھد یمین کا لفظ ہے۔

لفظ اشھد یمین کے الفاظ میں سے ہے کیونکہ قرآن مجید میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے ایمان کا اطلاق شہادت پر کیا ہے فرمایا اتخذوا ایمانھم جنۃ فصدوا عن سبیل اللہ۔ یہ نہیں فرمایا اتخذوا شھادتھم اس سے معلوم ہوا کہ لفظ اشھد یمین کے الفاظ میں سے ہے اگر لفظ اشھد بول کر قسم کھائے تو اس کا پورا کرنا لازم ہے اور پورا نہ کرنے کی صورت میں کفارہ یمین واجب ہے۔ صاحب کشاف' مدارک اور امام زاہد سب کی رائے یہی ہے۔

گواہی ٹھیک ٹھیک دینا چاہیئے ماں باپ اور دیگر رشتہ داروں کے خلاف گواہی دینا جائز ہے، گواہی چھپانا حرام ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰامِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ

اے ایمان والو انصاف پر خوب قائم رہنے والے اللہ کے لئے گواہی دینے والے رہو اگرچہ اپنی ہی ذات پر ہو

اَوِالْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا۔
(سورۃ النساء آیت ۱۳۵)

یا کہ والدین اور دوسرے رشتہ داروں کے مقابلہ میں ہو۔ وہ شخص اگر امیر ہے تو اور غریب ہے۔ تو دونوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو زیادہ تعلق ہے۔ سو تم خواہش نفس کا اتباع مت کرنا کبھی تم حق سے ہٹ جاؤ اور اگر تم کج بیانی کرو گے یا پہلو تہی کرو گے تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمہارے سب اعمال کی پوری طرح خبر رکھتے ہیں۔

ٹھیک ٹھیک گواہی دینے کا حکم

اللہ تبارک وتعالیٰ نے مؤمنین کو ٹھیک ٹھیک گواہی دینے کا حکم دیا ہے فرمایا یاایھا الذین امنوا کونوا قوامین بالقسط یعنی اے ایمان والو، انصاف قائم کرنے میں خوب کوشش کرو اور ظلم ہرگز نہ کرو، گواہی محض اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں ٹھیک ٹھیک دو۔

ماں باپ و دیگر رشتہ داروں کے خلاف گواہی دینا جائز ہے

گواہی میں انصاف پر قائم رہنا چاہیئے خواہ وہ گواہی گواہ کی اپنی ذات یا اس کے والدین یا رشتہ داروں کے خلاف ہی کیوں نہ ہو ولو علی انفسکم او الوالدین والاقربین یعنی خواہ وہ گواہی تمہارے اپنے یا تمہارے ماں باپ اور رشتہ داروں کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ گواہی دینے میں کسی کے غناء اور فقر کو ہرگز مدنظر نہ رکھو اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کرو۔ اللہ تعالیٰ غنی یا فقیر ہر ایک کا تم میں سے زیادہ خیر خواہ ہے۔

گواہی دعویٰ گواہوں سے قسم لینا مدعی مدعی علیہ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِيْنَ الْوَصِيَّةِ اثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ اَوْ

اے ایمان والو! تمہارے آپس میں دو شخص کا وصی ہونا مناسب ہے، جب کہ تم میں سے کسی کو موت آنے لگے جب وصیت کرنے کا وقت ہو وہ دو شخص ایسے

اٰخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ
فِي الْاَرْضِ فَاَصَابَتْكُمْ مُصِيْبَةُ
الْمَوْتِ تَحْبِسُوْنَهُمَا مِنْ بَعْدِ الصَّلٰوةِ
فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ اِنِ ارْتَبْتُمْ لَا نَشْتَرِيْ
بِهٖ ثَمَنًا وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى وَلَا نَكْتُمُ
شَهَادَةَ اللّٰهِ اِنَّا اِذًا لَّمِنَ الْاٰثِمِيْنَ فَاِنْ
عُثِرَ عَلٰى اَنَّهُمَا اسْتَحَقَّا اِثْمًا فَاٰخَرٰنِ
يَقُوْمٰنِ مَقَامَهُمَا مِنَ الَّذِيْنَ
اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْاَوْلَيٰنِ فَيُقْسِمٰنِ
بِاللّٰهِ لَشَهَادَتُنَا اَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا
وَمَا اعْتَدَيْنَا اِنَّا اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ
ذٰلِكَ اَدْنٰى اَنْ يَّاْتُوْا بِالشَّهَادَةِ عَلٰى
وَجْهِهَا اَوْ يَخَافُوْا اَنْ تُرَدَّ اَيْمَانٌ بَعْدَ
اَيْمَانِهِمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاسْمَعُوْا وَاللّٰهُ
لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ۔

(سورہ المائدہ آیت ۱۰۶ تا ۱۰۸)

ہوں کہ دیندار ہوں اور تم میں سے ہوں یا غیر قوم کے
دو شخص ہوں۔ اگر تم کہیں سفر میں گئے ہو پھر تم پر
واقعہ موت کا پڑ جاوے اگر تم کو شبہ ہو تو ان دونوں
کو بعد نماز روک لو پھر دونوں خدا کی قسم کھاویں کہ ہم اس
قسم کے عوض کوئی نفع نہیں لینا چاہتے ۔ اگرچہ
کوئی قرابت دار بھی ہوتا اور اللہ کی بات کو ہم پوشیدہ
نہیں کریں گے۔ ہم اس حالت میں سخت گناہ گار ہوں گے
پھر اگر اس کی اطلاع ہو کہ وہ دونوں کسی گناہ کے مرتکب
ہوئے ہیں تو ان لوگوں میں سے جس کے مقابلہ میں گناہ
کا ارتکاب ہوا تھا اور دو شخص جو سب میں قریب ترین
جہاں وہ دونوں کھڑے ہوئے تھے یہ دونوں کھڑے
ہوں پھر دونوں خدا کی قسم کھاویں کہ بالیقین ہماری یہ
قسم ان دونوں کی اس قسم سے زیادہ راست ہے اور
ہم نے ذرہ بھر تجاوز نہیں کیا۔ ہم اس حالت میں سخت
ظالم ہوں گے۔ یہ قریب ذریعہ اس امر کا کہ وہ لوگ واقعہ
کو ٹھیک طور پر ظاہر کریں یا اس بات سے ڈر جائیں
کہ ان سے قسمیں لینے کے بعد قسمیں متوجہ ہو جاویں گی اور
اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور سنو اللہ تعالیٰ فاسق لوگوں کی
رہنمائی نہ کریں گے۔

امانت کے احکام

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ وَ تَخُوْنُوْۤا اَمٰنٰتِكُمْ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ط (سورۃ انفال آیت ۲۷)

اے ایمان والو! تم اللہ اور رسول کے حقوق میں خلل مت ڈالو اور اپنی قابل حفاظت چیزوں میں خلل مت ڈالو اور تم تو جانتے ہو

امانت میں خیانت کرنا منع ہے

اللہ تبارک وتعالیٰ نے امانتوں میں خیانت کرنے سے منع فرمایا ہے یاایھا الذین اٰمنو الاتخونو االلہ والرسول وتخونوا امٰنٰتکم آیت کریمہ کا مفہوم یہ ہے کہ فرائض اور سُنن کی بجا آوری میں کمی وکوتاہی کر کے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے خیانت نہ کرو اور آپس کی امانتوں کی حفاظت میں کوتاہی کر کے ان میں بھی جان بُوجھ کر خیانت نہ کرو۔

شانِ نزول

صاحبِ کشاف نے اس کے نزول کے متعلق لکھا ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے اکیس روز تک بنو قریظہ کا محاصرہ جاری رکھا محاصرہ سے تنگ آکر انہوں نے بھی بنو نظیر کی طرح صلح کی درخواست کی اور شام میں اذرعات واریحا میں دوسرے یہود کے پاس چلے جانے کی اجازت چاہی۔ رسولُ اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ان کی بات ماننے سے انکار کر دیا اور کہا کہ ایک ہی صورت ہے کہ تمہیں سعد بن معاذ کا فیصلہ تسلیم کرنا ہوگا۔ لیکن انہوں نے اس بات سے انکار کیا اور ابو لبابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کو اپنے پاس بھیجنے کی درخواست کی۔ ابو لبابہؓ ان کے خیر خواہ تھے کیونکہ ابو لبابہؓ کے اھل وعیال ان کے قبضہ میں تھے۔ ابو لبابہؓ ان کے پاس گئے تو انہوں نے ابو لبابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سے دریافت کیا کہ تمہاری کیا رائے ہے یعنی ہم سعد بن معاذ کو حُکم تسلیم کر کے قلعہ سے اُتر آئیں؟ اس پر حضرت ابو لبابہؓ نے اپنے حلق کی

طرف اشارہ کیا۔ اشارہ سے یہ بتلانا مقصود تھا کہ سعد بن معاذ کا فیصلہ تمہیں قتل اور ذبح کرنے کا ہے۔

ابولبابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ابھی میں اپنی جگہ سے ہلا بھی نہ تھا کہ مجھے اس بات کا احساس ہو گیا کہ میں نے یہ اشارہ کر کے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خیانت کی ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی اس پر ابولبابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے آپ کو مسجد کے ستونوں میں سے ایک ستون کے ساتھ باندھ لیا اور قسم کھائی کہ جب تک اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم میرا قصور معاف نہیں کریں گے اس وقت تک نہ کچھ کھاؤں گا نہ پیوں گا خواہ اس میں میری جان ہی کیوں نہ چلی جائے۔ اس طرح سات یوم تک ابولبابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ستون کے ساتھ بندھے رہے۔ یہاں تک کہ ساتویں روز بیہوش ہو کر گر پڑے۔ اس پر اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کی انہیں اطلاع دی گئی کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے تمہاری توبہ قبول کر لی ہے۔ اپنے آپ کو کھول دو۔ تو وہ کہنے لگے کہ نہیں میں اپنے آپ کو اس وقت تک نہیں کھولوں گا جب تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود آکر مجھے نہ کھولیں۔

چنانچہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے اور خود اپنے ہاتھ سے ابولبابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کھول دیا اس پر ابولبابہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں اپنی توبہ کے اتمام کے لئے اپنی قوم کے وطن سے ہجرت کرتا ہوں جہاں مجھ سے یہ گناہ سرزد ہوا تھا نیز میں اپنے سارے مال کو صدقہ کرتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صدقہ کے لئے مال کا ایک تہائی حصہ کافی ہے۔

غصب کے احکام

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ۔ (سورۃ المومنون آیت ۱۲ تا ۱۴)

اور ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصہ سے بنایا پھر ہم نے اس کو نطفہ سے بنایا جو کہ ایک محفوظ مقام میں رہا پھر ہم نے اس نطفہ کو خون کا لوتھڑا بنا دیا پھر ہم نے اس خون کے لوتھڑے کو بوٹی بنا دیا پھر ہم نے اس بوٹی کو ہڈیاں بنا دیا، پھر ہم نے ان ہڈیوں پر گوشت چڑھا دیا پھر ہم نے اس کو ایک دوسری مخلوق بنایا سو کیسی بڑی شان ہے اللہ کی جو تمام صناعوں سے بڑھ کر ہے۔

مثلی چیز کے غصب کرنے کے بعد ہلاک ہونے پر اس کی مثل کا واپس کرنا واجب ہے !

مثلی چیز کے غصب کرنے کے بعد ہلاک ہونے پر اس کی مثل کا واپس کرنا واجب ہے اسی طرح امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ کے نزدیک انڈے کا غاصب صرف انڈے کا ضامن ہوگا اگرچہ وہ انڈا اس کے ہاتھ میں چوزہ دیدے۔ امام صاحبؒ کی دلیل قرآن مجید کی آیت فکسونا العظام لحما ثم انشانٰہ خلقا اخر ہے صاحب کشاف و مدارک نے لکھا ہے کہ خلقا اخر سے امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ یہ استدل کرتے ہیں کہ جو شخص کسی کے انڈے غصب کرلے اور پھر غاصب کے پاس ان سے بچے نکل آئیں تو وہ صرف انڈوں کی ضمان دے گا۔ اور بچے واپس نہیں کریگا۔ کیونکہ بچے خلقا اخر ہیں جو انڈوں سے مختلف ہیں۔
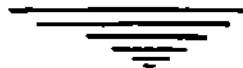
فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ

سو ایسا کیوں نہ کیا جائے کہ ان کی ہر بڑی جماعت میں سے ایک چھوٹی جماعت (جہاد میں) جایا کرے تاکہ (یہ) باقی ماندہ لوگ دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرتے رہیں. (القرآن)
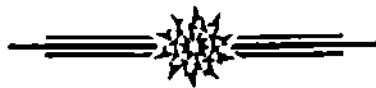
ذبح کے أحکام

ذبح کے احکام

فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ
كُنْتُمْ بِاٰيٰتِهٖ مُؤْمِنِيْنَ وَمَا لَكُمْ
اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ
وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ اِلَّا
مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ وَاِنَّ كَثِيْرًا
لَّيُضِلُّوْنَ بِاَهْوَآئِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ اِنَّ
رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِيْنَ وَذَرُوْا
ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ اِنَّ الَّذِيْنَ
يَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوْا
يَقْتَرِفُوْنَ وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ
اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ وَاِنَّ
الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓئِهِمْ
لِيُجَادِلُوْكُمْ وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ
لَمُشْرِكُوْنَ۔

(سورۃ الانعام آیت نمبر ۱۱۸ تا نمبر ۱۲۱)

سو جن جانوروں پر اللہ کا نام لیا جائے اس میں سے
کھاؤ اگر تم اس کے احکام پر ایمان رکھتے ہو اور تم کو
کون امر اس کا باعث ہو سکتا ہے کہ تم ایسے جانور
میں سے نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو۔ حالانکہ
اللہ تعالیٰ نے ان سب جانوروں کی تفصیل بتلا دی ہے
جن کو تم پر حرام کیا ہے مگر وہ بھی جب تم کو سخت ضرورت
پڑ جائے تو حلال ہے اور یہ یقینی بات ہے کہ بہت سے
آدمی اپنے غلط خیالات پر بلا کسی سند کے گمراہ کرتے
ہیں اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ حد سے نکل
جانے والوں کو خوب جانتا ہے اور تم ظاہری گناہ کو بھی
چھوڑ دو اور باطنی گناہ کو بھی چھوڑ دو۔ بلاشبہ جو لوگ گناہ
کر رہے ہیں ان کو ان کے کئے کی عنقریب سزا ملے گی۔
اور ایسے جانوروں میں سے مت کھاؤ جن پر اللہ کا
نام نہ لیا گیا ہو اور یہ امر بے حکمی ہے۔ اور یقیناً شیاطین
اپنے دوستوں کو تعلیم کر رہے ہیں تاکہ یہ تم سے جدال
کریں اور اگر تم ان لوگوں کی اطاعت کرنے لگو تو یقیناً تم مشرک ہو جاؤ۔

ذبح کے وقت اللہ کا نام لینا ضروری ہے

جن جانوروں پر ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لیا جائے ان کا کھانا حلال ہے اور جن جانوروں پر ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا جائے ان کا کھانا حرام ہے معلوم ہوا کہ ذبح کے وقت اللہ کا نام لینا ضروری ہے۔ فکلوا مما ذکر اسم اللہ علیہ ان کنتم بآیٰتہٖ مؤمنین یعنی اگر تمہیں خدا تعالیٰ کے احکام پر یقین ہے تو جس جانور پر بوقت ذبح اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا ہو اس میں سے کھاؤ اور اسے حرام نہ ٹھہراؤ اور جن جانوروں پر ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا گیا ہو اس میں سے مت کھاؤ اور اسے حلال مت ٹھہراؤ۔

اسی طرح آیت وما لکم ان لا تأکلوا مما ذکر اسم اللہ علیہ الخ میں فرمایا گیا کہ کیا وجہ ہے کہ تم اس جانور کا گوشت نہیں کھاتے جس پر بوقت ذبح اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا ہو یہ تمہارے لئے حرام نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جن جانوروں کو حرام کیا ہے ان کی وضاحت تمہارے سامنے کر دی گئی ہے اور وہ حلال جانوروں سے علیحدہ اور ممتاز ہیں جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ حرمت المیتۃ والدم الخ۔

مکرہ اور مضطر کیلئے حرام کھانا جائز ہے

جس شخص کو زبرستی حرام کھانے پر مجبور کر دیا جائے یا جو شخص شدّت بھوک کی وجہ سے حرام کھانے کے لئے بے قرار ہو جائے تو ایسے حضرات کیلئے مُردار کھانا جائز ہے قد فصل لکم ما حرم علیکم الا ما اضطررتم الیہ زیر بحث آیت میں اس بات کی وضاحت کی گئی ہے جیسا کہ اھل اصول لکھتے ہیں کہ مکرہ اور مضطر کیلئے مُردار کی حرمت ساقط ہے اور اس کی دلیل الا ما اضطررتم الیہ ہے ان کے لئے صبر جائز نہیں۔ اگر مکرہ اور مضطر صبر کریں اور مُردار نہ کھائیں اور مر جائیں تو گنہگار ہونگے۔ یہ رخصت کی چوتھی قسم ہے۔

شانِ نزول

ان آیات کے شانِ نزول میں بڑا عجیب قصہ منقول ہے کہ کفار نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ جو بکری یا جانور خود بخود مر جائے اسے کون مارتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مارتا ہے تو کہنے لگے

بڑے تعجب کی بات ہے کہ جس جانور کو کوئی شکاری جانور مار دے اسے تو آپ حلال ٹھہراتے ہیں اور جس جانور کو براہ راست اللہ تعالیٰ مارے آپ اسے حرام قرار دیتے ہیں یہ بات سن کر مسلمانوں کے دلوں میں شبہات پیدا ہونے لگے اور ایمان میں ضعف آنے لگا۔ ان شبہات کو دور کرنے اور مسلمانوں کے اطمینانِ خاطر کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ یہ واقعہ تفسیر حسینی سے نقل کیا گیا ہے۔ دیگر مفسرین نے بھی پہلی آیت کے ضمن میں اسے مختصراً ذکر کیا ہے۔

مُردار جانور یا جس پر بوقتِ ذبح غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو حرام ہے

جو جانور بغیر ذبح کے خود بخود مر جائے اور یا بوقت ذبح اللہ کا نام نہ لیا جائے بلکہ غیر اللہ کا نام پکارا جائے تو ایسے جانور کا کھانا حرام ہے ولا تأکلوا مما لم یذکر اسم اللّٰہ علیہ۔ اے ایمان والو اس جانور کا گوشت نہ کھاؤ جو خود بخود مر جائے یا اس پر بوقت ذبح غیر اللہ کا نام لیا جائے کیونکہ اس کا کھانا گناہ ہے۔ شیاطین اپنے ساتھی کفار کے دلوں میں مختلف قسم کے مغالطہ اور وساوس ڈالتے رہتے ہیں تاکہ وہ تم سے جھگڑتے رہیں۔

مسلمان و اہل کتاب کے ذبیحہ کا حکم

اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَ الْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَا اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ۔
(سورۃ المائدہ آیت ۵)

آج تمہارے لئے حلال چیزیں حلال رکھی گئیں اور جو لوگ کتاب دیئے گئے ہیں ان کا ذبیحہ تم کو حلال ہے اور تمہارا ذبیحہ ان کو حلال ہے اور پارسا عورتیں جو مسلمان ہوں اور پارسا عورتیں ان لوگوں میں سے بھی جو مسلمان ہوں اور پارسا عورتیں ان لوگوں میں سے بھی جو تم سے پہلے کتاب دیئے گئے ہیں جب کہ تم ان کو ان کا معاوضہ دے دو اسی طرح سے تم بیوی بناؤ نہ تو علانیہ بدکاری کرو اور خفیہ آشنائی کرو اور جو شخص ایمان کے ساتھ کفر کریگا تو اس شخص کا عمل غارت جائے گا اور وہ شخص آخرت میں بالکل زیاں کار ہوگا۔

مفہومِ آیت

اس آیت میں ذبح کرنے والے کے اوصاف اور مؤمنہ وکتابیہ کے نکاح وغیرہ کا بیان ہے اظہارِ احسان کے محل میں ہونے کی بنا پر الیوم احل لکم الطیبٰت کا اعادہ کیا گیا ہے۔

مُسلم وکتابی کا ذبیحہ حلال ہے

ذبح کرنیوالا مسلمان ہو یا اہل کتاب میں سے ہو دونوں کا ذبیحہ حلال ہے جیسا کہ آیت وطعام الذین اوتوا الکتٰب حل لکم وطعامکم حل لھم سے ثابت ہے یعنی ذبح کرنے والا مُسلم یا اہلِ کتاب میں سے ہونا چاہیئے بُت پرست، مجوسی اور مُرتد وغیرہ نہ ہونا چاہیئے۔ یہ ضروری نہیں کہ ذبح کرنے والا مرد ہی ہو بلکہ ہر مُسلم یا کتابی کا ذبیحہ حلال ہے خواہ مرد ہو یا عورت ہو یا سمجھ دار لڑکا بسم اللہ اللہ اکبر کو سمجھنے والا لیکن اگر لڑکا یا دیوانہ بسم اللہ اکبر کو نہ جانتے یا سمجھتے نہیں تو ان کا ذبیحہ حلال نہیں۔

فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ
سو ایسا کیوں نہ کیا جائے کہ ان کی ہر بڑی جماعت میں سے ایک چھوٹی جماعت (جہاد میں) جایا کرے تاکہ (یہ) باقی ماندہ لوگ دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرتے رہیں۔ (القرآن)
كِتَابُ الْمُحَرَّمَات

حرام چیزوں کے احکام

یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِیَّاهُ تَعْبُدُوْنَ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَیْكُمُ الْمَیْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِیْرِ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَیْرِ اللّٰهِ فَمَنِ اضْطُرَّ غَیْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَیْهِ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۔

(سورۃ البقرہ آیت ۱۷۲ و ۱۷۳)

اے ایمان والو! جو پاک چیزیں ہم نے تم کو مرحمت فرمائی ہیں ان میں سے کھاؤ اور حق تعالیٰ کی شکرگزاری کرو اگر تم خاص ان کے ساتھ غلامی کا تعلق رکھتے ہو اللہ تعالیٰ نے تو تم پر صرف حرام کیا ہے مردار کو اور خون کو اور خنزیر کے گوشت کو اور ایسے جانور کو جو غیر اللہ کے نامزد کر دیا گیا ہو۔ پھر بھی جو شخص بیتاب ہو جائے۔ بشرطیکہ نہ تو طالب لذت ہو اور نہ تجاوز کرنے والا ہو تو اس شخص پر کچھ گناہ نہیں ہوتا۔ واقعی اللہ تعالیٰ بڑے غفور رحیم ہیں۔

اس آیت میں حلال و پاکیزہ چیزوں کے کھانے کا حکم دیا گیا ہے اور حرام چیزوں کے کھانے کو حرام قرار دیا گیا ہے

حلال و پاکیزہ چیزوں کے کھانے کا حکم

زیر بحث آیت میں جسطرح حرام کھانے کی ممانعت کی گئی ہے اسی طرح حلال و طیب چیزوں کے کھانے کا حکم اور اس پر شکرگزار ہونے کی ترغیب بھی ہے۔ یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِیَّاهُ تَعْبُدُوْنَ۔ کیونکہ جس طرح حرام کھانے سے اخلاقِ رذیلہ پیدا ہوتے ہیں عبادت کا ذوق جاتا رہتا ہے۔ دعاء قبول نہیں ہوتی۔ اس طرح حلال کھانے سے ایک نور پیدا ہوتا ہے۔ اخلاقِ رذیلہ سے نفرت اور اخلاقِ فاضلہ کی رغبت پیدا ہوتی ہے۔ عبادت میں دل لگتا ہے۔ گناہ سے دل گھبراتا ہے۔ دعاء قبول ہوتی ہے۔ اسی لئے

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے سب رسولوں کو یہ ھدایت فرمائی ہے یاایّھا الرُسل کلوا من الطیبٰت و اعملوا صالحًا۔ اے ہمارے رسولو! تم پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو اس میں اشارہ ہے کہ نیک عمل کرنے میں رزق حلال کا بڑا دخل ہے۔ اسی طرح قبولیتِ دُعا میں حلال کھانا مُعین اور حرام کھانا مانع قبولیتِ دُعا ہے۔

آیت مذکورہ میں چار چیزوں کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ (۱) میتہ (۲) خون (۳) لحم خنزیر (۴) وہ جانور جس پر غیر اللہ کا نام لیا ہو۔

مَیتہ حَرام ہے۔

مَیتہ کو اُردو میں مُردار کہتے ہیں۔ اس سے مُراد وہ جانور ہے جن کے حلال ہونے کے لئے ازرُوئے شرع ذبح کرنا ضروری ہے مگر وہ بغیر ذبح کئے خود بخود مَر جائے یا گلا گھونٹ کر یا کسی دوسری طرح چوٹ لگنے سے مر جائے۔ مُردار و میتہ حرام ہیں انما حرم علیکم المیتۃ۔

اسی طرح خود قرآن کریم کی دُوسری آیت واحل لکم صید البحر سے معلوم ہُوا کہ دریائی جانور کے لئے ذبح کرنا شرط نہیں ہے وہ بلا ذبح بھی جائز ہے۔ اس بنا پر احادیث صحیحہ میں مچھلی اور ٹڈی کو میتہ سے مستثنیٰ قرار دیکر حلال کیا گیا ہے۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہمارے لئے دو مُردار حلال کر دیئے گئے۔ ایک مچھلی اور دوسری ٹڈی اور دو خون حلال کر دیئے گئے ایک جگر اور ایک تلی۔

خُون حرام ہے

دوسری چیز جو آیت مذکورہ میں حرام قرار دیگئی ہے وہ خون ہے۔ والدم۔ دم بمعنی خون اس آیت میں اگرچہ مطلق ہے مگر سورۃ الانعام کی آیت میں دم کے ساتھ مسفوح ، یعنی بہنے والا ہونے کی شرط ہے او دما مسفوحا اس لئے فقہاء کا اس بات پر اتّفاق ہے کہ منجمد خون جیسے گُردہ و تلّی جگر وغیرہ حلال اور پاک ہیں۔

خِنزیر حرام ہے

تیسری چیز جو آیت مذکورہ میں حرام قرار دی گئی ہے وہ خنزیر کا گوشت ہے۔ ولحم الخنزیر آیت میں حُرمت خنزیر کے ساتھ لحم کی قید مذکور ہے۔ امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس قید لحم سے گوشت کی تخصیص مقصود نہیں ہے

بلکہ خنزیر کے تمام اجزاء ، ھڈّی ، کھال ، بال ، پٹھے سب ہی باجماعِ اُمّت حرام ہیں لیکن لفظ لحم بڑھا کر اس طرف اشارہ کر دیا کہ خنزیر دوسرے حرام جانوروں کی طرح نہیں کہ وہ ذبح ہونے سے پاک ہو جاتے ہیں اگرچہ ان کا کھانا حرام ہی رہے ۔ لیکن خنزیر کا گوشت ذبح کرنے سے بھی پاک نہیں ہوتا وہ نجس لعین ہے صرف چمڑا سینے کے لئے اس کے بال کا استعمال حدیث شریف میں جائز قرار دیا گیا ہے ۔ اور فقہاء اُمّت بھی اس پر متفق ہیں ۔

غیرُ اللہ کے نامزد کی گئی چیزیں حرام ہیں

چوتھی چیز جس کو آیت میں حرام قرار دیا گیا ہے وہ جانور ہے جو غیرُ اللہ کے نامزد کر دیا گیا ہو جس کی تین صورتیں متعارف ہیں (۱) اوّل یہ کہ کسی جانور کو غیرُ اللہ کے تقرّب کے لئے ذبح کیا جائے اور بوقتِ ذبح اس پر غیرُ اللہ کا نام لیا جائے ۔ یہ صورت باتفاق و اجماعِ اُمّت حرام ہے اور یہ جانور میتہ ہے اس کے کسی جزء سے انتفاع جائز نہیں کیونکہ یہ صورت آیت وما اھل بہ لغیر اللہ کا مدلول صریح ہے جس میں کسی کا اختلاف نہیں ۔

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ کسی جانور کو تقرّب الی غیر اللہ کے لئے ذبح کیا جائے یعنی اس کا خون بہانے سے تقرّب الی غیر اللہ مقصود ہو لیکن بوقت ذبح اس پر نام اللہ ہی کا لیا جائے جیسے بہت سے ناواقف مسلمان بزرگوں و پیروں کے نام پر ان کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے بکرے مرغی وغیرہ ذبح کرتے ہیں لیکن ذبح کے وقت اس پر نام اللہ ہی کا پکارتے ہیں ۔ یہ صورت بھی باتفاق فقہاء حرام اور مذبوحہ مُردار ہے ۔

(۳) تیسری صورت یہ ہے کہ کسی جانور کو کان کاٹ کر یا کوئی دُوسری علامت لگا کر تقرّب الی غیر اللہ اور تعظیم غیر اللہ کے لئے چھوڑ دیا جائے نہ تو اس سے کام لیا جائے نہ اس کے ذبح کرنے کا قصد ہو ، بلکہ اس کے ذبح کرنے کو حرام جانیں ۔ یہ جانور ما اھل بہ لغیر اللہ اور وما ذبح علی النصب دونوں میں داخل نہیں بلکہ اس قسم کے جانور کو بحیرہ و سائبہ وغیرہ کہا جاتا ہے اور حکم ان کا یہ ہے کہ یہ فعل بنص قرآن حرام ہے جیسا کہ آیت ما جعل اللہ الخ میں گذر چکا مگر ان کے اس حرام عمل سے اور ان کے اس جانور کو حرام سمجھنے کے عقیدہ سے یہ جانور حرام نہیں ہو جاتا بلکہ عام جانوروں کی طرح حلال ہے ۔

حالتِ اضطرار میں مذکورہ چیزوں کی حلت

مذکورہ آیت میں چار چیزوں کو حرام قرار دینے کے بعد ایک حکم استثنائی مذکور ہے کہ حالتِ اضطرار میں یہ سب چیزیں حلال ہیں فمن اضطر غیر باغ ولا عاد فلا اثم علیہ ان اللہ غفور رحیم اس حکم میں اتنی آسانی کردی گئی کہ جو شخص بھوک سے بہت ہی بیتاب ہو جائے بشرطیکہ نہ تو کھانے میں طالبِ لذت ہو اور نہ بقدرِ ضرورت سے تجاوز کرنے والا ہو تو اس حالت میں ان حرام چیزوں کے کھالینے سے بھی اس شخص کو کوئی گناہ نہیں ہوتا، بے شک اللہ تعالیٰ بڑے غفور رحیم ہیں۔

مضطر شرعی کی تعریف

شریعت کی اصطلاح میں مضطر اس شخص کو کہا جاتا ہے جس کی جان خطرہ میں ہو معمولی تکلیف یا ضرورت سے مضطر نہیں کہا جا سکتا، تو جو شخص بھوک سے ایسی حالت کو پہنچ گیا کہ اگر کچھ نہ کھائے تو جان جاتی رہے گی اس کے لئے دو شرطوں کے ساتھ ان حرام چیزوں کے کھالینے کی رخصت دی گئی ہے ان میں سے ایک شرط یہ ہے کہ مقصود جان بچانا ہو، کھانے کی لذت حاصل کرنا مقصود نہ ہو۔ دوسری شرط یہ ہے کہ صرف اتنی مقدار کھائے جو جان بچانے کے لئے کافی ہو۔ پیٹ بھر کر کھانا یا قدرِ ضرورت سے زائد کھانا ایسی حالت میں بھی حرام ہے۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَأَنْ تَسْتَقْسِمُوا بِالْأَزْلَامِ ذَٰلِكُمْ فِسْقٌ

(سورۃ المائدہ آیت ۳)

تم پر حرام کئے گئے ہیں مُردار اور خون اور خنزیر کا گوشت اور جو جانور کہ غیر اللہ کے نام زد کردیا گیا ہو اور جو گلا گھُٹ جانے سے مرجاوے اور جو کسی ضرب سے مرجاوے اور جو اُونچے سے گر کر مرجاوے اور جو کسی ٹکر سے مرجاوے اور جس کو کوئی درندہ کھانے لگے لیکن جس کو ذبح کر ڈالو اور جو جانور پرستش گاہوں پر ذبح کیا جاوے اور یہ کہ تقسیم کرو بذریعہ قرعہ کے تیروں کے یہ سب گناہ ہیں۔

میتہ کی حرمت

میتہ وہ مردار جانور جس کی روح (بغیر کسی بیرونی سبب کے) یا بغیر ذبح کے خود بخود بدن سے نکلی ہو حرمت علیکم المیتۃ تم پر حرام کیا میتہ کو لیکن حرمت میتہ سے مچھلی اور ٹڈی مستثنیٰ ہے۔ حدیث شریف میں ہے احلت لنا المیتتان السمك والجراد ——— ہمارے لئے دو میتہ حلال کئے گئے ہیں مچھلی اور ٹڈی۔

خون کی حرمت

خون کا حرام ہونا والدم سے ثابت ہے۔ علماء کرام کا اس بات پر اتفاق اور اجماع ہے کہ دم سے مراد بہنے والا خون ہے جسے دم مسفوح کہتے ہیں جس کی قرآن کریم میں تصریح ہے اود ما مسفوحا اہل جاہلیت بہنے والے خون کو پیا کرتے تھے اس آیت میں اس کو حرام قرار دیدیا گیا۔ حدیث شریف میں دو قسم کے خون کو مستثنیٰ کیا گیا ہے۔ احلت لنا دمان الکبد والطحال۔ ہمارے لئے دو خون حلال کئے گئے ہیں جگر اور تلی۔

خنزیر کا گوشت حرام ہے۔

یوں تو پورا خنزیر اس کا ہر ہر جز نص اور اجماع کی رو سے نجس ہے مگر چونکہ عام طور پر کھانے میں گوشت ہی آتا ہے اس لئے صرف گوشت کا ذکر کیا گیا ہے۔ ولحم الخنزیر اور خنزیر کا گوشت حرام ہے۔

غیر اللہ کے نام زد کردہ جانوروں کی حرمت

جن جانوروں کو غیر اللہ کے نام زد کر دیا گیا ہو ان کا کھانا حرام ہے وما اھل بہ لغیر اللہ یعنی وہ جانور جس پر ذبح کرتے وقت اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا گیا ہو جیسا کہ مشرکین جانور کو ذبح کرتے وقت یہ کہ باسم اللات والعزیٰ کہا کرتے تھے۔

منخنقہ کی حرمت

منخنقہ وہ جانور جو گلا گھٹ جانے سے مرگیا ہو اس کا کھانا بھی حرام ہے۔ والمنخنقۃ گلا گھٹ کر مرا ہوا جانور۔

موقوذہ کی حرمت

موقوذہ وہ جانور جو چوٹ لگنے سے مرگیا ہو اس کا کھانا بھی حرام ہے۔ والموقوذۃ اور چوٹ کھا کر مرا ہوا جانور

وقذ کا معنی سخت چوٹ، اہل جاہلیت جانور کو لاٹھی اور پتھر کی ضرب سے قتل کر کے بھی کھا لیتے تھے۔

متردیہ کی حُرمت

متردیہ اُوپر سے نیچے گر کر مرجانے والا جانور بھی حرام ہے والمتردیہ یعنی اُوپر سے لڑھک کر نیچے گر کر مرا ہوا یا کنوئیں میں گر کر ذبح کرنے سے پہلے مرگیا ہو۔

نطیحہ کی حُرمت

نطیحہ ٹکر لگنے سے مرا ہوا جانور بھی حرام ہے والنطیحہ یعنی ٹکر سے مرا ہوا جانور جیسے باہم ایک دوسرے کو ٹکر اور سینگوں سے مار ڈالتے ہیں۔

درندے کے کھائے ہوئے جانور کی حُرمت

وہ جانور جس کو درندہ نے کھا کر باقی حصّہ چھوڑ دیا ہو اور جانور کے پھاڑنے کے بعد ذبح کرنے سے پہلے وہ جانور مرچکا ہو وما اکل السبع اس جملہ سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر شکاری جانور نے شکار کا کچھ حصّہ کھا لیا ہو اور ذبح کرنے سے پہلے وہ شکار مرگیا ہو تو وہ حرام ہے اور اس کا کھانا جائز نہیں۔

ذبح کیا ہُوا جانور حلال ہے

جس جانور کے کچھ حصّہ کو درندہ نے کھا لیا ہو مگر مرنے سے پہلے اس کو ذبح کر دیا گیا ہو تو وہ حلال ہے جیسا کہ یہ حُکم الاما ذکیتم سے ثابت ہے جو کہ ماقبل میں حُرمت والے حُکم سے بطور استثناء مذکور ہے۔

تھانوں پر ذبح کئے گئے جانوروں کی حُرمت

تھانوں پر بھینٹ چڑھانے کے لئے ذبح کئے ہوئے جانور بھی حرام ہیں۔ وما ذبح علی النصب نصب جمع کا صیغہ ہے اور اس کا مفرد نصاب ہے جیسے کُتب جمع ہے کتاب کی۔ حضرت قتادہؒ و مجاھدؒ نے فرمایا کہ کعبہ

کے آس پاس ۳۶۰ پتھر نصب تھے جن کی پُوجا کی جاتی تھی۔ اہل جاہلیت ان کی پُوجا کرتے اور وہاں بھینٹ چڑھاتے تھے یہ بُت نہ تھے کیونکہ بُتوں کی تو مورتیاں یعنی صورتیں ہوتی ہیں۔ بعض لوگوں نے کہا کہ یہ مُورتیاں ہی تھیں۔

جوُئے کے تیروں سے فال نکالنے کی حُرمت

جوُئے کے تیروں سے فال نکالنا بھی حرام کردیا گیا ہے وان تستقسموا بالازلام۔ استقسام کا معنی اپنا اپنا نصیب پہچاننے کی طلب۔ ازلام، زلم کی جمع ہے جوُئے کے چھوٹے تیر جن میں نہ پر ہوتے تھے نہ پھل ازلام سات تھے جو کعبے کے مجاور کے پاس رہتے تھے یہ لکڑی کے بنے ہوئے ہوتے تھے ایک پر لکھا ہوتا تھا ہاں ٹھیک ہے، دوسرے پر لکھا ہوتا تھا نہیں۔ ایک پر لکھا ہوتا تھا تم میں سے' دوسرے پر لکھا ہوتا تھا تمہارے علاوہ، دوسروں سے۔ ایک پر لکھا ہوتا تھا چپاں دوسرے پر عقل اور ایک خالی ہوتا تھا۔

جب لوگ کسی کام کا ارادہ کرتے مثلاً سفر کا نکاح کا یا دامادی کا یا نسبت کا یا دیت میں اختلاف ہوتا تو ھبل کے پاس جاتے ھبل قریش کا سب سے بڑا بت تھا، وہاں پہنچ کر مجاور کو سو درہم دیتے وہ ترکش کو گھما کر تیر نکالتا۔ اگر "ہاں" نکلتا تو اس کام کو کرتے اور اگر نہیں نکلتا تو سال بھر اس کام کو نہیں کرتے۔ اور اگر تحقیق نسب کے لئے فال نکالتے اور تیر وہ نکلتا جس پر لکھا ہوتا تھا کہ "تم میں سے" تو اس کو اپنے قبیلہ کا ایک شریفُ النسب فرد قرار دیتے۔ اگر یہ نکلتا کہ تمہارے غیر سے تو اس کو اپنا معاہد دوست قرار دیتے۔

اور اگر چپاں لکھا ہُوا نکلتا تو ایسے شخص کو نہ اپنا نسبی شریک مانا جاتا اور نہ مُعاہد دوست قرار دیتے۔

اگر دیت کے متعلق اختلاف ہوتا تو فال نکالتے اور اگر فال میں عقل لکھا ہُوا نکل آتا تو دیت کا بار برداشت کرلیتے اور اگر بے نشان تیر نکلتا تو دوبارہ فال نکالتے یہاں تک کہ کچھ نہ کچھ لکھا ہُوا تیر نکل آتا تو اس کے موافق عمل کرتے اللہ تعالیٰ نے اس کی مُمانعت فرمادی۔

ماکولات میں بعض محللات اور بعض محرمات کا بیان

وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّفَرْشًا ؕ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ	اور مواشی میں اُونچے قد کے اور چھوٹے قد کے جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تم کو دیا ہے کھاؤ اور شیطان کے

الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۙ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۚ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ ؕ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ نَبِّـُٔوْنِيْ بِعِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۙ وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ ؕ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ وَصّٰىكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۧ (سورۃ الانعام آیت ۱۴۲، ۱۴۳)

قدم بقدم مت چلو۔ بلا شک وہ تمہارا صریح دشمن ہے۔ آٹھ نر مادہ یعنی بھیڑیں دو قسم اور بکری میں دو قسم آپ کہیے کہ کیا اللہ تعالیٰ نے ان دونوں نروں کو حرام کیا ہے یا دونوں مادہ کو یا اس کو جس کو دونوں مادہ پیٹ میں لئے ہوئے ہیں۔ مجھ کو کسی دلیل سے تو بتلاؤ اگر سچے ہو۔ اور اونٹ میں دو قسم اور گائے میں دو قسم۔ آپ کہئے کہ کیا اللہ تعالیٰ نے ان دونوں نروں کو حرام کیا ہے یا دونوں مادہ کو یا اس کو کہ جس کو دونوں مادہ پیٹ میں لئے ہوئے ہیں۔ کیا تم حاضر تھے جس وقت اللہ تعالیٰ نے تم کو اس کا حکم دیا، تو اس سے زیادہ کون ظالم ہوگا جو اللہ تعالیٰ پر بلا دلیل جھوٹ تہمت لگائے تاکہ لوگوں کو گمراہ کرے یقیناً اللہ تعالیٰ ظالم لوگوں کو راستہ نہ دکھلادیں گے۔

خلاصہ

مذکورہ آیت میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے انعام کی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں۔ (۱) حمولۃ یعنی سواری اور بار برداری کے جانور جیسے اونٹ، بیل (۲) فرشا یعنی وہ پست قد چھوٹے جانور جو سواری یا بار برداری کے کے کام میں نہیں آتے جیسے بھیڑ یا بکری اور اونٹ، گائے کے بچے۔

ماکول جانوروں کے کھانے کی اجازت

ماکول جانوروں کا کھانا جائز ہے۔ کلوا مما رزقکم اللہ آیت میں کلوا صیغہ امر اباحت کے لئے

ہے یعنی مذکورہ جانوروں کے کھانے کی اجازت ہے۔ مذکورہ آیات میں حلال جانوروں کی آٹھ اقسام بیان کی ہیں (۱) بھیڑ یا دُنبہ کی دو قسم نر اور مادّہ، گائے بھینس میں دو قسم نر اور مادہ، اسی طرح بکری کی دو قسم نر اور مادہ، اُونٹ میں دو قسم نر اور مادہ۔ یہ کُل آٹھ اقسام ہیں جن کا حلال ہونا مذکورہ آیت سے ثابت ہے۔

حرام جانوروں کے استعمال کا حُکم

قُلْ لَّآ اَجِدُ فِیْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ یَّكُوْنَ مَیْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِیْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَیْرِ اللّٰهِ بِهٖ فَمَنِ اضْطُرَّ غَیْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ

(سورۃ الانعام آیت نمبر ۱۴۵)

آپ کہہ دیجئے کہ جو کچھ احکام بذریعہ وحی میرے پاس آئے ہیں ان میں تو میں کوئی حرام غذا پاتا نہیں کسی کھانے والے کیلئے، جو اس کو کھائے مگر یہ کہ وہ مُردار ہو یا یہ کہ بہتا ہوا خون یا خنزیر کا گوشت کیوں کہ وہ بالکل ناپاک ہے یا جو شرک کا ذریعہ ہو کہ غیراللہ کے نامزد کردیا گیا ہو پھر جو شخص بیتاب ہوجائے بشرطیکہ نہ تو طالبِ لذّت ہو اور نہ تجاوز کرنیوالا ہو تو واقعی آپ کا ربّ غفورُالرحیم ہے۔

ماکولات میں سے محرمات کی حُرمت

مذکورہ بالا آیت میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے چند محرمات کو بیان کیا ہے اور حالتِ اضطرار میں حدِ اعتدال کو قائم رکھتے ہوئے ان کے کھالے کو جائز قرار دیا ہے فمن اضطر غیر باغ ولا عاد فان ربك غفور رحیم۔ ماکولات میں سے محرمات عشر کی حُرمت کا تفصیلی بیان سورۃ المائدہ کی آیت ۳ کی ذیل میں تحریر ہوچکا ہے۔

بعض اشیاء جو ہمارے لئے حلال ہیں وہ پہلے یہود پر حلال تھیں بعد میں حرام ہوگئیں

فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِیْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَیْهِمْ طَیِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَ بِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ كَثِیْرًا

سو یہود کے انہی بڑے بڑے جرائم کے سبب ہم نے بہت سی پاکیزہ چیزیں جو اُن کے لئے حلال تھیں ان پر حرام کردیں اور یہ سب اس لئے کہ وہ بہت سے

وَّاَخۡذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدۡ نُهُوۡا عَنۡهُ وَاَكۡلِهِمۡ اَمۡوَالَ النَّاسِ بِالۡبَاطِلِ ؕ وَاَعۡتَدۡنَا لِلۡكٰفِرِيۡنَ مِنۡهُمۡ عَذَابًا اَلِيۡمًا ‏. (سورۃ النساء آیت نمبر ۱٦۰ و ۱٦۱)	آدمیوں کو اللہ تعالیٰ کی راہ سے مانع بن جاتے تھے اور بہ سبب اس کے کہ وہ سود لیا کرتے تھے حالانکہ ان کو اس کی ممانعت کی گئی تھی اور بہ سبب اس کے کہ وہ لوگوں کے مال ناحق طریقہ سے کھا جاتے تھے اور

ہم نے ان لوگوں کے لئے جو ان میں کافر ہیں دردناک سزا کا سامان کر رکھا ہے۔

مفہوم آیت

آیت کا مفہوم یہ ہے کہ درج ذیل اسباب کی بناء پر ہم نے یہود پر کچھ چیزیں حرام کر دیں جو پہلے ان کے لئے حلال تھیں (۱) وہ ظلم عظیم کے مرتکب ہوئے (۲) انہوں نے بہت سے لوگوں کو صحیح دین اختیار کرنے سے روکا (۳) کتاب اللہ میں بہت تحریفیں کیں اور اسی طرح صحیح دین کے سمجھنے میں لوگوں کے لئے رکاوٹیں پیدا کیں (۴) وہ سود لیتے تھے حالانکہ توریت میں انہیں سود لینے کی ممانعت تھی (۵) رشوت وغیرہ کے ذریعہ لوگوں کے اموال ناجائز طور پر ہڑپ کر جاتے تھے۔ ان گناہوں کی سزا دنیا میں یہ ملی کہ کچھ حلال چیزیں ان پر حرام ہو گئیں اور آخرت میں ان کے لئے دردناک عذاب ہے لیکن دنیا و آخرت کی سزا صرف ان لوگوں کے لئے ہے جو کفر اور عصیاں پر ڈٹے رہے اور ان کے برخلاف جنہوں نے کفر و عصیان سے توبہ کر کے صحیح دین اختیار کر لیا وہ نجات پانے والے ہیں۔

جو حلال و طیب چیزیں یہود پر حرام کی گئی تھیں آیت زیر بحث میں صرف ان کی حرمت کا ذکر ہے اسی طرح اسباب حرمت کا ذکر ہے جس کی پوری تفصیل سورۃ الانعام آیت ۱۴٦ میں بیان ہو چکی۔

یہود پر حرام کردہ اشیاء کا بیان

وَعَلَى الَّذِيۡنَ هَادُوۡا حَرَّمۡنَا كُلَّ ذِىۡ ظُفُرٍ‌ ۚ وَمِنَ الۡبَقَرِ وَالۡغَنَمِ حَرَّمۡنَا عَلَيۡهِمۡ شُحُوۡمَهُمَاۤ اِلَّا مَا حَمَلَتۡ ظُهُوۡرُهُمَاۤ اَوِ الۡحَـوَايَاۤ اَوۡ مَا اخۡتَلَطَ	اور یہود پر ہم نے تمام ناخن والے جانور حرام کر دیئے تھے اور گائے اور بکری میں سے ان دونوں کی چربیاں ان پر ہم نے حرام کر دی تھیں مگر وہ جو ان کی پشت پر یا انتڑیوں میں لگی ہو یا جو ہڈی سے ملی ہو ان کی شرارت

بِظُلْمٍ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ ۖ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ۔ (سورۃ الانعام آیت ۱۴۶)

کے سبب ہم نے ان کو یہ سزا دی تھی اور ہم یقیناً سچے ہیں۔

یہود پر ناخن والے جانوروں کی حرمت

اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہود پر ان کی شرارتوں کے سبب ناخن والے جانور حرام کر دیئے تھے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وعلی الذین ھادوا حرمنا کل ذی ظفر۔ ذی ظفر سے مراد ہر وہ جانور ہے جس کے پاؤں میں انگلیاں ہوں جیسے اونٹ، شتر مرغ، درندے پرندے۔ کیونکہ ظفر (ناخن) انگلیوں پر ہی ہوتے ہیں۔ ایک روایت کے مطابق اس کا مصداق ہر پنجے والا اور سُم والا جانور ہے۔ سُم کو مجازاً ناخن کہا گیا ہے اور ایک روایت میں اس سے صرف شتر مرغ بطخ اور اونٹ مراد ہے۔

یہود پر گائے وبکری کی چربی کی حرمت

بکری اور گائے کی پیٹھ پہلو اور انتڑیوں کی چربی کے علاوہ باقی چربی کو اللہ تعالیٰ نے یہود پر حرام قرار دیدیا تھا۔ من البقر والغنم حرمنا علیھم شحومھما آیت کے اس جملہ میں گائے اور بکری کی چربی کو حرام قرار دے کر آگے بعض مقامات کی چربی کا استثناء کر دیا گیا ہے الا ما حملت ظھورھما او الحوایا او ما اختلط بعظم ان میں سے ہر ایک حرمتِ شحم سے مستثنیٰ ہے۔ یعنی ان پر گائے اور بکری کی چربی حرام کی مگر جو چربی ان کی پیٹھ پہلو یا انتڑیوں پر ہوتی ہے وہ حرام نہ تھی۔

مردہ جنین کی حرمت

وَقَالُوْا مَا فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰٓى اَزْوَاجِنَا ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مَّيْتَةً فَهُمْ فِيْهِ شُرَكَآءُ ۚ سَيَجْزِيْهِمْ وَصْفَهُمْ

اور وہ کہتے ہیں کہ جو چیز ان مواشی کے پیٹ میں ہے وہ خالص ہمارے مردوں کیلئے ہے اور ہماری عورتوں پر حرام ہے اور اگر وہ مردہ ہے تو اس میں سب برابر ہیں۔ ابھی اللہ تعالیٰ ان کو ان کی غلط بیانی کی سزا دیئے

إِنَّهُۥ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ۝ قَدْ خَسِرَ ٱلَّذِينَ قَتَلُوٓا۟ أَوْلَٰدَهُمْ سَفَهًۢا بِغَيْرِ عِلْمٍ وَحَرَّمُوا۟ مَا رَزَقَهُمُ ٱللَّهُ ٱفْتِرَآءً عَلَى ٱللَّهِ ۚ قَدْ ضَلُّوا۟ وَمَا كَانُوا۟ مُهْتَدِينَ ۝

(سورۃ الانعام آیت ۱۳۹ و ۱۴۰)

دیتا ہے۔ بلاشبہ وہ حکمت والا ہے۔ وہ بڑا علم والا ہے۔ واقعی خرابی میں پڑ گئے وہ لوگ جنہوں نے اپنی اولاد کو محض براہ حماقت بلا کسی سند کے قتل کر ڈالا اور جو چیزیں ان کو اللہ نے کھانے پینے کو دی تھیں ان کو حرام کر لیا محض اللہ پر افترا باندھنے کے طور پر بے شک یہ لوگ گمراہی میں پڑ گئے اور راہ پر چلنے والے نہیں۔

جانور کے پیٹ سے نکلا ہوا مردہ بچہ حرام ہے

جنین کہتے ہیں ماں کے پیٹ کے بچہ کو پھر اگر ماں کے پیٹ سے زندہ نکل آئے تو بالاتفاق ذبح کرنے سے حلال ہو جاتا ہے اور اگر مردہ نکلے تو امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کے نزدیک حرام ہے وان یکن میتۃ فھم فیہ شرکاء صاحبین اور امام شافعی رحمہم اللہ کے نزدیک اگر اس کے تمام اعضاء مکمل بن گئے ہیں تو وہ حلال ہے کیونکہ اس کی ماں کا ذبح ہی اس کا ذبح ہے۔

اور اگر ناقص الخلقت (اعضاء پورے نہیں بنے) تو حرام ہے۔

(نوٹ) یہ آیت کفار کی ایک رسم کی تردید کے بارے میں ہے۔ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ کفار کہتے ہیں کہ جانور کے پیٹ کا بچہ اگر زندہ نکل آئے تو اسے صرف مرد ہی کھا سکتے ہیں عورتوں پر حرام ہے اور اگر مردہ نکلے تو مردوں و عورتوں سب کے لئے اس کا کھانا حلال ہے۔

پاکیزہ چیزوں کی حلت اور ناپاک چیزوں کی حرمت

ٱلَّذِينَ يَتَّبِعُونَ ٱلرَّسُولَ ٱلنَّبِىَّ ٱلْأُمِّىَّ ٱلَّذِى يَجِدُونَهُۥ مَكْتُوبًا عِندَهُمْ فِى ٱلتَّوْرَىٰةِ وَٱلْإِنجِيلِ يَأْمُرُهُم بِٱلْمَعْرُوفِ وَيَنْهَىٰهُمْ عَنِ ٱلْمُنكَرِ

جو لوگ ایسے رسول نبی امی کا اتباع کرتے جن کو وہ لوگ اپنے پاس توریت و انجیل میں لکھا پاتے ہیں وہ ان کو نیک باتوں کا حکم فرماتے ہیں اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں اور پاکیزہ چیزوں کو ان کیلئے

وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ؕ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ؏ (سورۃ الاعراف آیت ۱۵۷)

حلال بتاتے ہیں اور گندی چیزوں کو ان پر حرام فرماتے ہیں اور ان لوگوں پر جو بوجھ اور طوق تھے ان کو دُور کرتے ہیں۔ سو جو لوگ اس نبی پر ایمان لاتے ہیں اور ان کی حمایت کرتے ہیں اور ان کی مدد کرتے ہیں اور اس نور کا اِتباع کرتے ہیں جو ان کے ساتھ بھیجا گیا ہے ایسے لوگ پُوری فلاح پانے والے ہیں۔

اُمّتِ محمّدیہ کے لئے پاکیزہ حلال اور گندی چیزیں حرام ہیں

نبی علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی اَوصاف میں سے ایک وصف یہ بیان کی ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم لوگوں کے لئے پاکیزہ اور پسندیدہ چیزوں کو حلال فرمائیں گے اور گندی چیزوں کو حرام قرار دیں گے۔ مُراد یہ ہے کہ بہت سی پاکیزہ پسندیدہ چیزیں جو بنی اسرائیل پر بطورِ سزا کے حرام کردی گئی تھیں۔ رسولِ کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم ان کی حُرمت کو ختم کردیں گے مثلاً حلال جانوروں کی چربی وغیرہ جو بنی اسرائیل کی بدکاریوں کی سزا کے طور پر ان پر حرام کردی گئی تھیں آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ان کو حلال قرار دیدیا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

ویحل لھم الطیبٰت ویحرم علیھم الخبائث ۔ اور پاکیزہ چیزوں کو ان کے لئے حلال فرماتے ہیں اور گندی چیزوں کو ان پر حرام فرماتے ہیں۔ اور گندی چیزوں میں خون، مُردار جانور، شراب اور تمام حرام جانور داخل ہیں اور تمام حرام ذرائع آمدنی بھی مثلاً سُود، رشوت، جُوا، وغیرہ (السراج المنیر) اور بعض حضرات نے بُرے اخلاق و عادات کو گندی چیزوں میں شمار فرمایا ہے۔

اُمّتِ محمّدیہ پر بعض احکام میں تخفیف

قرآن مجید نے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے اوصاف میں سے ایک وصف یہ بھی بیان کی ہے کہ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم اُمّت محمّدیہ سے مشکل احکام کو ہٹا کر آسانی فرمادیں گے ویضع عنھم اصرھم والاغلل التی کانت علیھم یعنی آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم ہٹادیں گے لوگوں سے اس بوجھ اور بند کو جو ان پر مسلط تھا۔ لفظ اِصر کے معنی بارِ گراں کے ہیں جو آدمی کو حرکت کرنے سے روک دے اور اغلال غلّ کی جمع ہے۔ غلّ اس ہتکڑی کو کہتے ہیں جس کے ذریعے

مجرم کے ہاتھوں کو اس کی گردن کے ساتھ باندھ دیا جاتا ہے اور وہ بالکل بے اختیار ہو جاتا ہے۔

اصر و اغلل یعنی بارِ گراں اور قید سے مراد اس آیت میں وہ احکامِ شاقہ اور دشوار واجبات ہیں جو اصل دین میں مقصود نہ تھے بلکہ بنی اسرائیل پر بطورِ سزا کے لازم کر دیئے تھے۔ مثلاً کپڑا ناپاک ہو جائے تو پانی سے دھونا بنی اسرائیل کے لئے ناکافی تھا بلکہ یہ واجب تھا کہ جس جگہ نجاست لگی ہے اس کو کاٹ دیا جائے اور کفار سے جہاد کرنے میں جو مالِ غنیمت ان کو ہاتھ آئے وہ ان کے لئے حلال نہیں تھا بلکہ آسمان سے ایک آگ آ کر اس کو جلادیتی تھی، ہفتہ کے دن شکار کھیلنا ان کے لئے حرام تھا جن اعضا سے کوئی گناہ صادر ہوتا ان اعضاء کو کاٹ دینا واجب تھا کسی کا قتل خواہ عمداً ہو یا خطاءً دونوں صورتوں میں قصاص یعنی قاتل کا قتل کرنا واجب تھا خون بہا دینے کا قانون نہ تھا ان احکامِ شاقہ کو جو بنی اسرائیل پر نافذ تھے قرآنِ کریم میں اصر اور اغلل سے تعبیر کیا ہے اور یہ خبر دی کہ رسُولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم، ان سخت احکام کو منسوخ کر کے سہل اور آسان احکام جاری فرمائیں گے۔ اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں فرمایا کہ میں نے تم کو ایک سہل اور آسان شریعت پر چھوڑا ہے جس میں نہ کوئی مشقت ہے نہ گمراہی کا اندیشہ۔

قُربانی کے احکام

اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ	بے شک ہم نے آپ کو کوثر (ایک حوض کا نام ہے اور ہر خیر کثیر بھی اس میں داخل ہے) عطاء فرمائی ہے سو (ان نعمتوں کے شکریہ میں) آپ اپنے پروردگار کی نماز پڑھیئے اور قربانی کیجئے۔ بالیقین آپ کا دشمن ہی بے نام و نشان ہے۔
سورۃ الکوثر آیت (آخری پارہ)	

سببِ نزول

تفسیرِ حسینی میں ہے کہ عاص بن وائل باب بنی ہاشم کے پاس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کچھ باتیں کر رہا تھا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اپنے گھر واپس چلے جانے کے بعد عاص مسجد حرام میں داخل ہوا اس سے قریش کے بڑے بڑے سردار

نے جو اس وقت وہاں موجود تھے، پوچھا تم کس سے باتیں کر رہے تھے تو اس نے کہا کہ ایک ایسے آدمی سے جس کی نسل منقطع ہے۔ یہ لفظ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سخت غمگین ہوئے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ سورۃ نازل فرمائی کہ ہم نے آپ کو بہت بھلائی عطا کی ہے علم عطا کیا ہے، عمل کی توفیق دی ہے اولاد عطا کی ہے بہت سے لوگوں کو آپ کا فرماں بردار بنایا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں بہت سے اہل علم پیدا ہوں گے۔ آپ کو قرآن کریم عطا کیا۔ لہٰذا آپ اللہ تعالیٰ کے انعامات کے شکریہ کے طور پر اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے نماز پڑھئے۔

قربانی کا وجوب

سورۃ کوثر میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کے توسط سے پوری امت کو دو باتوں کا حکم فرمایا ہے (۱) نماز پڑھنے اور قربانی کرنے کا فصل لربک وانحر۔ یعنی آپ اپنے پروردگار کی نماز پڑھئے اور قربانی کیجئے اس میں ان لوگوں کی مخالفت بھی ہو گئی جو اللہ تبارک و تعالیٰ سے غافل ہیں۔ اس طور پر کہ آپ کو حکم ارشاد فرمایا کہ اونٹ جو عرب کے بہترین اموال ہیں کی قربانی کیجئے اور اس شخص کی مخالفت میں جو معمولی اشیاء بھی لوگوں کو نہیں دیتا۔ فرمایا کہ آپ محتاجوں پر بہت سامان خرچ کیجئے یا یہ کہ عید الاضحیٰ کی نماز پڑھئے اور اس کے بعد قربانی کیجئے۔ یا یہ مطلب ہے کہ صبح کی نماز مزدلفہ میں پڑھئے اور منیٰ میں آکر قربانی کیجئے۔

نماز عید سے پہلے قربانی کرنا منع ہے

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ (سورۃ الحجرات آیت ۱)	اے ایمان والو اللہ اور رسول (کی اجازت سے) پہلے تم سبقت مت کیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ تعالیٰ (تمہارے سب اقوال کو) سننے والا اور (تمہارے سب افعال کو) جاننے والا ہے۔)

نماز عید سے پہلے قربانی کرنا ناجائز ہے

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ سے مروی ہے کہ کچھ لوگوں نے عید الاضحیٰ کی نماز سے پہلے ہی قربانی کا جانور ذبح کر دیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لہٰذا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں نماز کے بعد نئی قربانی کرنے کا حکم دیا۔
معلوم ہوا کہ نماز سے پہلے قربانی کرنا ناجائز ہے۔

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ

سو ایسا کیوں نہ کیا جائے کہ ان کی ہر بڑی جماعت میں سے ایک ایک چھوٹی جماعت (جہاد میں) جایا کرے تاکہ (یہ) باقی ماندہ لوگ دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرتے رہیں۔ (القرآن)

كِتَابُ الْفَرَائِض

میراث کے احکام

لِلرِّجَالِ نَصِیْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ۪ وَلِلنِّسَآءِ نَصِیْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ ؕ نَصِیْبًا مَّفْرُوْضًا ۝ وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَالْیَتٰمٰى وَالْمَسٰكِیْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝
(سورۃ النساء آیت ۷)

مردوں کے لئے بھی حصہ ہے اس چیز میں سے جس کو ماں باپ اور بہت نزدیک کے قرابت دار چھوڑ جاویں اور عورت کیلئے بھی حصہ ہے اس چیز میں سے جس کو ماں باپ اور بہت نزدیک کے قرابت دار چھوڑ جاویں خواہ وہ چیز قلیل ہو یا کثیر حصہ قطعی۔

شانِ نزول

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں ایک واقعہ پیش آیا کہ اوس بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال ہوا اور انہوں نے دو لڑکیاں ایک لڑکا نابالغ اور ایک بیوی وارث چھوڑے مگر عرب کے قدیم دستور کے مطابق ان کے دو چچازاد بھائیوں نے آکر مرحوم کے پورے مال پر قبضہ کرلیا اور اولاد و بیوی میں سے کسی کو کچھ نہ دیا کیونکہ ان کے نزدیک عورت تو مطلقاً وراثت کی مستحق نہیں سمجھی جاتی تھی خواہ بالغ ہو یا نابالغ، اس لئے بیوی اور دونوں لڑکیاں تو یوں محروم ہوگئیں اور لڑکا نابالغ ہونے کی وجہ سے محروم کردیا گیا۔ لہٰذا پورے مال کے وارث چچازاد بھائی ہوگئے۔

اوس بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوہ نے یہ بھی چاہا کہ یہ چچازاد بھائی جو پورے ترکہ پر قبضہ کررہے ہیں تو ان دونوں لڑکیوں سے شادی بھی کرلیں تاکہ ان کی فکر سے فراغت ہو مگر انہوں نے یہ بھی قبول نہ کیا تب اوس بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوہ نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرضِ حال کیا اور اپنی اور اپنے بچوں کی بیکسی اور محرومی کی شکایت کی اس وقت تک چونکہ قرآن حکیم میں آیت میراث نازل نہیں ہوئی تھی اس لئے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دینے میں توقف کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطمینان تھا کہ وحی الٰہی کے ذریعہ اس ظالمانہ قانون کو ضرور بدلہ جائے گا، چنانچہ اسی وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے احکام قرآن کے مطابق کل ترکہ کا آٹھواں حصہ بیوہ کو دیکر

باقی سب مال مرحوم کے لڑکے اور لڑکیوں کو اس طرح تقسیم کیا کہ اس کا آدھا لڑکے کو اور آدھے میں دونوں لڑکیاں برابر کی شریک رہیں اور چچازاد بھائی چونکہ اولاد کے مقابلہ میں اقرب نہ تھے اس لئے ان کو محروم کیا گیا۔

اِستحقاقِ میراث کا ضابطہ

مذکورہ آیت کے جملہ للرجال نصیب مما ترک الوالدان والاقربون میں لفظ والدان اور اقربون نے وراثت کے دو بنیادی اصول بتلادیئے، ایک رشتۂ ولادت جو اولاد اور ماں باپ کے درمیان ہے جس کو لفظ والدان سے بیان کیا گیا ہے دوسرے عام رشتہ دار جو لفظ اقربون کا مفہوم ہے اور صحیح یہ ہے کہ لفظ اقربون ہر قسم کی قرابت اور رشتہ داری کو شامل ہے خواہ وہ رشتہ باہمی ولادت کا ہو جیسے اولاد اور ماں باپ میں یا دوسری طرح کا جیسے عام خاندانی رشتوں میں یا وہ رشتے جو ازدواجی تعلق سے پیدا ہوئے ہیں لفظ اقربون سب کو شامل ہے لیکن والدین کو ان کی اہمیت کی وجہ سے بطور خاص جدا کر دیا گیا پھر اس لفظ نے یہ بھی بتلا دیا کہ مطلق رشتہ داری وراثت کے لئے کافی نہیں بلکہ رشتہ میں اقرب ہونا شرط ہے کیونکہ اگر قربیت کو معیار شرط نہ بنایا جائے تو مرنے والے کی وراثت پوری دنیا کی تمام انسانی آبادی پر تقسیم کرنا ضروری ہو جائے گا کیونکہ سب ایک ماں باپ آدم وحوا علیہما السلام کی اولاد ہیں۔ دور یا قریب کا کچھ نہ کچھ رشتہ سب میں ضرور موجود ہے اور یہ اول تو امکان سے باہر ہے، دوسرے اگر کسی طرح کوشش کر کے اس کا انتظام کر بھی لیا جائے تو متروکہ مال جزء لایتجزیٰ بن کر تقسیم ہو سکے گا جو کسی کے کام نہ آئے گا۔

اس لئے ضروری ہے کہ جب وارثت کا مدار رشتہ داری پر ہو تو اصول یہ بنایا جائے کہ اگر نزدیک دور کے مختلف رشتہ دار جمع ہوں تو قریبی رشتہ دار کو بعید پر ترجیح دے کر اقرب کے ہوتے ہوئے ابعد کو حصہ نہ دیا جائے ہاں اگر کچھ رشتہ دار ایسے ہوں جو بیک وقت سب کے سب اقرب قرار دیئے جائیں اگرچہ اقربیت کی وجوہ ان میں مختلف ہوں تو پھر یہ سب مستحق وارثت ہونگے جیسے اولاد کے ساتھ ماں باپ یا بیوی وغیرہ سب اقرب ہیں اگرچہ قرابت کی وجوہ مختلف ہیں۔

متوفی کی ملکیت میں جو کچھ ہو سب ورثا کا حق ہے

میت کی ملکیت میں جو چیز بھی ہو خواہ تھوڑی ہو یا زیادہ اس میں سب ورثا کا حق ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے مما قل منہ او کثر آیت کے ان الفاظ سے ایک دوسری جاہلانہ رسم کی اصلاح فرمائی گئی ہے وہ یہ کہ بعض قوموں میں بعض اقسام مال کو بعض خاص وارثوں کے لئے مخصوص کر دیا جاتا تھا۔ مثلاً گھوڑا اور تلوار وغیرہ اسلحہ یہ سب کی سب

چیزیں صرف نوجوان مردوں کا حق شمار ہوتا تھا، دوسرے وارثوں کو ان سے محروم کر دیا جاتا تھا۔ قرآنِ کریم کی اس آیت نے بتلا دیا کہ میت کی ملکیت میں جو چیز بھی ہو خواہ بڑی ہو یا چھوٹی ہر چیز میں ہر وارث کا حق ہے کسی وارث کے لئے کوئی خاص چیز تقسیم کے بغیر خود رکھ لینا جائز نہیں۔

میراث کے مقررہ حصے اللہ تعالیٰ کی طرف سے طے شدہ ہیں

قرآن مجید نے میراث کے بارے میں جو مختلف وارثوں کے مختلف حصہ بیان فرمائے ہیں یہ سب اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ ہیں ان میں کسی کو اپنی رائے اور قیاس سے کمی بیشی یا تغیر و تبدل کا کوئی حق نہیں جیسا کہ آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا نَصِيبًا مفروضًا یعنی میراث کے حصہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ ہیں۔

وراثت ایک جبری ملک ہے

آیت کے مذکورہ بالا آخری حصہ نَصِيبًا مفروضًا سے ایک مسئلہ یہ بھی معلوم ہو گیا کہ وراثت کے ذریعہ جو ملکیت وارثوں کی طرف منتقل ہوتی ہے یہ ملکیت جبری ہے اس میں وارث کا اس ملکیت پر راضی ہونا یا اس کا قبول کرنا شرط نہیں۔ وارث اس پر راضی ہو یا نہ ہو اسی طرح اس کو قبول کرے یا نہ کرے بہرصورت یہ اس کا ملک ہے اگرچہ وہ زبان سے صاف طور پر یوں بھی کہدے کہ میں اپنا حصہ نہیں لیتا تب بھی وہ شرعاً اپنے حصہ کا مالک ہو چکا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ وہ مالک بن کر شرعی قاعدہ کے مطابق کسی دوسرے کو وہ مال ھبہ کر دے یا بیچ ڈالے یا تقسیم کر دے۔

ترکہ میں غیر وارث یتامیٰ و مساکین کا حق

وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا (سورۃ النساء۔ آیت ۸)	اور جب تقسیم ہونے کے وقت آموجود ہوں رشتہ دار اور یتیم اور غریب لوگ تو ان کو بھی اس میں سے کچھ حصہ دے دو اور ان کے ساتھ خوبی سے بات کرو۔

دُور کے رشتہ دار یتامیٰ اور مساکین کا حق

جو دُور کے رشتہ دار یتیم اور مسکین جن کا میراث میں تو کچھ حصّہ نہ ہو میراث میں حصہ پانے سے تو محروم ہوں اگر وہ تقسیم میراث کے وقت آجائیں تو میراث پانے والوں کا اخلاقی فرض ہے کہ مال میراث میں سے اپنے اختیار سے کچھ حصّہ ان کو بھی دیدیں جو اُن کے لئے ایک قسم کا صدقہ اور باعثِ ثواب ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے واذا حضر القسمة اولوا القربیٰ والیتامیٰ والمساکین تو ایسے وقت میں جب کہ ایک مال بغیر سعی اور عمل کے محض خدا تعالیٰ کے دین کی برکت سے انہیں مل رہا ہے تو صدقہ و خیرات فی سبیل اللہ کا داعیہ خود بھی دل میں پیدا ہونا چاہیئے جیسا کہ اس کی ایک نظیر دوسری آیت میں مذکور ہے کلوا من ثمرہٖ اذا اثمر واٰتوا حقه یوم حصادہٖ یعنی اپنے باغ کا پھل کھاؤ جب وہ پھل دینے لگے اور جس روز پھل کاٹو تو اس کا حق نکال کر فقراء و مساکین کو دیدو۔

رشتہ داروں کو معقول طریقے سے سمجھانے کا حکم

یعنی اگر دُور کے رشتہ دار یتامیٰ اور مساکین جن کا میراث میں تو کوئی حصہ نہ تھا مگر ورثاء نے اپنے اختیار سے ان کو کچھ تھوڑا سا مال دیدیا جس پر یہ راضی نہ ہوں اور دُوسروں کے برابر حصّہ کا مطالبہ کریں تو چونکہ ان کا یہ مطالبہ قانون شرعی کے خلاف اور غیر منصفانہ ہے اس لئے ان کا مطالبہ پورا کرنے کی تو گنجائش نہیں لیکن ان کو بھی ان کو کوئی ایسی بات نہ کہی جائے جس سے ان کی دل شکنی ہو بلکہ معقول طور پر ان کو سمجھا دیا جائے کہ شرعی قاعدہ کی رُو سے میراث میں تمہارا کوئی حصّہ نہیں ہے ہم نے جو کچھ دیا ہے وہ تبرعاً (احساناً) دیا ہے۔ وقولوا لهم قولاً معروفاً اور ان کے ساتھ خوبی سے بات کرو۔

(نوٹ) ایک بات یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ ان کو تبرعاً جو دیا جائے گا وہ مجموعی مال سے نہیں بلکہ جو ورثاء تقسیم کے وقت موجود ہوں اور بالغ ہوں وہ اپنے حصّہ میں سے دیدیں اور جو ورثاء موجود نہیں ہیں یا نابالغ ہیں ان کے حصہ میں سے دینا درست نہیں ہے۔

میراث میں مختلف رشتہ داروں کے حصّے

یُوصِیکُمُ اللّٰہُ فِی اَوْلَادِکُمْ لِلذَّکَرِ مِثْلُ | اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کے باب میں لڑکے

حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ ۚ فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَیْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۚ وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ؕ وَلِاَبَوَیْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنْ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ لَّمْ یَكُنْ لَّهٗ وَلَدٌ وَّوَرِثَهٗۤ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهٗۤ اِخْوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ مِنْۢ بَعْدِ وَصِیَّةٍ یُّوْصِیْ بِهَاۤ اَوْ دَیْنٍ ؕ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ لَا تَدْرُوْنَ اَیُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ؕ فَرِیْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِیْمًا حَكِیْمًا ۔ (سورۃ النساء، آیت ۱۱)

کا حصہ دُو لڑکیوں کے حصہ کے برابر ہے اور اگر وہ لڑکیاں ہی ہوں گو دُو سے زیادہ ہوں تو ان لڑکیوں کو دُو تہائی ملے گا اس مال کا جو کہ مورث چھوڑ مرا۔ اور اگر ایک ہی لڑکی ہو تو اس کو نصف ملے گا اور ماں باپ کے لئے یعنی دونوں میں سے ہر ایک کے لئے میت کے ترکہ میں سے چھٹا چھٹا حصہ ہے۔ اگر میت کے کچھ اولاد ہو اور اگر اس میت کے کچھ اولاد نہ ہو اور اس کے ماں باپ ہی اس کے وارث ہوں تو اس کی ماں کا ایک تہائی ہے اور اگر میت کے ایک سے زیادہ بھائی بہن ہوں تو اس کی ماں کو چھٹا حصہ ملے گا۔ وصیت نکال لینے کے بعد کہ میت اس کی وصیت کر جائے یا دین کے بعد تمہارے اصول و فروع جو ہیں تم پورے طور پر نہیں جان سکتے ہو کہ ان میں کا کون سا شخص تم کو نفع پہنچانے میں نزدیک تر ہے یہ حکم من جانب اللہ مقرر کر دیا گیا ہے بالیقین اللہ تعالیٰ بڑے علم والے اور حکمت والے ہیں۔

والدین کے ترکہ میں اولاد کا حصّہ

میراث کی تقسیم الاقرب فالاقرب کے اصول پر ہوگی۔ مرنے والے کی اولاد اور اس کے والدین چونکہ اقرب ترین ہیں اس لئے ان کو ہر حال میں میراث ملتی ہے یہ دونوں رشتے انسان کے قریب ترین اور بلا واسطہ رشتے ہیں دوسرے رشتے بالواسطہ ہوتے ہیں۔ قرآن مجید میں سب سے پہلے ان ہی کے حصے بیان فرمائے۔ اور اولاد کے حصہ سے شروع فرمایا اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین آیت کے مذکورہ جملہ میں اللہ تعالیٰ نے ایک ایسا قاعدہ کلیہ بیان کیا ہے جس کے تحت لڑکے اور لڑکیوں دونوں کو میراث کا مستحق بھی بنایا اور ہر ایک کا حصہ بھی مقرر کر دیا اور یہ اصول معلوم ہو گیا کہ جب مرنے والے کی اولاد میں لڑکے اور لڑکیاں دونوں ہوں تو

ان کے حصہ میں جو مال آئے گا اسی طرح تقسیم ہو گا کہ ہر لڑکے کو لڑکی کے مقابلہ میں دوگنا مل جائے گا مثلاً کسی نے ایک لڑکا اور دو لڑکیاں چھوڑے تو کل مال کے چار حصے کر کے ۲/۴ لڑکے کو اور ۱/۴ ہر لڑکی کو دیدیا جائے گا۔

لڑکیوں کو میراث سے حصہ دینے کی اہمیت

قرآن مجید نے لڑکیوں کو حصہ دلانے کا اس قدر اہتمام کیا ہے کہ لڑکیوں کے حصہ کو اصل قرار دے کر اس کے اعتبار سے لڑکوں کا حصہ بتلا دیا۔ فرمایا للذکر مثل حظ الانثیین یعنی لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے حصہ کے برابر ہے اور اس کے بجائے یہ نہیں فرمایا کہ للانثیین مثل حظ الذکر۔ کہ دو لڑکیوں کو ایک لڑکے کے حصہ کے بقدر حصہ ملے گا ـــــــ اور جو لوگ بہنوں کو حصہ نہیں دیتے اور بہنیں یہ سمجھ کر کہ حصہ ملنے والا تو ہے نہیں با دل نخواستہ شرما شرمی معاف کر دیتی ہیں کہ بھائیوں سے بُرائی کیوں مول لی جائے ایسی معافی شرعاً معافی نہیں ہوتی بلکہ ان کا حق بھائیوں کے ذمہ لازم اور واجب رہتا ہے۔ یہ میراث دبانے والے سخت گنہگار ہیں ان میں بعض بچیاں نابالغ بھی ہوتی ہیں ان کو حصہ نہ دینا دُہرا گناہ ہے۔ ایک گناہ تو شرعی وارث کے حصہ کو دبانے کا اور دُوسرا یتیم کے مال کو کھانے کا۔

لڑکیوں کے حصہ کی تشریح

اگر میت کے اولاد نرینہ نہ ہو صرف لڑکیاں ہی ہوں اور ایک سے زائد ہوں تو ان کو مال موروث سے دو تہائی ملے گا جس میں سب لڑکیاں برابر کی شریک ہوں گی اور باقی ایک تہائی دوسرے ورثا مثلاً میت کے والدین، بیوی یا شوہر وغیرہ میراث کے حق داروں کو ملے گا دو لڑکیاں اور دُو سے زائد سب دو تہائی میں شریک ہونگی دو لڑکیوں سے زائد کا حکم تو قرآن کریم کی آیت میں صراحتہً مذکور ہے فان کن نساءً فوق اثنتین فلھن ثلثا ما ترك۔ اس آیت میں فوق اثنتین کے الفاظ اس پر دلالت کرتے ہیں اور اگر لڑکیاں دو ہوں تو اس کا حکم بھی وہی ہے جو دو سے زیادہ کا حکم ہے جیسا کہ حدیث شریف میں مذکور ہے۔

میت کی صرف ایک لڑکی ہو تو میراث میں اس کا حصہ

اگر مرنے والے نے اپنی اولاد میں صرف ایک لڑکی چھوڑی ہے اور اس کے علاوہ اس کی نرینہ اولاد نہیں ہے تو اس کو اس کے والد

یا والدہ کے چھوڑے ہوئے مال موروث کا آدھا حصہ ملے گا باقی نصف دوسرے ورثار کو ملے گا وان کانت واحدۃ فلہا النصف۔

میراث میں والد کا حصّہ

اللہ تبارک و تعالیٰ نے مرنے والے کے ماں باپ کے تین مختلف حالتوں میں تین حصّے بیان فرمائے ہیں جیسا کہ آیتِ کریمہ کے درج ذیل حصہ سے معلوم ہوتا ہے ولابویہ لکل واحد منہما السدس مما ترک ان کان لہ ولد اس میں پہلی حالت کا ذکر ہے کہ مرنے والے نے اپنے والدین زندہ چھوڑے ہوں اور اولاد بھی چھوڑی ہو خواہ ایک ہی لڑکا یا لڑکی ہو اس صورت میں ماں اور باپ دونوں میں سے ہر ایک کو چھٹا چھٹا حصہ ملے گا باقی مال دیگر ورثا یعنی اولاد بیوی یا شوہر لیں گے اور بعض حالات میں کچھ بچا ہوا والد کو پہنچ جاتا ہے جو اس کے لئے مقرر چھٹے حصہ کے علاوہ ہوتا ہے علم فرائض کی اصطلاح میں اس طرح کے استحقاق کو استحقاقِ تعصیب کہتے ہیں :

دوسری حالت یہ ہے کہ مرنے والے کی اولاد اور بھائی بہن نہ ہوں اور ماں باپ موجود ہوں تو اس صورت میں مال موروث کا ⅓ ایک تہائی ماں کو اور باقی دو تہائی باپ کو مل جائیں گے فان لم یکن لہ ولد وورثہ ابواہ فلامہ الثلث یہ اس صورت کا حکم ہے جبکہ مرنے والے کے ورثار میں اس کا شوہر یا اس کی بیوی بھی موجود نہ ہو، اگر شوہر یا بیوی موجود ہو تو سب سے پہلے ان کا حصہ الگ کیا جاوے گا اور باقی میں ⅓ ایک تہائی والدہ کو اور ⅔ دو تہائی والد کو مل جائے گا۔ تیسری حالت یہ ہے کہ مرنے والے کی اولاد تو نہ ہو لیکن بھائی بہن ہوں جن کی تعداد دو ہو، خواہ دو بھائی ہوں خواہ دو بہنیں ہوں یا دو سے زیادہ ہوں اس صورت میں ماں کو چھٹا حصہ ملے گا۔ اور اگر کوئی اور وارث نہیں ہے تو بقیہ ⅚ باپ کو ملے گا۔ فان کان لہ اخوۃ فلامہ السدس بھائیوں اور بہنوں کی موجودگی سے ماں کا حصّہ کم ہو گیا لیکن بھائی بہن کو بھی کچھ نہیں ملے گا۔ کیونکہ باپ بہ نسبت بھائی بہن کے اقرب ہے جو بچے گا باپ کو مل جائیگا اس صورت میں ماں کا حصہ ⅓ کے بجائے ⅙ ہو گیا۔ علم فرائض کی اصطلاح میں اس کو حجب نقصان کہتے ہیں اور یہ بہن بھائی جن کی وجہ سے ماں کا حصّہ کم ہو رہا ہے خواہ حقیقی ہوں یا باپ شریک علاتی بہر صورت ان کی موجودگی سے ماں کا حصہ گھٹ جائے گا۔ بشرطیکہ ایک سے زیادہ ہوں۔

میراث کے جو حصّے اللہ تبارک و تعالیٰ نے مقرر فرمائے ہیں وہ اس کا قطعی شدہ حکم ہے اس میں کسی کو رائے زنی یا کمی بیشی کا کوئی حق نہیں اور تمہیں پورے اطمینانِ قلب کے ساتھ اسے قبول کرنا چاہیئے۔ تمہارے خالق و مالک کا یہ حکم

بہتر ین حکمت ومصلحت پر مبنی ہے اباء کم وابناء کم لا تدرون ایھم اقرب لکم نفعا فریضۃ من اللہ ان اللہ کان علیما حکیما؁ تمہیں خود اپنے نفع ونقصان کی حقیقی پہچان نہیں ہو سکتی جبکہ تمہارے نفع کا کوئی پہلو اللہ کے احاطۂ علم سے باہر نہیں اور وہ جو کچھ حکم کرتا ہے کسی حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔

میراث میں شوہر اور بیوی کا حصّہ کلالہ اور بہن بھائی کی میراث

وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُنَّ وَلَدٌ فَإِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِينَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ وَلَدٌ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلَالَةً أَوِ امْرَأَةٌ وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا السُّدُسُ فَإِنْ كَانُوا أَكْثَرَ مِنْ ذَٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثُّلُثِ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصَىٰ بِهَا أَوْ دَيْنٍ غَيْرَ مُضَارٍّ وَصِيَّةً مِنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَلِيمٌ؁

(سورۃ النساء، آیت ۱۲)

اور تم کو آدھا ملے گا اس ترکہ کا جو تمہاری بیبیاں چھوڑ جائیں اگر ان کے کچھ اولاد نہ ہو اور اگر ان بیبیوں کے کچھ اولاد ہو تو تم کو ان کے ترکہ سے ایک چوتھائی ملے گا وصیّت نکالنے کے بعد کہ وہ اس کی وصیّت کر جائیں۔ یا دین کے بعد اور ان بیبیوں کو چوتھائی ملے گا اس ترکہ کا جس کو تم چھوڑ جاؤ۔ اگر تمہارے کچھ اولاد نہ ہو اور اگر تمہارے کچھ اولاد ہو تو ان کو تمہارے ترکہ سے آٹھواں حصّہ ملے گا وصیّت نکالنے کے بعد کہ تم ان کی وصیّت کر جاؤ یا دین کے اور اگر کوئی میّت کہ جس کی میراث دوسروں کو ملے گی۔ خواہ وہ میّت مرد ہو یا عورت، ایسا ہو جس کے نہ اصول ہوں نہ فروع اور اس کے ایک بھائی یا ایک بہن ہو تو ان دونوں میں سے ہر ایک کو چھٹا حصّہ ملے گا پھر اگر یہ لوگ اس سے زیادہ ہوں تو وہ سب تہائی میں شریک ہوں گے وصیّت نکالنے کے بعد جس کی وصیّت کر دی جاوے یا دین کے بعد بشرطیکہ کسی کو ضرر نہ پہنچاوے یہ حکم کیا گیا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والے حلیم ہیں۔

میاں بیوی کا حصّہ

اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن مجید میں شوہر اور بیوی کے میراث میں حصہ کو بیان کیا ہے، جس کی تفصیل یہ ہے کہ فوت ہونے والی عورت نے اگر کوئی بھی اولاد نہ چھوڑی ہو تو شوہر کو بعد ادائے دَین وانفاذ وصیّت کے مرحومہ کے کُل مال کا نصف ملے گا اور باقی نصف میں دوسرے ورثا مثلاً مرحومہ کے والدین بھائی بہن حسبِ قاعدہ حصہ پائیں گے اور اگر مرنے والی نے اولاد چھوڑی ہو ایک ہو یا دو ہوں یا اس سے زائد ہوں لڑکا ہو یا لڑکی ہو اس شوہر سے ہو جس کو چھوڑ کر وفات پائی ہے یا اس سے پہلے کسی اور شوہر سے ہو تو اس صورت میں موجودہ شوہر کو مرحومہ کے مال سے اَدائے دَین وانفاذ وصیّت کے بعد کُل مال کا چوتھائی ملے گا اور بقیہ تین چوتھائی حصے دوسرے ورثاء کو ملیں گے ولکم نصف ما ترك ازواجكم ان لم يكن لهن ولد فان كان لهن ولد فلكم الربع مما تركن من بعد وصية يوصين بها او دين یہ تو شوہر کے حصّوں کی تفصیل تھی اور اگر میاں بیوی میں سے مرنے والا شوہر ہے اور اس نے کوئی اولاد نہیں چھوڑی تو اَدائے دَین اور انفاذ وصیّت کے بعد بیوی کو مرنے والے کے کُل مال کا چوتھائی ملے گا اور اگر اس نے کوئی اولاد چھوڑی ہے تو خواہ اس بیوی سے ہو یا کسی اور بیوی سے تو اس صورت میں اَدائے دَین اور انفاذِ وصیت کے بعد بیوی کو آٹھواں حصہ ملے گا۔ اور اگر بیوی ایک سے زیادہ ہیں تو بھی مذکورہ تفصیل کے مطابق ایک بیوی کے حصّہ میں جتنی میراث آئے گی وہ اُن سب بیویوں میں تقسیم ہو گی۔ یعنی ہر عورت کو چوتھائی یا آٹھواں حصّہ نہیں ملے گا بلکہ سب بیویاں چوتھائی یا آٹھویں حصّہ میں شریک ہوں گی اور ان دونوں حالتوں میں شوہر اور بیوی کو ملنے کے بعد جو کچھ ترکہ بچے گا وہ ان کے دوسرے ورثا میں تقسیم کر دیا جائے گا۔

يَسْتَفْتُوْنَكَ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗٓ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ وَهُوَ يَرِثُهَآ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ وَاِنْ كَانُوْٓا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَآءً

لوگ آپ سے حکم دریافت کرتے ہیں۔ آپ فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ تم کو کلالہ کے باب میں حکم دیتا ہے کہ اگر کوئی شخص مرجاوے جس کے اولاد نہ ہو (اور نہ ماں باپ) اور اس کے ایک عینی یا علاتی بہن ہو تو اس کو اس کے تمام ترکہ کا نصف ملے گا اور وہ شخص اس (اپنی بہن) کا وارث ہو گا اگر (وہ بہن مرجاوے اور) اس کے اولاد نہ ہو (اور والدین

فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ۔

(سورۃ النساء آیت ۱۷۶)

بھی نہ ہوں) اور اگر بہنیں دو ہوں (یا زیادہ) تو ان کو اس کے کُل ترکہ میں سے دو تہائی ملیں گے اور اگر وارث چند بھائی بہن ہوں مرد اور عورت تو ایک مرد کو دو عورتوں کے حصہ کے برابر، اللہ تعالیٰ تم سے (دین کی باتیں) اس لئے بیان کرتے ہیں کہ تم گمراہی میں نہ پڑو، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتے ہیں۔

کلالہ کی تحقیق

صاحب رُوح المعانی لکھتے ہیں کہ کلالہ اصل میں مصدر ہے جو کلال کے معنی میں ہے اور کلال کا معنی ہے تھک جانا جو ضعف پر دلالت کرتا ہے، باپ بیٹے کی قرابت کے سوا قرابت کو کلالہ کہا گیا ہے اس لئے کہ وہ قرابت باپ بیٹے کی قرابت کی بہ نسبت کمزور ہے۔

پھر کلالہ کا اطلاق اس مرنے والے پر بھی کیا گیا ہے جس نے نہ اولاد چھوڑی ہو نہ والد، اسی طرح کلالہ کا اطلاق اس وارث پر بھی کیا گیا ہے جو مرنے والے کا ولد اور والد نہ ہو، لغت کے اعتبار سے جو اشتقاق بتلایا ہے اس کا تقاضہ ہے کہ لفظ ذو مقدر ہو اور کلالہ بمعنی ذو کلالہ ہو گا یعنی ضعیف رشتہ والا پھر اس کا اطلاق اس مال مورث پر ہونے لگا جو ایسے میت نے چھوڑا ہو جس کا کوئی ولد اور والد نہ ہو۔

کلالہ کی میراث

اگر کوئی شخص مرد ہو یا عورت وفات پا جائے اور اس کے نہ باپ ہو نہ دادا نہ اولاد ہو اور اس نے ایک بھائی یا بہن ماں شریک چھوڑے ہوں تو ان میں سے اگر بھائی ہو تو اس کو چھٹا حصہ ملے گا اور اگر بہن ہے تو اس کو چھٹا حصہ ملے گا اور اگر ایک سے زیادہ ہوں مثلاً ایک بھائی اور ایک بہن ہو یا دو بھائی دو بہنیں ہوں تو یہ سب مرنے والے کے کُل مال کے تہائی حصہ میں شریک ہوں گے۔ وان کان رجل یورث کلالۃ او امرأۃ ولہ اخ او اخت فلکل واحد منھما السدس فان کانوا اکثر من ذلک فھم شرکاء فی الثلث۔

اور اس میں مذکر کو مؤنث سے دہرا نہیں ملے گا، علامہ قرطبی رحمۃ اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ ولیس فی الفرائض موضع یکون فیہ الذکر والانثیٰ سواء الا میراث الاخوۃ للام۔

وصیت یا دین کے ذریعہ وارثوں کو نقصان پہنچانا جائز نہیں

مرنے والے کیلئے وصیت یا دین کے ذریعہ وارثوں کو نقصان پہنچانا جائز نہیں ہے۔

غیر مضآر مطلب یہ ہے کہ وصیت کرنے یا اپنے اوپر قرض کا فرضی اقرار کرنے میں وارثوں کو محروم کرنے کا ارادہ ہو نا اور اس ارادہ پر عمل کرنا سخت ممنوع ہے اور گناہ کبیرہ ہے۔

دین یا وصیت کے ذریعہ نقصان پہنچانے کی کئی صورتیں ممکن ہیں۔ مثلاً ایک یہ کہ قرض کا جھوٹا اقرار کر لے کسی دوست وغیرہ کو دلانے کیلئے یا اپنے مخصوص مال کو جو اس کا اپنا ذاتی ہے یہ ظاہر کر دے کہ فلاں شخص کی امانت ہے تاکہ اس میں میراث نہ چلے یا ایک تہائی سے زائد مال کی وصیت کرے یا کسی شخص پر اپنا قرض ہو اور وہ وصول نہ ہوا ہو لیکن جھوٹ یہ کہدے کہ اس سے قرض وصول ہو گیا تاکہ وارثوں کو نہ مل سکے یا مرض الوفات میں ایک تہائی سے زیادہ کسی کو ہبہ کر دے۔

مقررہ حصوں کے مطابق تقسیم کی تاکید

میراث کے حصے بیان کرنے کے بعد اللہ تبارک و تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ جو کچھ حصے مقرر کئے گئے ہیں اور دین و وصیت کے بارے میں جو تاکید کی گئی ہے اس سب پر عمل کرنا نہایت ضروری ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے وَصِيَّةً مِّنَ اللهِ یعنی اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے ایک عظیم وصیت اور مہتم بالشان حکم ہے اس کی خلاف ورزی نہ کرنا۔

اولو الارحام میراث کے مستحق ہیں

اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ

نبی مؤمنین کے ساتھ خود ان کے اپنے نفس سے بھی زیادہ تعلق رکھتے ہیں اور آپ کی بیبیاں ان کی مائیں ہیں اور رشتہ دار کتاب اللہ میں ایک دوسرے سے

مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُهَاجِرِیْنَ اِلَّآ اَنْ تَفْعَلُوْٓا اِلٰٓى اَوْلِیٰٓئِكُمْ مَّعْرُوْفًا كَانَ ذٰلِكَ فِی الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا۔

(سورۃ الاحزاب آیت ۶)

زیادہ تعلق رکھتے ہیں بہ نسبت دوسرے مؤمنین اور مہاجرین کے مگر یہ کہ تم اپنے دوستوں سے کچھ سلوک کرنا چاہو تو وہ جائز ہے۔ یہ بات لوح محفوظ میں لکھی جا چکی تھی۔

میراث رشتہ داروں کا حق ہے

میراث صرف رشتہ داروں کا حق ہے کوئی شخص صرف دینی بھائی ہونے کی بناء پر دوسرے رشتہ داروں کی موجودگی میں میراث کا حقدار نہیں۔ والوا الارحام بعضھم اولیٰ ببعض فی کتب اللہ ہاں اگر کوئی شخص کسی دوسرے کے بارے میں وصیت کر جائے تو پھر تہائی مال سے وصیت کے مطابق اسے ضرور حصہ ملے گا جیسا کہ قول باری تعالیٰ ہے الا ان تفعلوا الی اولیٰئکم معروفًا سے اس طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے یعنی نسبی رشتہ دار ہر حال میں میراث کے زیادہ مستحق ہیں ہاں اگر تم وصیت کر کے کسی دوست سے بھلائی کرنا چاہتے ہو تو ایسا کر سکتے ہو۔

وصیّت کے احکام

كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا ۖ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ۔ فَمَنْ بَدَّلَهُ بَعْدَمَا سَمِعَهُ فَإِنَّمَا إِثْمُهُ عَلَى الَّذِينَ يُبَدِّلُونَهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۔ فَمَنْ خَافَ مِنْ مُوصٍ جَنَفًا أَوْ إِثْمًا فَأَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ؁

(سورۃ البقرۃ آیت نمبر ۱۸۰ تا ۱۸۲)

تم پر فرض کیا جاتا ہے کہ جب کسی کو موت نزدیک معلوم ہونے لگے، بشرطیکہ کچھ مال بھی ترکہ میں چھوڑا ہو تو والدین اور اقارب کے لئے معقول طور پر کچھ کچھ بتلا جاوے جن کو خدا کا خوف ہے ان کے ذمہ یہ ضروری ہے جو شخص سن لینے کے بعد اس کو تبدیل کریگا تو اس کا گناہ انہی لوگوں کو ہوگا جو اس کو تبدیل کریں گے اللہ تعالیٰ تو یقیناً سنتے جانتے ہیں۔ ہاں جس شخص کو وصیت کرنے والے کی جانب سے کسی بے عنوانی کی یا کسی حرام کے ارتکاب کی تحقیق ہوئی ہو پھر یہ شخص ان میں باہم مصالحت کروادے تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔ واقعی اللہ تعالیٰ تو معاف فرمانے والے ہیں اور رحم کرنے والے ہیں۔

وصیّت کا مفہوم،

وصیّت ہر اس چیز کو کہا جاتا ہے جس کے کرنے کا حکم دیا جائے خواہ زندگی میں یا بعد الموت۔ لیکن عرف میں اس کام کو کہا جاتا ہے جس کے کرنے کا حکم بعد الموت ہو۔

شانِ نزول،

واضح رہے کہ دورِ جاہلیت میں کچھ ایسے لوگ تھے جو اپنی شہرت کی خاطر اغنیا و اجانب کے حق میں بہت سے مال کی وصیت کر جاتے تھے اور اپنے والدین و رشتہ داروں کو مال سے محروم رکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایسا کرنے سے

منع کر دیا اور اس آیت کی رُو سے والدین اور رشتہ داروں کے حق میں وصیت کو واجب قرار دیا۔

وصیّت کرنے کا حُکم

مرتے وقت مالدار شخص پر والدین اور رشتہ داروں کے لئے وصیت کرنا فرض تھا کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت ان ترک خیرا نالوصیۃ للوالدین والاقربین یعنی اے مؤمنو! تم میں جب کوئی قریب المرگ ہو تو اگر وہ بہت سا مال چھوڑے تو اس پر فرض ہے کہ والدین اور رشتہ داروں کے لئے عدل کی وصیّت کر جائے۔ اغنیا و اجانب کے لئے وصیّت نہ کرے اور وصیّت ثلث مال سے زیادہ کی بھی نہ ہو۔ یہ پرہیزگاروں پر لازم ہے یہ وصیت ابتدائے اسلام میں فرض تھی پھر اس کی فرضیّت آیت میراث سے منسوخ ہو گئی۔

وُرثا غنی ہوں تو اجانب کیلئے ثلث مال سے کم وصیت مُستحب ہے

اگر ورثا فی الحال غنی ہوں یا ترکہ اتنا ہے کہ اس سے غنی ہو جائیں گے تو اجنبیوں کے حق میں ثلث مال سے کم میں وصیت کرنا مستحب ہے ان ترک خیرا الوصیۃ یہاں خیر سے مُراد مالِ کثیر ہے۔

اور اگر مذکورہ دونوں شرطیں موجود نہ ہوں تو پھر اجنبیوں کے حق میں وصیّت نہ کرنا افضل ہے کیونکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ ان کا ایک مولیٰ تھا اس کے پاس سات سو دراہم تھے اس نے وصیت کرنا چاہی تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے منع کر دیا۔ اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ان ترک خیرا ن الوصیۃ اور خیر سے مُراد خیر کثیر ہے۔

وصیّت کو بدلنے کا گناہ بدلنے والے پر ہے

جو شخص وصیّت کے بعد اس کو تبدیل کرے گا تو گناہ گار ہو گا فمن بدلہ بعد ما سمعہ فانما اثمہ علی الذین یبدلونہ جو کوئی وصیت سُننے کے بعد اس کو بدلا لے کہ موصی لہٗ کو مال نہ دے یا جتنے مال کی وصیّت کی گئی ہے اس سے کم دے تو اس کا گناہ وصیت کے بدلنے والے یعنی وصی پر ہو گا، وصیّت کرنے والے یا موصیٰ لہٗ پر کوئی گناہ نہ ہو گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ ان کی باتوں کو سُننے والا اور ان کی نیّتوں سے باخبر ہے۔

غلط وصیّت کی صورت میں اصلاح کا حکم

جب مذکورہ آیت فمن بدله بعد ما سمعه الخ نازل ہوئی تو لوگ وعید سے بچنے کی خاطر وصیت میں مطلق تغیّر و تبدل سے پرہیز کرنے لگے اور جائز تبدیلی کو بھی روا نہ رکھتے اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر کسی وارث وصی امام یا قاضی کو یہ خوف ہو کہ وصیت کرنے والا وصیت میں سہواً صحیح راستہ سے ہٹ گیا ہے یا عمداً غلط وصیت کر گیا ہے اور وہ ان کے موصیٰ لھُم یعنی والدین اور رشتہ داروں کے درمیان یا موصی لہٗ کے اجانب اور ورثا کے درمیان اصلاح کر دے تو اس پر کوئی گناہ نہیں کیونکہ اس نے باطل کو حق سے بدلا ہے نہ کہ حق کو باطل سے۔

ذمی کیلئے وصیت جائز اور حربی کیلئے ناجائز ہے

لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِى الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۔ اِنَّمَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِى الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظٰهَرُوْا عَلٰٓى اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۔

(سورۃ الممتحنہ آیت ۸، ۹)

اللہ تعالیٰ تم کو ان لوگوں کے ساتھ احسان اور انصاف کا برتاؤ کرنے سے منع نہیں کرتا جو تم سے دین کے بارے میں نہیں لڑے اور تم کو تمہارے گھروں میں سے نہیں نکالا۔ اللہ تعالیٰ انصاف کا برتاؤ کرنے والوں سے محبّت رکھتے ہیں صرف ان لوگوں کے ساتھ دوستی کرنے سے اللہ تعالیٰ تم کو منع کرتا ہے جو تم سے دین کے بارے میں لڑے ہوں (خواہ بالفعل یا بالعزم) اور تم کو تمہارے گھروں سے نکالا ہو اور (اگر نکالا بھی نہ ہو لیکن) تمہارے نکالنے میں (نکالنے والوں کی) مدد کی ہو، اور جو شخص ایسوں سے دوستی کریگا سو وہ گناہ گار ہوں گے۔

ذمی کیساتھ احسان یعنی وصیت کرنا جائز ہے

ذمی کے ساتھ احسان و انصاف کا برتاؤ کرنا یعنی ان کے لئے وصیت کرنا جائز ہے لاینھٰکم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین ولم یخرجوکم من دیارکم ان تبروھم وتقسطوا الیھم

یعنی جن لوگوں نے تمہارے ساتھ دین کے بارے میں جنگ نہیں کی اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالا ایسے لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ تمہیں اس بات سے نہیں روکتا کہ تم ان کے ساتھ احسان کرو اور ان سے انصاف کا برتاؤ کرو بیشک اللہ تعالیٰ انصاف کرنیوالوں کو پسند کرتے ہیں۔ یہ آیت قتیلہ بنت عبدالعزیٰ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ یہ مشرکہ تھی اور کچھ تحائف تحفہ لے کر اپنی بیٹی اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئی۔ حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے نہ تو تحائف قبول کئے اور نہ ہی اسے اندر آنے کی اجازت دی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ یہ روایت بیضاوی وزاھدی میں مذکور ہے۔

حربی کے حق میں وصیت جائز نہیں

حربی کے حق میں وصیت جائز نہیں ہے اور اس کا ثبوت قرآن کریم کی سورۃ ممتحنہ کی آیت نمبر ۹ انما ینھٰکم اللہ عن الذین قاتلوکم فی الدین واخرجوکم من دیارکم سے ہے آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تو ان لوگوں کے ساتھ تعلقات استوار کرنے سے روکا ہے جنہوں نے دین کے بارے میں تمہارے ساتھ جنگ کی تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا اور تمہارے نکالنے میں دوسروں کی مدد کی۔ تم میں سے جو کوئی بھی ایسے لوگوں سے دوستی اور تعلقات قائم کرے تو وہی ظالم ہیں۔

ان لوگوں سے مراد مشرکین مکہ ہیں ان میں سے کچھ مشرکین نے مسلمانوں سے جنگ کی، کچھ نے انہیں گھروں سے نکال دیا، کچھ نے اس سلسلہ میں دوسروں سے تعاون کیا۔

(نوٹ) اسی بناء پر صاحب ھدایہ باب الوصیت میں لکھتے ہیں کہ ذمی کے حق میں وصیت جائز ہے اور حربی کے حق میں وصیت جائز نہیں کیونکہ وصیت بھی ایک قسم کا احسان ہے۔

حقوق کا بیان

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ	اور تم اللہ تعالیٰ کی عبادت اختیار کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک مت کرو اور والدین کے ساتھ اچھا معاملہ کرو اور اھل قرابت کے ساتھ بھی اور پاس والے پڑوسی کے ساتھ بھی اور دور

السَّبِيْلِ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا

(سورۃ النسآء آیت ۳۶)

والے پڑوسی کے ساتھ بھی اور غریب غرباء کے ساتھ بھی اور ہم مجلس کے ساتھ بھی اور راہ گیر کے ساتھ بھی اور جو تمہارے مالکانہ قبضہ میں ہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ ایسے شخصوں سے محبت نہیں رکھتے جو اپنے کو بڑا سمجھتے ہوں، شیخی کی باتیں کرتے ہوں۔

والدین کے ساتھ حسن سلوک

والدین کے ساتھ حسن سلوک واجب ولازم ہے کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے سورۃ نساء کی آیت میں والدین کے ادب و احترام اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کو اپنی عبادت کے ساتھ ذکر ہے واعبدوا اللہ ولا تشرکوا بہ شیئاً و بالوالدین احساناً یعنی تم اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک مت کرو اور والدین کے ساتھ اچھا معاملہ کرو۔

اسی طرح سورۃ لقمان میں والدین کے ساتھ حسن سلوک کو اپنے شکر کے ساتھ ذکر فرما کر لازم فرمایا۔ ان اشکرلی ولوالدیك یعنی میرا شکر ادا کرو اور اپنے والدین کا بھی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ جل شانہ کی عبادت کے بعد والدین کی اطاعت سب سے اہم ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے شکر کی طرح والدین کا شکر گزار ہونا بھی واجب ہے اور سورۃ بنی اسرائیل کی آیت ۲۴ واخفض لھما جناح الذل من الرحمۃ وقل رب ارحمھما کما ربّیٰنی صغیرا۔ اس میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے اولاد کو والدین کے متعلق حکم دیا ہے کہ ان کے سامنے شفقت سے انکساری کے ساتھ جھکے رہنا اور یوں دعا کرتے رہنا کہ اے میرے پروردگار ان دونوں پر رحمت فرمائیے جیسا کہ انھوں نے مجھ کو بچپن میں پالا پرورش کیا ہے۔

قرابت داروں کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید

سابقہ آیت میں والدین کے بعد عام ذوی القربیٰ یعنی تمام رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید مذکور ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وبذا القربیٰ اور اہل قرابت کے ساتھ بھی حسن سلوک کا معاملہ کرو، ایسے ہی قرآن کریم کی ایک مشہور اور جامع آیت میں جسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکثر اپنے خطبات کے آخر میں تلاوت فرمایا کرتے تھے اس مضمون کو اسی طرح بیان فرمایا ہے ان اللہ یأمر بالعدل والاحسان وایتاء ذی القربیٰ یعنی اللہ تعالیٰ

حکم دیتے ہیں سب کے ساتھ انصاف اور حسن سلوک کا اور رشتہ داروں کے حقوق ادا کرنے کا جس میں رشتہ داروں کی حسب استطاعت مالی اور جانی خدمت بھی داخل ہے اور ان سے ملاقات اور خبر گیری بھی۔

یتیم اور مسکین کا حق

یتیم و مسکین بھی حسن سلوک کے مستحق ہیں جیسا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے آیت مذکورہ میں ان کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا ہے۔ فرمایا: والیتامیٰ والمسکین اسی طرح سورۃ نسآء کی آیت ۶ میں ان کے ساتھ حسن سلوک کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وابتلوا الیتمیٰ حتّٰی اذا بلغوا النکاح یعنی یتامیٰ اور مساکین کے اولیاء کو حکم ہے کہ ان کے بالغ ہونے سے پہلے ہی چھوٹے چھوٹے معمولی خرید و فروخت کے معاملات ان کے سپرد کر کے ان کی صلاحیت کا امتحان لیتے رہو یہاں تک کہ جب وہ نکاح کے قابل یعنی بالغ ہو جائیں تو اب خاص طور سے اس کا اندازہ لگاؤ کہ وہ اپنے معاملات میں ہوشیار ہو گئے ہیں یا نہیں۔ جب ہوشیاری محسوس کر لو تب ان کے اموال ان کے حوالہ کر دو۔

پڑوسیوں کے حقوق،

مذکورہ آیت میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے قریب رہنے والے پڑوسی اور دور رہنے والے پڑوسی دونوں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا ہے۔ فرمایا والجار ذی القربیٰ والجار الجنب الخ جار کے معنی پڑوسی کے ہیں اور آیت میں اس کی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں (۱) ایک جار ذی القربیٰ یعنی نزدیک والا پڑوسی۔ دوسرے جار جنب یعنی دور رہنے والا پڑوسی، ان دونوں قسموں کی تفسیر و تشریح میں صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے مختلف اقوال منقول ہیں۔ عام مفسرین نے فرمایا ہے کہ جار ذی القربیٰ سے مراد وہ پڑوسی ہے جو تمہارے مکان کے متصل رہتا ہو۔ اور جار جنب سے مراد وہ پڑوسی ہے جو تمہارے مکان سے کچھ فاصلہ پر رہتا ہو۔

ہمنشین کا حق،

شریعت اسلام نے جس طرح نزدیک و دور کے دائمی پڑوسیوں کے حقوق واجب فرمائے ہیں اسی طرح اس شخص کا بھی حق صحبت لازم کر دیا جو تھوڑی دیر کیلئے کسی مجلس یا سفر میں آپ کے برابر بیٹھا ہو جس میں مسلم

وغیر مسلم، رشتہ دار وغیر رشتہ دار سب برابر ہیں۔ اس کے ساتھ بھی --------- حسن سلوک کی ہدایت فرمائی ہے جس کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ آپ کے کسی قول وفعل سے اس کو ایذا نہ پہنچے۔ فرمایا والصاحب بالجنب اس کے لفظی معنی ہم پہلو ساتھی کے ہیں جس میں رفیق سفر بھی داخل ہے جو ریل یا جہاز یا بس یا گاڑی میں آپ کے برابر بیٹھا ہو اور وہ شخص بھی داخل ہے جو کسی عام مجلس میں آپ کے برابر بیٹھا ہو۔

مسافر کا حق

اگر کوئی اجنبی مسافر شخص دوران سفر آپ کے پاس آجائے یا آپ کا مہمان ہوجائے اور اس جگہ اس کا کوئی تعلق دار بھی نہ ہو تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن مجید میں ایسے شخص کے اسلامی بلکہ انسانی تعلق کی رعایت کرکے اس کا بھی حق آپ پر لازم کیا ہے کہ بقدر وسعت واستطاعت اس کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔

غلام اور کنیزوں کے حقوق

غلام اور باندیوں کے متعلق بھی اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ حق لازم کردیا کہ ان کے ساتھ بھی حسن سلوک کا معاملہ کریں اور اپنی استطاعت کے موافق کھلانے اور پہنانے میں کوتاہی نہ کریں اور نہ ان کی طاقت سے زیادہ ان پر کام کا بوجھ ڈالیں وما ملکت ایمانکم اور جو تمہارے مالکانہ قبضہ میں ہیں یعنی مملوک غلام اور باندیاں۔

حقوق میں کوتاہی کرنے والوں کی مذمت

آیت کے اختتام پر حقوق میں کوتاہی کرنیوالوں کی مذمت مذکور ہے ان اللہ لا یحب من کان مختالا فخورا۔ یعنی اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو پسند نہیں کرتے جو متکبر اور دوسروں پر اپنی بڑائی جتلانے والا ہو۔

یتیموں کی اصلاح کے احکام

وَيَسْـَٔلُونَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ

اور لوگ آپ سے یتیم بچوں کا حکم پوچھتے ہیں۔ آپ فرما دیجئے کہ ان کی مصلحت کی رعایت رکھنا زیادہ بہتر ہے اور اگر تم ان کے ساتھ خرچ شامل رکھو تو وہ تمہارے بھائی ہیں اور اللہ تعالیٰ مصلحت کے ضائع کرنے والے کو

عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ ۝
(سورۃ البقرۃ آیت نمبر ۲۲۰)

اور مصلحت کی رعایت رکھنے والے کو جانتے ہیں اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو تم کو مصیبت میں ڈال دیتے، اللہ تعالیٰ زبردست حکمت والے ہیں۔

شانِ نزول

جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ولا تقربوا مال الیتیم یعنی یتیم کے مال کے قریب مت جاؤ نیز فرمایا: انّ الذین یأکلون اموال الیتٰمیٰ ظلماً انّما یاءکلون فی بطونھم ناراً کہ جو لوگ ظلم سے یتیموں کا مال کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں آگ بھر رہے ہیں۔ ان آیات کے پیشِ نظر یتیموں کے اولیاء جو ان کے مال کی دیکھ بھال کرتے تھے ان سے کنارہ کش ہوگئے اور ان سے میل جول ترک کر دیا ان کے کھانے اور ان کے بستر وغیرہ پر بیٹھنے سے بالکل احتراز کرنے لگے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرنے لگے کہ وہ یتیموں کا کیا کریں تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی قل اصلاح لھم خیر، یعنی ان کے اموال کی اصلاح و حفاظت، ترکِ اختلاط و عدم حفاظت سے بہتر ہے۔

اگر تم ان سے میل جول اور معاشرت رکھو اور ان سے کنارہ کشی نہ کرو تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں اور بھائی پر لازم ہے کہ وہ اپنے دوسرے بھائی سے اختلاط رکھے اور اس کے مال و متاع کی حفاظت کرے، اس کے مصالح کا خیال رکھے۔

اولیاء پر یتیموں کے مال کی حفاظت لازم ہے

اگر یتیموں کا مال ہو تو ان کے اولیاء پر ان کے اموال کی حفاظت لازم ہے اگر وہ حفاظت نہ کریں تو گناہ گار ہوں گے۔ اسی طرح اگر حد سے زیادہ میل ملاپ رکھیں کہ ان کے اموال سے کھانے لگیں ان کے طعام سے اجتناب نہ کریں اور ان کے بستر وغیرہ سے بچ کر رہیں تب بھی گناہ گار ہوں گے۔ قُل اصلاح لھم خیر یعنی نفع و اصلاح کے لئے اختلاط رکھیں اور خیانت وفساد سے اجتناب کریں۔ تو جائز ہے۔

(نوٹ) یتیم وہ ہے جس کا باپ مرجائے اور وہ ابھی نابالغ ہو۔

لواطت کا حکم

وَلُوطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ۔ (سورۃ الاعراف آیت ۸۰)

اور ہم نے لُوط (علیہ السلام) کو بھیجا جب کہ انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم ایسا فحش کام کرتے ہو جس کو تم سے پہلے کسی نے دُنیا جہاں والوں میں نہیں کیا۔ تم مَردوں کے ساتھ شہوت رانی کرتے ہو عورتوں کو چھوڑ کر بلکہ تم حد ہی سے گذر گئے ہو۔

لواطت حرام ہے

لواطت حرام ہے اور اس کا ثبوت قرآن کریم کی مذکورہ آیت انکم لتأتون الرجال شھوة من دُون النسآء بل انتم قومٌ مُسرِفون سے ہے اس آیت میں لواطت کی حُرمت بیان کی گئی ہے کہ وہ وقت یاد کرو جب لوط علیہ السّلام نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ تم ایسی بُرائی کا اِرتکاب کرتے ہو جو انتہائی قبیح ہے تم سے پہلے دنیا میں یہ بُرائی کسی نے نہیں کی، تم عورتوں کو چھوڑ کر مَردوں سے قضاء شہوت کرتے ہو، تم حد سے تجاوز کرنے والے لوگ ہو، ہر معاملہ میں حد سے تجاوز کرتے ہو، جیسے قضاء شہوت میں معتاد کو چھوڑ کر غیر معتاد رویہ اپنا لیا ہے۔

وباء اور طاعون سے فرار منع ہے

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ثُمَّ اَحْيَاهُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ۔

تجھ کو ان لوگوں کا قصہ تحقیق نہیں ہوا جو کہ اپنے گھروں سے نکل گئے تھے اور وہ لوگ ہزاروں کی تعداد میں تھے، مَوت سے بچنے کے لئے سو اللہ تعالیٰ نے ان کیلئے فرمایا کہ مر جاؤ، پھر ان کو جِلا دیا، بے شک اللہ تعالیٰ بڑا فضل کرنے والے ہیں لوگوں پر مگر اکثر لوگ شُکر نہیں کرتے۔

جس بستی میں کوئی وبا طاعون وغیرہ ہو تو اس میں جانا یا وہاں سے بھاگنا دونوں ناجائز ہیں

مذکورہ آیت سے چند مسائل اور احکام مستفاد ہوتے ہیں اوّل یہ کہ تقدیر الٰہی کے مقابلہ میں کوئی تدبیر کارگر نہیں ہو سکتی اور جہاد سے یا طاعون وغیرہ سے بھاگنا جان بچانے کا ذریعہ نہیں ہو سکتا اور نہ ان میں قائم رکھنا موت کا باعث ہوتا ہے بلکہ موت کا ایک وقت متعین ہے نہ اسمیں کمی ہو سکتی ہے اور نہ زیادتی۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ جس شہر میں کوئی وبائی مرض طاعون وغیرہ پھیل جائے تو وہاں سے بھاگ کر دوسری جگہ جانا جائز نہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: الم تر الی الذین خرجوا من دیارھم وھم الوف حذر الموت فقال لھم اللہ موتوا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مبارک میں اس پر اتنا اضافہ ہے کہ دوسرے لوگوں کو وہاں جانا بھی درست نہیں۔

جس شہر میں طاعون پھیل جائے اس میں داخل ہونا مناسب نہیں

اگر کسی شہر میں وبائی امراض طاعون وغیرہ پھیل جائیں تو اس میں کسی شخص کا داخل ہونا مناسب نہیں ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ اور اپنے آپ کو ہلاکت میں مت ڈالو۔ اس آیت سے اس بات پر استدلال کیا جاتا ہے کہ اگر کسی شہر میں کوئی وبا طاعون وغیرہ پھوٹ پڑے تو آدمی کو وہاں نہ جانا چاہئیے کیوں کہ وہاں جانا اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں ہلاک کرنا ہے۔ اگرچہ کئی ایک احادیث صحیحہ سے یہ بھی ثابت ہے کہ وہاں سے نکلنا بھی حرام ہے۔

مساجد کے احکام

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰہِ اَنْ یُّذْکَرَ فِیْہَا اسْمُہٗ وَسَعٰی فِیْ خَرَابِہَا اُولٰٓئِکَ مَا کَانَ لَہُمْ اَنْ یَّدْخُلُوْہَآ اِلَّا خَآئِفِیْنَ لَہُمْ فِی الدُّنْیَا خِزْیٌ وَّلَہُمْ فِی الْاٰخِرَۃِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ

(سورۃ البقرہ آیت ۱۱۴)

اور اس شخص سے زیادہ کون ظالم ہوگا جو خدا تعالیٰ کی مساجد میں ان کا ذکر (اور عبادت) کیے جانے سے بندش کرے اور ان کے ویران اور معطل ہونے (کے بارے) میں کوشش کرے ان لوگوں کو تو کبھی بے ہیبت ہو کر ان میں قدم بھی نہ رکھنا چاہیئے تھا (بلکہ جب جاتے ہیبت اور ادب سے جاتے) ان لوگوں کو دنیا میں بھی رسوائی (نصیب) ہوگی اور آخرت میں بھی سزائے عظیم ہوگی۔

مساجد میں یادِ الٰہی سے روکنا منع ہے

مساجد میں ذکر و نماز سے روکنے کی جتنی بھی صورتیں ہیں وہ سب ناجائز و حرام ہیں ومن اظلم ممن منع مساجد اللہ ان یذکر فیہا اسمہ وسعیٰ فی خرابہا۔

ذکر و نماز سے روکنے کی کئی صورتیں ہیں ان میں سے ایک صورت تو بالکل واضح ہے کہ کسی کو مسجد میں جانے یا وہاں نماز و تلاوت سے صراحۃً روکا جائے ـــــ دوسری صورت یہ ہے کہ مسجد میں شور و شغب کرکے یا اس کے قرب و جوار میں باجے گاجے بجا کر لوگوں کی نماز و ذکر وغیرہ میں خلل ڈالنا بھی ذکر اللہ سے روکنے میں داخل ہے۔

اسی طرح اوقاتِ نماز میں جبکہ لوگ اپنی نوافل یا تسبیح و تلاوت میں مشغول ہیں مسجد میں کوئی بلند آواز سے تلاوت یا ذکر بالجہر کرنے لگے تو یہ بھی نمازیوں کی نماز و تسبیح میں خلل ڈالنے اور ایک حیثیت سے ذکر اللہ سے روکنے کی صورت ہے اسی لیے حضرات فقہاء نے اس کو بھی ناجائز قرار دیا ہے۔

مساجد کا گرانا حرام ہے

مساجد کو منہدم کرنا یا اس کو ویران کرنے کی جتنی بھی صورتیں ہیں سب حرام و ناجائز ہیں۔ جیسا کہ آیت مذکورہ

کا جملہ وسعیٰ فی خرابہا اس پر دلالت کر رہا ہے کہ اس میں جسطرح کھُلے طور پر مسجد کو منہدم اور ویران کرنا داخل ہے اسی طرح ایسے اسباب پیدا کرنا بھی اس میں داخل ہے جن کی وجہ سے مسجد ویران ہو جائے اور مسجد کی ویرانی یہ ہے کہ وہاں نماز کے لئے لوگ نہ آئیں یا کم ہو جائیں کیونکہ مسجد کی تعمیر و آبادی دراصل درو دیوار یا ان کے نقش و نگار سے نہیں بلکہ ان میں اللہ کا ذکر کرنے والوں سے ہے۔

مسجدِ ضرار اور مسجد تقویٰ کا بیان

وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ وَإِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ مِنْ قَبْلُ ۚ وَلَيَحْلِفُنَّ إِنْ أَرَدْنَا إِلَّا الْحُسْنَىٰ ۖ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ۝ لَا تَقُمْ فِيهِ أَبَدًا ۚ لَّمَسْجِدٌ أُسِّسَ عَلَى التَّقْوَىٰ مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ أَحَقُّ أَن تَقُومَ فِيهِ ۚ فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ أَن يَتَطَهَّرُوا ۚ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِينَ ۝

(سورۃ التوبہ آیت ۱۰۷ و ۱۰۸)

اور بعضے ایسے ہیں جنہوں نے ان اغراض کے لئے مسجدیں بنائی ہیں کہ ضرر پہنچاویں اور کفر کی باتیں کریں اور ایمان داروں میں تفریق ڈالیں۔ اور اس شخص کے قیام کا سامان کریں جو اس کے قبل سے خدا اور رسول کا مخالف ہے اور قسمیں کھاجاویں گے کہ بجز بھلائی کے اور ہماری کچھ نیت نہیں اور اللہ گواہ ہے کہ وہ بالکل جھوٹے ہیں آپ اسمیں کبھی کھڑے نہ ہوں، البتہ جس مسجد کی بنیاد اوّل دن سے تقویٰ پر رکھی گئی وہ اس لائق ہے کہ آپ اس میں کھڑے ہوں اس میں ایسے آدمی ہیں کہ وہ خوب پاک ہونے کو پسند کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ خوب پاک ہونے والوں کو پسند کرتا ہے۔

باطل اغراض کے لئے مسجد کی تعمیر ناجائز ہے

باطل اغراض یعنی مسلمانوں کو نقصان پہنچانے یا مسلمانوں کے درمیان تفریق پیدا کرنے یا اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کو پناہ دینے کے لئے مساجد کا تعمیر کرنا ناجائز ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَالَّذِينَ اتخذوا مسجدًا ضرارا وکفرا وتفریقا بین المؤمنین وارصادا لمن حارب اللہ ورسولہ من قبل۔

مسجدِ ضرار

منافقین نے سلام کے خلاف جہاں اور بے شمار سازشیں کیں ان میں سے ایک بڑی سازش اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی یہ تھی کہ ابو عامر راہب منافق کے مشورہ پر بارہ منافقین نے مدینہ طیبہ کے محلہ قبا میں جہاں اوّل ہجرت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام فرمایا اور ایک مسجد تعمیر فرمائی تھی۔ وہیں ایک دوسری مسجد کی بنیاد رکھی، ابنِ اسحاق وغیرہ نے ان منافقین کے نام وغیرہ بھی نقل کئے ہیں، پھر مسلمانوں کو فریب اور دھوکہ میں رکھنے کے لئے یہ ارادہ کیا کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسمیں ایک نماز پڑھوادیں تاکہ سب مسلمان مطمئن ہوجائیں۔ کہ یہ بھی ایک مسجد ہے جیسا کہ اس سے پہلے ایک مسجد بن چکی ہے۔

اس غرض سے ان کا ایک وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ قبا کی موجودہ مسجد چونکہ بہت سے لوگ سے دُور ہے۔ ضعیف بیمار آدمیوں کا وہاں تک پہنچنا مشکل ہے اور خود مسجد قبا اتنی وسیع بھی نہیں ہے کہ پوری بستی کے لوگ اسمیں سما سکیں، اس لئے ہم نے ایک دوسری مسجد اس کام کے لئے بنائی ہے تاکہ ضعیف مسلمانوں کو فائدہ پہنچے اور آپ اس مسجد میں ایک نماز پڑھ لیں تاکہ برکت ہوجائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت غزوہ تبوک کی تیاری میں مشغول تھے آپ نے یہ وعدہ کرلیا کہ اس وقت تو ہمیں سفر درپیش ہے واپسی کے بعد ہم اس میں نماز پڑھ لیں گے۔ لیکن غزوہ تبوک سے واپسی کے وقت جبکہ آپ مدینہ طیبہ کے قریب ایک مقام پر فروکش ہوئے تو آپ پر آیاتِ مذکورہ نازل ہوئیں جن میں ان منافقین کی سازش کا پردہ چاک کر دیا گیا۔

اِن آیات کے نازل ہونے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چند اصحاب جن میں عامر بن سکن اور وحشی قاتل حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، وغیرہ شریک تھے ان کو حکم دیا کہ ابھی جاکر اس مسجد کو ڈھادو اور اس میں آگ لگادو یہ سب حضرات اسی وقت گئے اور حکم کی تعمیل کرکے اس کی عمارت کو ڈھاکر زمین کے برابر کردی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے والذین اتخذوا مسجدًا ضرارًا یعنی مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے لئے لفظ ضرر و ضرار دونوں عربی زبان میں نقصان پہنچانے کے معنی میں مستعمل ہوتے ہیں۔

بعض حضرات نے یہ فرق بیان کیا ہے کہ ضرر تو اس نقصان کو کہا جاتا ہے جس میں اس کے کرنے والے کا اپنا تو فائدہ ہو مگر دوسروں کو نقصان پہنچے اور ضرار دوسروں کو وہ نقصان پہنچانا ہے۔

جس میں اس نقصان پہنچانے والے کا اپنا کوئی فائدہ بھی نہیں، چونکہ اس مسجد کا انجام یہی ہونے والا تھا کہ بنانے والوں کو اس سے کوئی فائدہ نہ پہنچے اس لئے یہاں لفظ ضِرار استعمال کیا گیا۔

مسلمانوں کے درمیان تفریق کی غرض سے مسجد تعمیر کرنا ناجائز ہے۔

مسجد ضرار کی تعمیر کی دوسری غرض قرآن کریم نے یہ بتلائی وتفریقا بین المؤمنین یعنی ان کا مقصد اس مسجد کے بنانے سے یہ بھی تھا کہ مسلمانوں کی جماعت کے دو ٹکڑے ہو جائیں۔ ایک ٹکڑا اس مسجد میں نماز پڑھنے والوں کا الگ ہو جائے اور اس قدیم مسجد قباء کے نمازی گھٹ جائیں۔ اور کچھ لوگ یہاں نماز پڑھا کریں۔

اللہ اور رسولؐ کے دشمنوں کو پناہ دینے کیلئے مسجد تعمیر کرنا ناجائز ہے

منافقین کی اس مسجد کی تعمیر سے تیسری غرض کا حاصل یہ ہے کہ ان کا مقصد اس مسجد سے یہ کام لینا بھی تھا کہ یہاں اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کو پناہ ملے۔ اور یہاں مسلمانوں کے خلاف سازشیں کیا کریں جیسا کہ آیت کے اس جملہ سے معلوم ہوتا ہے وارصادا لمن حارب اللہ ورسولہ اور اس شخص کے قیام کے لئے جو پہلے سے خدا اور رسول کا مخالف ہے۔

خُلاصہ

مذکورہ تفصیل سے یہ ثابت ہوا کہ جس مسجد کو قرآن کریم نے مسجد ضرار قرار دیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اس کو ڈھا دیا گیا اور آگ لگا دی گئی درحقیقت نہ وہ مسجد تھی نہ اس کا مقصد نماز پڑھنے کے لئے تھا بلکہ مقاصد وہ تین تھے جن کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ آج کل کسی مسجد کے مقابلہ میں اس کے قریب کوئی دوسری مسجد کچھ مسلمان بنالیں اور بنانے کا مقصد یہی باہم تفرقہ پیدا کرنا اور پہلی مسجد کی جماعت توڑنا وغیرہ اغراض فاسدہ ہوں تو اگرچہ ایسی مسجد بنانے والے کو ثواب تو نہیں ملے گا بلکہ تفریق بین المسلمین کی وجہ سے گناہ گار ہوگا لیکن بایں ہمہ اس جگہ کو شرعی حیثیت سے مسجد ہی کہا جائیگا اور تمام احکام وآداب مسجد کے اس پر جاری ہوں گے، اس کا ڈھانا یا آگ لگانا جائز نہیں ہوگا۔ اور جو لوگ اس میں نماز پڑھیں گے ان کی نماز بھی ادا ہو جائے گی اگرچہ فی نفسہ ایسا کرنا گناہ رہے گا۔

تقویٰ کی بنیاد پر قائم ہونیوالی مسجد میں نماز پڑھنا صحیح ہے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہ بھی ہدایت فرمائی کہ آپ کا اس مسجد میں نماز پڑھنا درست ہے جس کی بنیاد اوّل روز سے تقویٰ پر رکھی گئی ہے اور اس میں ایسے لوگ نماز پڑھتے ہیں جن کو پاکی اور طہارت میں پوری احتیاط محبوب ہے اور اللہ تعالیٰ بھی ایسے مطہرین کو پسند کرتے ہیں۔

گھر میں مسجد بنانے کا حکم

وَاَوْحَیْنَآ اِلٰی مُوْسٰی وَاَخِیْہِ اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِکُمَا بِمِصْرَ بُیُوْتًا وَّاجْعَلُوْا بُیُوْتَکُمْ قِبْلَۃً وَّاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ۔ (سورۃ یونس آیت ۸۷)

اور ہم نے موسیٰ اور ان کے بھائی کے پاس وحی بھیجی کہ تم دونوں اپنے ان لوگوں کے لئے مصر میں گھر برقرار رکھو اور تم سب اپنے انہیں گھروں کو نماز پڑھنے کی جگہ قرار دے لو اور نماز کے پابند رہو اور آپ مسلمانوں کو بشارت دے دو۔

گھر میں مسجد بنانا مستحب ہے

گھروں میں مسجد بنانے کا حکم حالت خوف میں ہے اور اگرچہ یہ حکم حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام اور ان کی قوم کے بارے میں ہے لیکن قاعدہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ پہلی قوموں کی شریعتوں اور احکام کا تذکرہ کرے اور ان کی تردید نہ کرے تو وہ ہمارے لئے بھی واجب العمل ہوتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے واجعلوا بیوتکم قبلۃ واقیموا الصلوٰۃ اس آیت کے الفاظ عام ہیں اور اس میں امن و خوف کی قید نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ گھر میں مسجد بنانا صرف مشروع نہیں بلکہ مستحب ہے اور فقہاء کے عرف میں اس کو مسجد البیت کہتے ہیں مگر اس کے احکام وہ نہیں جو مسجد جماعت کے احکام ہیں۔

مسجد میں دنیاوی باتیں کرنے کا حکم

وَاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰہِ فَلَا تَدْعُوْا

اور جتنی مسجدیں ہیں وہ سب اللہ تعالیٰ کا حق ہیں

مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا (سورۃ الجن آیت ۱۸) | سو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کی عبادت مت کرو۔

مسجد میں دُنیاوی باتیں کرنا جائز نہیں

مسجدوں میں دُنیاوی بات چیت منع ہے وان المسٰجد للّٰہ فلا تدعوا مع اللّٰہ احدًا اس آیت میں اگرچہ کئی معنی کا احتمال ہے اور اس کے بارے میں مُفسّرین کے مختلف اقوال و آراء تفاسیر میں مذکور و منقول ہیں لیکن آیت سے ظاہراً بایں ہمہ استدلال کیا جا سکتا ہے کہ مسجد میں دنیوی بات چیت ممنوع ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ مسجدیں اللہ تعالیٰ ہی کے ذکر کیلئے ہیں لہٰذا ان میں اللہ تبارک و تعالیٰ کے ذکر نماز تلاوت قرآنِ کریم وغیرہ کے سوا کسی چیز کا تذکرہ حتیٰ کہ قطعی مقدمات درس و تدریس بھی نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا تم مساجد میں اس کی عبادت کے سوا اور کوئی بات نہ کرو۔

ہجرت کی فرضیت و عدم فرضیت

اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ ۭ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۭ قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُھَاجِرُوْا فِيْھَا ۭ فَاُولٰۗىِٕكَ مَاْوٰىھُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا ۙ

(سورۃ النساء آیت ۹۷)

بے شک جب ایسے لوگوں کی جان فرشتے قبض کرتے ہیں جنہوں نے اپنے کو گناہ گار رکھا تھا تو وہ ان سے کہتے ہیں کہ تم کس کام میں تھے وہ کہتے ہیں کہ ہم سرزمین میں محض مغلوب تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ کیا خدا تعالیٰ کی زمین وسیع نہ تھی تم کو ترکِ وطن کر کے اس میں چلا جانا چاہیئے تھا، سو ان لوگوں کا ٹھکانا جہنم ہے اور جانے کے لئے وہ بُری جگہ ہے لیکن جو مرد اور عورتیں اور بچّے قادر نہ ہوں کہ نہ کوئی تدبیر کر سکتے ہیں اور نہ رستے سے واقف ہیں، سو اُن کے لئے اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ معاف کر دیں اور اللہ تعالیٰ بڑے معاف کرنے والے، بڑے مغفرت کرنے والے ہیں —— "

ہجرت کی تعریف

مذکورہ آیت میں ہجرت کے فضائل، برکات اور احکام کا بیان ہے، لُغت میں ہجرت، ہجران اور ہجر

کے معنی میں ہے یعنی کسی چیز سے بیزار ہو کر اس کو چھوڑ دینا اور محاوراتِ عامہ میں ہجرت کا لفظ ترکِ وطن کے لئے بولا جاتا ہے۔ اصطلاحِ شرع میں دارالکفر کو چھوڑ کر دارالاسلام میں چلے جانے کو کہتے ہیں۔

ترکِ ہجرت پر وعید

جو لوگ مرتد ہو کر اور ہجرت نہ کرکے اپنے اوپر زیادتی کرتے ہیں اور اسی حالت میں فرشتے ان کی جان نکالتے ہیں اور فرشتے مرنے والے کو کہتے ہیں کہ دین کے بارے میں تم کس حالت میں تھے یعنی کسی اچھی حالت میں تھے وہ کہتے ہیں کہ ہم اس ملک میں کمزور تھے ہجرت کرنے سے عاجز تھے مشرکین ہمیں زبردستی اپنے ساتھ لے آئے ہیں تو فرشتے جواباً ان کو ڈانٹ کر کہتے ہیں کہ کیا اللہ تعالیٰ کی زمین (مدینہ یا کوئی شہر) وسیع نہ تھی کہ تم وطن چھوڑ کر وہاں چلے جاتے۔ قالوا الم تکن ارض اللہ واسعۃ فتہاجروا فیہا فاولٓئک ماْوٰھم جھنم یعنی تم ایسا کر سکتے تھے کہ مکہ چھوڑ کر کسی ایسے شہر میں چلے جاتے جہاں اپنے دین پر ظاہراً عمل کر سکتے تھے۔ یا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مدینہ چلے جاتے۔ سو ایسے لوگوں کا ٹھکانا جہنم ہے اور جہنم نہایت برا ٹھکانا ہے اس آیت کا مقصد ترکِ ہجرت پر وعید کا ثبوت ہے ابتدائے اسلام میں مسلمانوں کی غرض سے یہی حکم تھا۔

کمزوروں کے ترکِ ہجرت کا استثناء

ہجرت نہ کرنے والوں کا ٹھکانا جہنم ہے مگر جو لوگ کمزور ہیں اور اپنی کمزوری کی وجہ سے ہجرت نہ کر سکے خواہ مرد ہوں یا عورتیں یا بچے ہوں اس حال میں کہ اپنی عاجزی اور ناداری کی وجہ سے نہ کوئی تدبیر کر سکتے ہیں نہ ہی وہ راستوں سے واقف ہیں ایسے لوگوں کے بارے میں امید ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں ہجرت نہ کرنے پر بھی معاف کر دے گا۔ الا المستضعفین من الرجال والنسآء والولدان لا یستطیعون حیلۃ ولا یھتدون سبیلاً فاولٓئک عسی اللہ ان یعفو عنھم وکان اللہ عفوًا غفورًا۔

ہجرت کے فضائل

وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً

اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہجرت کرے گا تو اس کو روئے زمین پر جانے کی بہت جگہ ملے گی اور بہت

وَمَنْ یَّخْرُجْ مِنْ بَیْتِہٖ مُھَاجِرًا اِلَی اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ ثُمَّ یُدْرِکْہُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُہٗ عَلَی اللّٰہِ وَکَانَ اللّٰہُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ع
(سورۃ النسار آیت ۱۰۰)

گنجائش اور جو شخص اپنے گھر سے اس نیت سے نکل کھڑا ہو کہ اللہ تعالیٰ اور رسول کی طرف، ہجرت کروں گا اور پھر اس کو موت آپکڑے تب بھی اس کا ثواب ثابت ہو گیا اللہ تعالیٰ کے ذمہ اور اللہ تعالیٰ بڑے مغفرت کرنیوالے ہیں، بڑی رحمت والے ہیں۔

ہجرت کی برکات

ہجرت کی برکات ظاہرہ بھی ہیں اور باطنہ بھی اور ہجرت کرنے والے کیلئے اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ وعدہ ہے کہ جو شخص اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے ہجرت کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کیلئے دُنیا میں بھی راہیں کھول دیتے ہیں یعنی دنیا میں بھی اس کو اچھا ٹھکانا دیتے ہیں اور آخرت کے ثواب ودرجات تو وہم وگمان سے بھی بالاتر ہیں ومن یھاجر فی سبیل اللہ یجد فی الارض مُراغما کثیرا وسعۃ مُراغم مصدر ہے جس کے معنی ہیں ایک زمین سے دوسری زمین کی طرف منتقل ہونا۔ اور منتقل ہونے کی جگہ کو بھی مراغم کہا جاتا ہے۔

اچھے ٹھکانے کی تفسیر امام تفسیر حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے رزقِ حلال سے کی ہے اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ نے عمدہ مکان سے اور بعض دُوسرے مفسرین نے مخالفین پر غلبہ اور عزت وشرف کی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ آیت کے مفہوم میں یہ سب چیزیں داخل ہیں۔ چنانچہ تاریخ عالم شاہد ہے کہ جب کسی نے اللہ کیلئے وطن چھوڑا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو وطن کے مکان سے بہتر مکان، وطن کی عزت وشہرت وشرف سے زیادہ عزت وطن کے آرام سے زیادہ آرام عطا کیا۔

امر بالمعروف ونہی عن المنکر

وَلْتَکُنْ مِّنْکُمْ اُمَّۃٌ یَّدْعُوْنَ اِلَی الْخَیْرِ وَیَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ط (سورۃ آل عمران آیت ۱۰۴)

اور تم میں ایک جماعت ایسی ہونا ضروری ہے کہ خیر کی طرف بلایا کریں اور نیک کاموں کے کرنے کو کہا کریں اور بُرے کاموں سے روکا کریں اور ایسے لوگ پُورے کامیاب ہوں گے۔

اچھائی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا

علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ امر بالمعروف ---- اور نہی عن المنکر فرض کفایہ ہے اس سلسلہ میں بے شمار آیات و احادیث وارد ہیں جن سے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے فرض کفایہ ہونے کا ثبوت ملتا ہے ان میں سے آیت زیر بحث ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر و یأمرون بالمعروف و ینھون عن المنکر اس موضوع پر قرآن کریم کی سب سے پہلی اور سب سے واضح آیت ہے یہاں صیغہ امر بعینہٖ موجود ہے۔ ولتکن سے اس کا فرض ہونا ثابت ہے کیونکہ یہ صیغہ امر ہے اور امر وجوب کے لئے ہوتا ہے جبتک کہ کوئی ایسا سبب نہ پایا جائے جو امر کو وجوب سے ہٹا کر استحباب کی طرف پھیر دے

امر بالمعروف و نہی عن المنکر فرض کفایہ ہے۔

امر بالمعروف و نہی عن المنکر فرض کفایہ ہے اور اس کا فرض کفایہ ہونا ولتکن منکم میں لفظ منکم سے ثابت ہے کیونکہ مذہب مختار کی بناء پر یہاں من تبعیض کیلئے ہے جیسا کہ صاحبِ مدارک نے لکھا ہے کہ مِن تبعیض کیلئے ہے کیونکہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر فرض کفایہ میں سے ہے۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ تم میں سے کچھ لوگ ایسے ہونے چاہئیں جو لوگوں کو بھلائی اور شریعت کے مطابق اعمال صالحہ کی دعوت دیتے رہیں ان چیزوں کا حکم کرتے رہیں جو عقل و شارع کے پسندیدہ ہیں اور ان افعال و اعمال سے روکتے رہیں جو عقل و شرع کے نزدیک ناپسندیدہ ہیں۔

امر بالمعروف کی فضیلت

کُنتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ

(سورۃ آل عمران آیت ۔)

"تم لوگ اچھی جماعت ہو کہ وہ جماعت لوگوں کیلئے ظاہر کی گئی ہے تم لوگ نیک کاموں کو بتلاتے ہو اور بری باتوں سے روکتے ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہو اور اگر اھل کتاب ایمان لے آتے تو ان کے لئے زیادہ اچھا ہوتا۔ ان میں سے بعضے تو مسلمان ہیں اور زیادہ حصہ ان سے کافر ہیں۔"

اُمّتِ محمّدیہ کی فضیلت

آیت مذکورہ میں یہ بات ثابت ہے کہ یہ اُمّت سب سے افضل ہے اور اس کی فضیلت کی وجہ اَمر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو قرار دیا گیا ہے۔ کنتم خیر امۃ اخرجت للناس اس سے معلوم ہوا کہ اَمر بالمعروف ونہی عن المنکر بڑا فضیلت والا کام ہے۔

حیوانات کی کھال، بال اور اُون سے نفع حاصل کرنا جائز ہے

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ بُيُوتِكُمْ سَكَنًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ بُيُوْتًا تَسْتَخِفُّوْنَهَا يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَيَوْمَ اِقَامَتِكُمْ وَمِنْ اَصْوَافِهَا وَاَوْبَارِهَا وَاَشْعَارِهَآ اَثَاثًا وَّمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ۔

(سورۃ النحل آیت ۸۰)

اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے واسطے تمہارے گھروں میں رہنے کی جگہ بنائی اور تمہارے لئے جانوروں کی کھال کے گھر بنائے جن کو تم اپنے کوچ کے دن اور مقام کے دن ہلکا پاتے ہو اور ان کی اُون اور ان کے روؤں اور ان کے بالوں سے گھر کا سامان اور فائدے کی چیزیں ایک مدت کیلئے بنائیں۔

خنزیر کے علاوہ باقی جانوروں کی کھال، بال اور اُون پاک ہے

جانوروں کی کھال، ان کے بال، اُون اور رُوئیں سب حلال ہیں خواہ وہ جانور مذبوح ہوں یا غیر مذبوح مُردار ہوں، خواہ ان کا گوشت حلال ہو یا حرام ان سب قسم کے جانوروں کی کھال دباغت کے بعد استعمال کرنا حلال ہے اور بال یا اُون اور روؤں میں چونکہ حیات نہیں ہوتی اسی لئے ان پر موت بھی طاری نہیں ہوتی لہٰذا وہ مُردار کے حکم میں نہ ہوئے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ بغیر کسی صنعت کے حلال اور جائز ہیں۔ جب ان چیزوں کا استعمال جائز ہے تو یہ چیزیں پاک اور حلال ہیں۔

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہی مذہب ہے البتہ خنزیر کی کھال اور اس کے تمام اجزاء بہر حال نجس اور ناقابلِ انتفاع ہیں۔

مویشیوں کے فائدے

وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ وَلَكُمْ فِيهَا جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ وَحِيْنَ تَسْرَحُوْنَ وَتَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ ؕ اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ

(سورۃ النحل آیت ۵ تا ۷)

اور اس نے چوپایوں کو بنایا ان میں تمہارے جاڑے کا بھی سامان ہے اور بھی بہت سے فائدے ہیں اور ان میں سے کھاتے بھی ہو اور ان کی وجہ سے تمہاری رونق بھی ہے جب کہ شام کے وقت لاتے ہو اور جب صبح کے وقت چھوڑ دیتے ہو اور وہ تمہارے بوجھ بھی ایسے شہر کو لے جاتے ہیں جہاں تم بدون جان کو محنت میں ڈالے ہوئے نہیں پہنچ سکتے واقعی تمہارا رب بڑی شفقت اور رحمت والا ہے۔

چوپاؤں میں سردی سے بچاؤ کا سامان

چوپایوں میں سردی سے بچاؤ کا سامان ہے لکم فیھا دف ء اس سے مراد وہ لباس اور خیمہ وغیرہ ہیں جو بھیڑ بکری اور اونٹ کے بالوں اور چمڑے سے تیار ہوتے ہیں بالوں سے لباس اور خیمے چمڑے سے خیمے اور جوتے تیار ہوتے ہیں۔ دیگر منافع سے مراد نسل اور دودھ وغیرہ ہیں۔ اسی طرح بعض کا گوشت کھاتے ہیں۔

چوپایوں میں کھانے کے منافع

چوپایوں میں گوشت کھانے کے منافع بھی ہیں یعنی انسان ان جانوروں کو ذبح کر کے اپنی خوراک بھی بنا سکتا ہے ومنھا تاکلون اور جب تک زندہ ہیں ان کے دودھ سے اپنی بہترین غذا پیدا کرتا ہے۔ دودھ، دہی مکھن، گھی اور ان سے تیار ہونے والی تمام اشیاء اس میں داخل ہیں۔

چوپایوں کے عام فوائد

چوپایوں کے عام فوائد کے متعلق فرمایا کہ انسانوں کے بے شمار فوائد جانوروں کے گوشت، چمڑے، ہڈی اور بالوں سے وابستہ ہیں، ومنافع اور بہت سے فائدے ہیں۔ اس ابہام اور اجمال میں ان سب نئی نئی ایجادات

کی طرف بھی اشارہ ہے جو حیوانی اجزا سے انسان کی غذا، لباس، دوا استعمالی اشیا کے لئے اب تک ایجاد ہو چکی ہیں یا آئندہ قیامت تک ہوں گی۔

چوپائے ان کی شان و شوکت کے مظاہر ہیں

قرآن کریم نے ان چوپایوں کا ایک اور فائدہ عرب کے مذاق کے مطابق یہ بیان کیا ہے کہ وہ تمہارے لئے جمال اور رونق کا ذریعہ ہیں ولکم فیھا جمال حین تریحون وحین تسرحون خصوصاً جب وہ شام کو چراگاہوں سے تمہارے مویشی خانوں کی طرف آتے ہیں یا صبح کو گھروں سے چراگاہوں کی طرف جاتے ہیں کیونکہ اُن مویشیوں سے ان کے مالکان کی خاص شان و شوکت کا مظاہرہ ہوتا ہے۔

گھوڑے، گدھے اور خچر حرام ہیں

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک گھوڑے، گدھے اور خچر حرام ہیں اور ان کی حرمت پر آیت والخیل والبغال والحمیر لترکبوھا وزینۃ سے استدلال کرتے ہیں اور اس کی وجہ وہی ہے جو کشاف، مدارک اور ھدایہ کے باب الذبائح میں مذکور ہے کہ یہ آیت احسان جتلانے کے لئے وارد ہوئی ہے اور اس میں سواری اور زینت دو چیزوں کا ذکر ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان اشیا میں کمال نعمت صرف انہی دو چیزوں سے ہے کیونکہ اعلیٰ چیز کے ہوتے ہوئے حکیم ادنیٰ چیز کا ذکر بطور احسان نہیں کرتا لہٰذا ان کا گوشت کھانا جائز نہیں، اگر ان کا گوشت کھانا حلال ہوتا تو لتاء کلوھا کو بطور احسان ذکر کیا جاتا۔

قرآن کریم میں ریل موٹر اور ہوائی جہاز کا ذکر

انسانوں کی سواری کیلئے جو نئی نئی سواریاں ایجاد ہوئی ہیں جن کا زمانہ قدیم یعنی نزول قرآن کریم کے وقت نہ کوئی وجود تھا اور نہ کوئی تصور مثلاً ریل گاڑی، موٹر، ہوائی جہاز وغیرہ وغیرہ جو اب تک ایجاد ہو چکی ہیں اور وہ تمام چیزیں بھی اس میں داخل ہیں جو آئندہ زمانہ میں ایجاد ہوں گی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے ویخلق مالا تعلمون یعنی اللہ تعالیٰ پیدا کریگا وہ چیزیں جن کو تم نہیں جانتے اور قیامت تک پیدا ہونے والی تمام چیزوں کی تخلیق بھی درحقیقت خالقِ مطلق یعنی اللہ تعالیٰ ہی کا فضل ہے۔

شراب اور جُوا حرام ہیں

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُونَ۔

سورۃ المائدہ آیت ۹۰ و ۹۱)

اے ایمان والو! بات یہی ہے کہ شراب اور جُوا اور بُت وغیرہ اور قرعہ کے تیر یہ سب گندی باتیں شیطانی کام ہیں، سو ان سے بالکل الگ ہو تاکہ تم فلاح ہو شیطان تو یوں چاہتا ہے کہ شراب اور جُوئے کے ذریعہ سے تمہارے آپس میں عداوت اور بُغض واقع کر دے اور اللہ تعالیٰ کی یاد سے اور نماز سے تم کو باز رکھے سو اب بھی باز آؤ گے۔

خُلاصۂ تفسیر

پہلی آیت میں شراب، جُوا، اور بُت، اور جُوئے کی تیر چار چیزوں کی حُرمت کا بیان ہے۔ اسی مضمون کی ایک اور آیت تقریباً ایسے ہی الفاظ کے ساتھ سورۃ البقرہ میں گذر چکی ہے۔ آیت زیر بحث میں ان چار چیزوں کو رجس فرمایا ہے۔ رجس عربی زبان میں ایسی گندی چیز کو کہتے ہیں جس سے انسان کی طبیعت کو گھن اور نفرت پیدا ہو۔ یہ چاروں چیزیں ایسی ہیں کہ اگر انسان ذرا بھی عقل سلیم رکھتا ہو تو خود بخود ان چیزوں سے اس کو گھن اور نفرت ہوگی

خمر کی تعریف

انگور کا پانی جب پک کر گاڑھا ہو جائے اور جھاگ دینے لگے تو یہ ہمارے نزدیک خمر ہے اور لفظ خمر کا حقیقی معنی یہی ہے۔ ارباب لغت و اہل علم میں خمر کی یہی تعریف مشہور ہے بعض فقہاء کے نزدیک ہر نشہ آور شئی خمر ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ باتفاق اہل لغت خمر ایک خاص چیز کا نام ہے اور دوسری نشہ آور چیزوں کے لئے اور نام ہیں نیز خمر کا حرام ہونا قطعی اور دیگر نشہ آور اشیاء کا حرام ہونا ظنی ہے۔

خمر کی لُغوی تحقیق

خمر کو خمر اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں تخمر کا معنیٰ ہوتا ہے اس لئے کہ وہ عقل کو ڈھانپ لیتی ہے۔

شراب کے بارے میں فقہاء احناف کا اختلاف

امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک شراب کے لئے جیسے گاڑھا ہونا شرط ہے اسی طرح جھاگ دینا بھی شرط ہے لیکن صاحبین کے نزدیک جھاگ دینا شرط نہیں بلکہ جب گاڑھی ہوجائے تو شراب ہے خواہ جھاگ دے یا نہ دے کیونکہ گاڑھا ہونے سے اس میں فساد اور حرمت آجاتی ہے۔ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پوری طرح گاڑھی اسی وقت ہوتی ہے جب جھاگ دینے لگے چونکہ شرعی احکام قطعی ہوتے ہیں اس لئے یہ نہایت سے متعلق ہوتے ہیں۔ یہ بھی کہا جا سکتا ہے احتیاطاً مطلق گاڑھی چیز کو بھی شراب ہی کہیں گے۔ اسی طرح فقہاء کے درمیان یہ بات بھی مختلف فیہ ہے کہ شراب بعینہٖ حرام ہے یا نشہ کی بناء پر حرام ہے۔ ہمارے نزدیک خمر بعینہٖ حرام ہے اس کی حرمت نہ تو نشہ پر موقوف ہے نہ ہی نشہ اس کے حرام ہونے کی علت ہے۔

شراب سے نفع حاصل کرنا منع ہے

شراب سے نفع حاصل کرنا حرام ہے کیونکہ یہ نجس ہے اور نجس سے نفع حاصل کرنا حرام ہے۔ انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطٰن نیز آیت کے اگلے حصہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس سے اجتناب کا حکم دیا ہے فاجتنبوہ اور نفع حاصل کرنا اجتناب کی ضد یعنی اقتراب ہے۔

شراب کی حُرمت پر دس دلائل

تفسیرات احمدیہ میں بحوالہ تفسیر حسینی مذکورہ ہے کہ اس آیت میں شراب کے حرام ہونے پر دس دلائل مذکور ہیں (۱) شراب کو جوئے کے ساتھ ذکر انما الخمر والمیسر (۲) شراب کو بتوں کے ساتھ ذکر کیا۔ والانصاب (۳) اسے رجس قرار دیا۔ رجسٌ (۴) اسے شیطانی عمل قرار دیا۔ من عمل الشیطان (۵) اس سے دور رہنے کا حکم دیا فاجتنبوہ (۶) اس دوری کو کامیابی قرار دیا۔ لعلکم تفلحون (۷) اسے عداوت اور

بغض کا سبب ٹھہرایا انما یرید الشیطن ان یوقع بینکم العداوۃ والبغضاء فی الخمر والمیسر (۸) اسے خدا کی یاد سے روکنے والا بتلایا و یصدکم عن ذکر اللہ (۹) اسے نماز سے روکنے والا بتلایا۔ وعن الصلوٰۃ (۱۰) اس سے رُکنے کا حکم دیا۔ فھل انتم منتھون۔

تلک عشرۃ کاملۃ۔

شراب اور جُوا، حرام ہیں

یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيْهِمَا اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَا اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا (سورۃ البقرۃ آیت ۲۱۹)	لوگ آپ سے شراب اور قمار کی نسبت دریافت کرتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ ان دونوں میں گناہ کی کی بڑی بڑی باتیں بھی ہیں اور لوگوں کے فائدے بھی ہیں اور گناہ کی باتیں ان فائدوں سے زیادہ بڑھی ہوئی ہیں۔

اس آیت میں شراب اور جوا، کا گناہ ہونا مذکور ہے۔

شراب بالتدریج حرام ہوئی

شراب کی حُرمت درجہ بدرجہ کئی مراحل میں ہوئی یسئلونک عن الخمر والمیسر اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ آپ سے اس کے ارتکاب کے بارے میں پوچھتے ہیں شراب کی حُرمت کے بارے میں تفصیل یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی ومن ثمرات النخیل والاعناب تتخذون منه سکراً ورزقاً حسناً۔ اللہ تعالیٰ کے اس قول کا مطلب یہ ہے کہ تم کھجوروں اور انگوروں کے پھلوں سے نشہ آور چیزیں اور عمدہ رزق حاصل کرتے ہو، اہل عرب جو مسلمان ہونے سے پہلے شراب پیتے تھے اور پیتے ہی رہے اور ابتدائے اسلام میں ان کے لئے شراب حلال تھی۔ پھر کچھ عرصہ گذرنے پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں شراب کے بارے میں بتلایئے۔ کیونکہ شراب عقل کو سلب کرتی ہے اور اس میں مال کا بھی ضیاع ہے۔

اس پر یہ زیر بحث آیت نازل ہوئی قل فیھما اثم کبیر ومنافع للناس اس آیت کے پیش نظر کچھ لوگوں نے شراب ترک کر دی لیکن کچھ لوگ شراب پیتے ہی رہے اس طرح کچھ عرصہ گذرنے پر ایک دن ایسا ہوا کہ حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور کچھ دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے شراب پی کر نماز شراب شروع

کردی، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے نماز پڑھائی اور نماز میں سورۃ الکافرون پڑھتے ہوئے قُل یاایھا الکافرون لا اعبد ما تعبدون کے بجائے اعبد ما تعبدون پڑھا یعنی لا نفی کو ترک کردیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ یاایھا الذین اٰمنوا لاتقربوا الصلوٰۃ وانتم سکاریٰ۔ اے ایمان والو! حالت نشہ میں تم نماز کے قریب مت جاؤ۔

پھر ایک دن عتاب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے ایک قوم کو بُلایا انہوں نے شراب پی۔ جب نشے میں مست ہوگئے تو آپس میں جھگڑنے لگے اور ایک دوسرے کو مارا اس پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے دُعا کی کہ اے اللہ! شراب کے بارے میں کوئی واضح بیان عطا کر۔ لہٰذا یہ آیت نازل ہوئی۔ انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطٰن فاجتنبوہ لعلکم تفلحون۔

یہ سورۃ المائدہ کی آیات ہیں اور ان سے شراب قطعاً حرام ہوگی۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر کس قدر مہربان ہیں کہ شراب کو یکبارگی حرام نہیں کیا بلکہ آہستہ آہستہ حرام قرار دی تاکہ یکبارگی شراب چھوڑنے سے انہیں تکلیف نہ ہو کیونکہ وہ شراب کے عادی تھے اور اسے مُفید سمجھتے تھے تو ان پر آہستہ آہستہ حرام کی تاکہ تعمیلِ حُکم آسان ہوجائے اور اس سے انکار نہ کریں۔

الغرض شراب پہلے حلال تھی پھر اللہ تعالیٰ نے اسے گناہ قرار دیا پھر بوقتِ نماز حرام ٹھہرائی پھر مطلقاً حرام کردی گئی زیرِ بحث آیت سے تو صرف اس کا گناہ ہونا ثابت ہے اور اس کی قطعی حُرمت سورۃ المائدہ کی آیت سے ہے۔

شراب اور جُوا کا ارتکاب گناہِ کبیرہ ہے

شراب اور جُوا دونوں میں سے ہر ایک بڑا گناہ ہے اور ان میں لوگوں کے لئے کچھ فوائد بھی ہیں۔

جُوا کے گناہ: نماز کا فوت ہونا، مال کا ضائع ہونا، وقت کا ضائع ہونا وغیرہ وغیرہ۔

شراب میں گناہ، عقل کا زائل ہونا، مال کا ضائع کرنا وغیرہ ان میں سے صرف ایک نقصان عقل کا زوال ہی بہت بڑی چیز ہے کیونکہ عقل ہی شرفِ انسانی کا مدار ہے۔ حضرت جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت ہے کہ میں نے شراب اس لئے نہیں پی کہ عقل کو زائل کرتی ہے۔ میں نے کسی بُت کی پرستش نہیں کی کیونکہ بُت نہ نفع دے سکتا ہے اور نہ نقصان کرسکتا ہے۔ اپنی عورت پر غیرت کے پیشِ نظر زنا نہیں کیا اور میں نے جھوٹ نہیں بولا کیونکہ جھوٹا آدمی ہمیشہ ذلیل ہوتا ہے۔

شراب کے فوائد

شراب کے بدنی فائدے مثلاً کھانے کا ہضم ہونا، تقویتِ طبیعت وغیرہ یا اس کے اخلاقی فائدے ہیں جیسے تواضع، سخاوت، لحاظ، مروت اور مالی فائدے اس کی خرید و فروخت سے نفع کمانا۔

جوا کے فائدے غربا، دفقرا، پر آسانی، رزق کی کشائش بغیر مشقت مال کا حاصل ہونا جیسا کہ اس کی تعریف میں آپ کو یہ بات معلوم ہو چکی ہے اگرچہ یہ ان دونوں کے فائدے ہیں لیکن ان کا گناہ ان کے منافع سے بڑھ کر ہے۔ کیونکہ ان دونوں میں مال کا ضائع کرنا اور فواحش کی کثرت ہے۔

جاہلیت کے جوا کا طریقہ

والمیسر: میسر جوا، کو کہتے ہیں جس کی تفصیل یہ ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں لوگوں کے پاس دس تیر ہوتے تھے ان میں سے سات پر کچھ لکیریں لگی ہوتی تھیں جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

(۱) الغذا اس کا ایک حصہ تھا۔ (۲) التوأم اس کے دو حصے تھے (۳) الرقیب اس کے تین حصے تھے (۴) الحلیس اس کے چار حصے تھے (۵) النامس اس کے پانچ حصے تھے (۶) المیسل اس کے چھ حصے تھے (۷) المعلی اس کے سات حصے تھے۔ باقی تین کو اغفال کہتے ہیں اور ان کا کوئی حصہ نہ تھا۔ تینوں کے نام یہ تھے المنیح، السفیح، الوغد۔

وہ سب تیروں کو ایک تھیلے میں ڈال کر کسی معتبر آدمی کے ہاتھ میں دیدیتے تھے وہ اسے ہلاتا جاتا تھا پھر تھیلے میں ہاتھ ڈال کر کسی شخص کے نام پر ان میں سے تیر نکالتا تو جس آدمی کے نام پر حصوں والے تیروں میں سے کوئی تیر نکلتا تو وہ اتنے حصے لے لیتا جتنے اس پر لکھے ہوتے اور جس کے نام پر خالی تیر نکلتا وہ کچھ نہ لیتا اور سارے اونٹ کی قیمت دے دیتا وہ یہ حاصل کردہ حصے فقرا، پر بانٹ دیتے اور خود اس میں سے کچھ نہ کھاتے اس کام پر فخر کرتے اور جو شخص اس میں شریک نہ ہوتا تھا اس کی مذمت کرتے۔ یہ مضمون مدارک نے کشاف سے نقل کیا ہے یہ قمار یعنی جوا عربوں کا طریقہ تھا۔

نرد اور شطرنج وغیرہ

نرد اور شطرنج میں جوئے کی صورت اور اس کے حکم میں داخل ہے ہاں جن صورتوں میں مقامرت نہ ہو اور ریا

ایک ہی طرف سے تاوان ہو تو اس کی رخصت ہے ان میں سے بعض تو بالاجماع حرام ہیں جیسے نرد اور بعض میں اختلاف ہے جیسے شطرنج۔

دوسروں کا مال ہتھیانا اور کھانا حرام ہے

وَلَا تَأْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (سورۃ البقرہ آیت ۱۸۸)	اور آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق مت کھاؤ اور ان کو حکام کے یہاں اس غرض سے رجوع مت کرو کہ لوگوں کے مالوں کا ایک حصہ بطریق گناہ کے کھا جاؤ اور تم کو علم بھی نہ ہو۔

دوسروں کے اموال کو باطل طریقہ پر کھانا منع ہے

دوسروں کے مالوں کو ناجائز طریقوں سے حاصل کر کے کھانا منع ہے ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ولاتأکلوا اموالکم بینکم بالباطل یعنی آپس میں ایک دوسرے کا مال باطل طریقہ سے مت لو۔ جیسے چوری ڈاکہ، غصب، عقود فاسدہ، رشوت، سود، وغیرہ۔

حکام کے پاس جھوٹے مقدمات لے جانا منع ہے۔

حکام کے پاس جھوٹے مقدمات لے جا کر غلط بیانی ملمع سازی اور جھوٹے شواھد پیش کر کے اپنے حق میں فیصلہ کرا کے کسی کے مال کو ناحق کھانا منع ہے وتدلوا بہا الی الحکام لتأکلوا فریقاً من اموال الناس بالاثم وانتم تعلمون۔ یعنی نہ لے جاؤ اموال کے مقدمات حکام تک تاکہ ان کے ذریعہ تم لوگوں کے اموال کا کوئی حصہ کھا جاؤ۔ بطریقِ گناہ جب کہ تم جانتے بھی ہو کہ اس میں تمہارا کوئی حق نہیں تم جھوٹا مقدمہ بنا رہے ہو۔ اور انتم تعلمون سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص مغالطہ کی بنا پر اس چیز کو اپنا حق سمجھتا ہو اور وہ عدالت میں دعویٰ دائر کر کے اس کو حاصل کرنے کی کوشش کرے تو وہ اس وعید میں داخل نہیں۔

فہرست مراجع ومصادر

نمبر شمار	نام کتاب	مُصنّف
۱	تفسیرات احمدیہ	لشیخ احمد المدعو بملاجیون الجونفوري
۲	تفسیر ابن جریر	لِلعلامۃ ابُوجعفر محمّد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ
۳	تفسیر ابنِ کثیر	للحافظ عماد الدین ابو الفداء اسمٰعیل بن کثیر متوفی ۷۷۴ھ
۴	تفسیر قرطبی	لِلعلامۃ ابُو عبد اللہ محمّد بن احمد بن ابی بکر فرح القرطبی متوفی ۶۷۱ھ
۵	تفسیر کبیر	لِلعلامۃ فخرُ الدّین رازی متوفی ۶۰۶ھ
۶	تفسیر بحرِ محیط	لِلعلامۃ ابوحیان غرناطی اندلسی متوفی ۷۵۴ھ
۷	تفسیر احکام القرآن للجصاص	لِلامام ابُوبکر جصاص رازی متوفی ۳۷۰ھ
۸	تفسیر دُرِ منثور	لِلعلامۃ جلالُ الدّین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ
۹	تفسیر جلالین	〃 〃 〃 〃 〃
۱۰	تفسیر بیضاوی	للعلامۃ عبدُ الکریم الکورانی
۱۱	تفسیر مظہری	للعلامۃ قاضی ثناءُ اللہ پانی پتی متوفی ۱۲۲۵ھ
۱۲	تفسیر رُوح المعانی	لِلعلامۃ محمُود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ
۱۳	تفسیر ابنِ عربی	للشیخ محیُ الدّین ابنِ عربی
۱۴	تفسیر کشاف	
۱۵	تفسیر معارفُ القرآن	لِلعلامۃ مُفتی محمّد شفیع دیوبندیؒ
۱۶	الصحیح البُخاری مع فتح الباری	للامام محمّد بن اِسمٰعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ طبع مصر اولیٰ
۱۷	الصحیح المُسلم بشرحہ للنوی	للامام مُسلم بن الحجاج القشیری متوفی ۲۶۱ھ طبع مصر
۱۸	سُنن ابی داوٗد بشرح بذل المجہود	للامام الحافظ سلیمان بن الاشعث متوفی ۲۷۵ھ ابوداؤد طبع مع بذل المجہود الہند

نمبر شمار	نام کتاب	مُصنّف
۱۹	سُنن الترمذی	طبع الهند سہارنفور
۲۰	سُنن نسائیؒ	للامام احمد بن شعیب النسائیؒ متوفی ۳۰۳ھ طبع مع شرح للسیوطی
۲۱	سنن ابنِ ماجہ	للامام محمّد بن یزید ابنِ ماجہ متوفی ۲۸۳ھ
۲۲	سُنن دارمی	الامام عبدُاللہ بن عبدُالرحمٰن الدارمی متوفی ۲۵۵ھ طبع الهند
۲۳	عُمدة القاری شرح صحیح بُخاری	للعلامة المحدث بدرالدین ابی محمّد محمود ابن احمد العینی (طبع فی دار الطباعة ۱۳۰۸ھ مصر)
۲۴	فتح الملہم شرح صحیح المُسلم	للمحدث علامة شبیر احمد عثمانی طبع کراتشی مکتبة الحجاز
۲۵	فیض الباری	للمحدث علامة محمّد انور شاہ الکشمیری طبع فی مطبعة الحجازی القاهرہ ۱۳۵۰ھ
۲۶	فتح الباری شرح صحیح البُخاری	للعلامة المحدث ابی الفضل شہابُ الدین احمد بن علی بن محمّد بن حجر العسقلانی طبع مصر ۱۳۴۸ھ
۲۷	لامع الدراری شرح صحیح البُخاری	للمحدث محمّد زکریا الکاندھلوی طبع باکستان کراتشی
۲۸	الکوکب الدری علیٰ سُنن الترمذی	〃 〃 〃 طبع هند سہارنفوری
۲۹	مَاتمس الیہ الحاجة لمن یطالع سُنن ابنِ ماجہ	للشیخ مُحمّد عبدالرشید النعمانی طبع کراتشی باکستان فی اصح المطابع
۳۰	معالم السُنن للخطابی	للعلامة احمد بن محمّد الخطابی متوفی ۳۸۸ھ طبع حلب سوریا ۱۳۵۱ھ
۳۱	معرفة السُنن والآثار	للامام البیھقی طبع فی مصر القاہرہ
۳۲	مؤطا امام مالکؒ	لِلامام مالک بن انسؓ بروایة الامام محمّد بن الحسینی الشیبانی مع التعلیق الممجد طبع فی الہند
۳۳	بذل المجهود شرح سُنن ابی داوٗد	للعلامة المحدّث خلیل احمد السہارنفوری طبع هند سہارنفور
۳۴	التعلیق الممجد علیٰ مؤطا امام محمّد	للامام عبدُالحیٔ اللکنوی طبع الهند
۳۵	تنویر الحوالک شرح مؤطا امام مالکؒ	للامام جلالُ الدین عبدُالرحمٰن بن ابی بکر السیوطی توفی ۹۱۱ طبع قاهرہ
۳۶	توضیح الافکار لشرح تنقیح الانظار	للعلامة محمّد اسمٰعیل الامیر الحسینی الصنعانی توفی ۱۱۸۲ صاحب کتاب سبیل السلام تحقیق عبدُالمجید طبع مصر ۱۳۶۶ھ

نمبر شمار	نام کُتب	مُصنّف
۳۷	توجیہ النظر فی اصُول الاُثر	للعلامۃ طاہر بن صالح بن احمد جزائری الدمشقی طبع علی نفقۃ المکتبۃ العلمیۃ المدینۃ المنوّرۃ السعُودیۃ
۳۸	تدریب الراوی شرح تقریب النواوی	للامام جلالُ الدّین عبدُالرحمٰن بن ابی بکر السیوطی توفی ۹۱۱ھ تحقیق عبدُالوہاب عبداللطیف نشر مکتبۃ علمیہ بالمدینۃ المنورۃ
۳۹	الجامع الکبیر	لِلامام مُحمّد بِن الحسن الشیبانی طبع لاہور ۱۹۸۱ء
۴۰	حاشیۃ بدر الساری الی فیض الباری	تالیف لعلامۃ مُحمّد بدر عالم المیرٹھی طبع مصر عام ۱۹۳۸ء
۴۱	سُنن الترمذی بشرح معارف السُنن	للامام ابی عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورہ الترمذی متوفی ۲۷۹ھ طبع بشرح معارف السنن باکستان ۱۳۸۲ھ
۴۲	سبیلُ السّلام شرح بلوغ المرام	للعلامۃ مُحمّد بن اسمٰعیل الامیر الحُسینی الصنعانی متوفی ۱۱۸۲ھ طبع القاہرۃ (مصر)
۴۳	فتحُ المغیث	للعلامۃ شمسُ الدّین السخاوی متوفی ۹۰۲ھ بتحقیق عبیدُالرحمٰن مُحمّد عثمان طبع ثانیۃ مکتبۃ الحجاز ۱۹۶۸ء
۴۴	کشفُ الظنون	للعلامۃ مصطفیٰ بن عبدُاللہ المعروف بحاج خلیفۃ الجلبی طبع فی مطبعۃ العالم دارالسعادۃ ۱۳۱۰ھ
۴۵	ھدایۃ	للعلامۃ علی الشوکانی طبع فی مصر القاہرہ
۴۶	نیلُ الاُوطار	للعلامۃ علی الشوکانی طبع فی مصر القاہرہ
۴۷	الملل و النحل	للعلامۃ شہر ستانی
۴۸	مقدمۃ اوجز المسالک	للمحدث محمّد زکریّا الکاندھلویؒ طبع ہند
۴۹	مفتاح السعادۃ	للعلامۃ احمد بن مصطفیٰ المعروف بطاش کبری زادہ توفی ۹۶۲ھ
۵۰	المغنی لابن قدامۃ	للعلامۃ ابی عبدُاللہ مُحمّد عبد بن مُحمّد بن قدامہ طبع فی مطبع بولاق مصر ۱۳۶۸ھ

نمبر شمار	نام کتاب	مُصنّف
۵۱	المصباح فی اصُول الاثر	للشیخ السیّد قاسم بن عبدُ الجبّار بن عبدُ الرحیم طبع مصر ۱۹۶۰ء
۵۲	شرح وقایۃ	عبیدُ اللہ بن مسعود بن تاج الشریعۃ
۵۳	الطبقات الکُبریٰ لابنِ سعد	للعلّامۃ محُمّد بن سعد البصری
۵۴	حسامی	للشیخ الامام حسامُ الدّین محمّد بن محمّد بن عمر الاخسکیثی متوفی ۶۴۴ھ
۵۵	اصُول التشریع الاِسلامی	الاستاذ حبیبُ اللہ طبع مصری عام ۱۳۸۳ھ
۵۷	اصول الفقہ الاسلامی	للامام السرخسیؒ
۵۸	الاختیارات الفقہیّۃ من فتاویٰ ابنِ تیمیۃ	انتخبہا الشیخ علاءُ الدین علی البعلی طبع فی مطابع الریاض السعُودیۃ
۵۹	الاختیارات لتعلیل المختار	للفقیہ عبد اللہ بن محمُود بن مودود، طبع بیروت عام ۱۹۷۵ء
۶۰	امانی الاحبار شرح معانی الآثار	للعلّامہ محمّد یوسُف کاندھلویؒ طبع الھند عام ۱۳۶۹ھ
۶۱	انہاء السکن الیٰ من یطالع اعلاء السُنن	للعلّامہ المحدّث ظفر احمد تھانویؒ کراتشی عام ۱۳۸۳ھ
۶۲	اَوجز المسالک شرح مؤطا امام مالکؒ	للمحدّث محمّد زکریّا الکاندھلوی طبع ھند عام ۱۳۸۶ھ
۶۳	اصول الشاشی	لِلعلّامہ نظامُ الدّین الشاشی

بالمقابل ہوم اسٹیڈ ہال ۔ فاطمہ جناح روڈ ۔ پکا قلعہ ۔ حیدر آباد (سندھ)